برصغیر پاک وہند میں اسلامی تصوف پر ہندو مت کے اثرات

(تحقیقی جائزہ)

تحقیقی مقالہ برائے

ایم۔فل علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

حفظ الرحمٰن

ایم۔فل علوم اسلامیہ

نگران مقالہ

ڈاکٹر حافظ راؤ فرحان علی

لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ

نمل، اسلام آباد

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

سیشن ۲۰۱۷ء

فہرستِ عنوانات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ	Iv
۲	حلف نامہ (Declaration)	V
۳	انتساب (Dedication)	Vi
۴	اظہار تشکر (A word of thanks)	Vii
۵	ملخص مقالہ (Abstract)	Viii
۶	مقدمہ	X
۷	**باب اوّل: تصوف کا تعارف اور برصغیر میں تصوف کا ارتقاء**	۱
۸	فصل اوّل: تصوف کا معنی و مفہوم، ضرورت و اہمیت	۲
۹	فصل دوم: برصغیر میں تصوف کا ارتقاء	۲۵
۱۰	فصل سوم: برصغیر میں صوفیائے کرام کے مشہور سلاسل	۳۸
۱۱	فصل چہارم: ممدوح اور مذموم تصوف: مختصر جائزہ	۵۹
۱۲	**باب دوم: ہندومت میں تصوف کی بنیادیں**	۷۳
۱۳	فصل اول: ہندومت کا مذہبی لٹریچر	۷۴
۱۴	فصل دوم: ہندومت کا فلسفہ نجات	۹۱
۱۵	فصل سوم: ہندومت اور اسلام: تصوفانہ تقابل	۱۱۱
۱۶	**باب سوم: اسلامی تصوف پر ہندومت کے اثرات**	۱۳۵
۱۷	فصل اول : اسلامی عقائد پر ہندومت کے اثرات	۱۳۶
۱۸	فصل دوم: اسلامی عبادات پر ہندومت کے اثرات	۱۴۸
۱۹	فصل سوم: ثقافت اسلامیہ پر ہندومت کے اثرات	۱۶۳
۲۰	**باب چہارم: اسلامی تصوف پر ہندومت کے اثرات کے اسباب، نتائج اور ان کا تدارک**	۱۷۳

۲۱	فصل اول: اسلامی تصوف پر ہندومت کے اثرات کے اسباب	۱۷۴
۲۲	فصل دوم: اسلامی تصوف پر ہندومت کے اثرات کے نتائج	۱۸۴
۲۳	فصل سوم :اسلامی تصوف پر ہندومت کے اثرات کا تدارک	۱۹۲
۲۴	خلاصہ بحث	۱۹۹
۲۵	نتائج بحث	۲۰۱
۲۶	تجاویز وسفارشات	۲۰۳
۲۷	فہرست آیات	۲۰۵
۲۸	فہرست احادیث	۲۰۷
۲۹	فہرست اعلام	۲۰۸
۳۰	فہرست اصطلاحات	۲۰۹
۳۱	فہرست بُلدان	۲۱۰
۳۲	فہرست فِرق متفرقہ	۲۱۲
۳۳	مصادر مراجع	۲۱۴

منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **برصغیر پاک وہند میں اسلامی تصوف پر ہندومت کے اثرات (تحقیقی جائزہ)**

A Researched Critique of Hindu Influence on Islamic Sufism in Subcontinent

نام ڈگری: ایم فل علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: حفظ الرحمٰن

رجسٹریشن نمبر: **1298/MPhil/Is/F16**

ڈاکٹر حافظ راؤ فرحان علی _____

(نگران مقالہ) دستخط نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر شاہد صدیقی _____

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

بریگیڈئیر محمد ابراہیم _____

(ڈائریکٹر جنرل) دستخط ڈائریکٹر جنرل

تاریخ: _____

حلف نامہ فارم

(Candidate declaration form)

میں **حفظ الرحمٰن** ولد **محمد صالح**

رول نمبر : 004 -ID-AF16-IS-MP رجسٹریشن نمبر : 1298/MPhil/Is/F16

طالب علم ،ایم فل شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ

بعنوان : **برصغیر پاک وہند میں اسلامی تصوف پر ہندومت کے اثرات (تحقیقی جائزہ)**

A Researched Critique of Hindu Influence on Islamic Sufism in Subcontinent

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے،اور **ڈاکٹر حافظ راؤ فرحان علی** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے ،راقم الحروف کا اصل کام ہے،اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے ، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہےاور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: **حفظ الرحمٰن**

دستخط مقالہ نگار: _____

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

انتساب

اپنے والدین

کے نام

جن کی دعائیں اور رہنمائی ہمیشہ میرے لیے

نشانِ منزل ثابت ہوئی۔

میں ہمیشہ ان کیلئے دعا گو ہوں

رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا

اور رفیقہ حیات کے نام جن کے تعاون اور ساتھ نے مجھے حوصلہ دیا اور ہمت بڑھائی۔

آمین

اظہار تشکر

سب سے پہلے میں اس معبود برحق کا شکر گزار ہوں کہ جس نے اپنے کرم سے مجھے فہم دین حاصل کرنے کا موقع اور توفیق عطا فرمائی۔ درود و سلام ہو حضور نبی کریم ﷺ پر جو امام الانبیاء اور مخلوقات میں افضل ترین انسان ہیں۔ ایک بار پھر میں تحقیقی کاوش کی تکمیل پر اپنے والدین کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جن کی دعاؤں، شفقتوں اور رہنمائی کے سائے میں ایم فل علوم اسلامیہ کی تکمیل کی طرف گامزن ہوں۔ میں اپنے نگران مقالہ ڈاکٹر حافظ راؤ فرحان علی کا بے حد مشکور ہوں جن کی بروقت راہنمائی اور گراں قدر قیمتی مشوروں کے ذریعے یہ تحقیقی کام اپنے پایہ تکمیل تک پہنچا، ساتھ ہی میں ڈاکٹر نور حیات خان صاحب صدر شعبہ علوم اسلامیہ اور دیگر اساتذہ کرام کا بھی ممنون احسان ہوں جن کی مدد سے یہ مقالہ زیور طبع سے آراستہ ہوا۔

آخر میں ان تمام لوگوں اور احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کاوش کے دوران میری کسی نہ کسی انداز سے مدد فرمائی۔

اللہ تعالیٰ سب کو اجر عظیم سے نوازے۔ (آمین)

ABSTRACT

برصغیر پاک وہند میں اسلامی تصوف پر ہندومت کے اثرات (تحقیقی جائزہ)

A Researched Critique of Hindu Influence on Islamic Sufism in Subcontinent

The distinctive feature of universality of Islam offers solution to all the problems faced by human race. Islam not only encompasses comprehendsively laws regarding peace, politics, war and state affair but it also addresses man's spiritual needs and caters the related issues in the most appropriate manner. Islamic jurists tried to deal with day to day issues logically; a group of *Muhaddiseen* (Scholars of *Hadith*) has been there to preserve *Ahadiths*. Similarly the discipline that has been working from day one, to purge man's innate evil desires and focus moral aspect, is named as *Tassawuf*. *Tassawuf*, in reality, is a process of cleansing and purification of heart and mind, under spiritual principles, that is in conformity with the Holy Qur'an and *Sunnah*. This exercise of *Sufiya* (Spiritualists) has been in practice since long. But unfortunately, some of the disapproved rituals were added to the discipline of Spiritualism which does not belong to *Tassawuf* and Islam in itself. These false practices strengthen gradually among the Muslims due to the close proximity with Hindus and later on, accidently became an undesired feature of *Tassawuf.*

The topic that has been discussed in this research is that these illegitimate rituals have been added to *Tassawuf* are the impact of Hindu philosophy. This influence has been analyzed and researched. The method that I have chosen for the research is "Qualitative Method".

This has been proved after a brief review of literature that *Tassauf e Haqiqi* (Real or True Spiritualism) is the cleansing of inner soul (*Nafs*), restraining from ignoble deeds and the attainment of virtues (*Fazails*). Many a non Islamic practices or beliefs present in *Tassawuf* whose eradication is vital. For example; Due to living with Hindus, the Muslims too, started considering *Suffiya* as the masters or controller of

metaphysical forces. The characteristics which are specific for Allah Almighty were assigned to *Suffiya*.

Many Hindu customs exist in Islam due to living closely with Hindus and labeled as part of *Tassawuf* as meditation in forests for a long time, was a practice of Hindu Pundits. Metempsychosis, Omnipotent and different festivals is the result of co-existence with Hindus. Beside this many more such other misconceptions have been discussed in this research. I would recommend in the light of the discussion to exempt *Tassawuf* from these wrong beliefs and bring it back to its original form as it changes character and morals of the society in the past; now *Tassawuf* is a need of the hour to bring about a revolution in morality and ethics of people.

مقدمہ

موضوع کا تعارف:

انسان محض گوشت پوست کا نام نہیں بلکہ اس گوشت پوست کے اندر ایک چیز ہے جو بولتی اور سوچتی اور جو ارح سے کام لیتی ہے اُسے ''نفس'' یا ''روح'' کہہ لیجئے۔

تصوف انسان کے اس ''نفس'' یا ''روح'' میں ایک تحریک پیدا کرتا ہے اور اسے ایک ولولہ دیتا ہے اس میں حرکت پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک برقی رو ہے جو انسان کے اندر دوڑ جاتی ہے۔ جذبہ تصوف شریعت کی مطلوب چیزوں کی ادائیگی کے حوالے سے بندے کے اندر خلوص اور عقیدت پیدا کرتا ہے۔

تصوف کا رجحان انسانی ذہن میں ایک خاص جوہر ہے، بعض طبیعتوں کو قدرت کی طرف سے اس جوہر کا وافر حصہ ملتا ہے اور بعض کو کم اور پھر بعض کو اس ملکہ کی نشوونما کے لئے ساز گار ماحول نصیب ہو جاتا ہے اور بعض اس سے محروم رہتے ہیں۔ بہر حال یہ جذبہ کسی نہ کسی حد تک ہر انسان میں موجود ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا کے متعدد مذاہب میں ''تصوف'' اور ''اہل تصوف'' کا وجود پایا جاتا ہے۔ ہر ایک کی اپنی تعلیمات ہیں اور مجاہدوں اور ریاضتوں کے طور طریقے بھی اپنے ہیں لیکن تصوف اسلامی راہ اعتدال سے مزین ہے۔ اور وحی خداوندی پر مبنی اصلاح کا طریقہ ہے۔

زیر نظر مقالہ میں مروجہ تصوف اور تصوف اسلامی کا مطالعہ کیا جائے گا اور پھر ان کا موازنہ کرتے ہوئے یہ واضح کیا جائے گا کہ وہ کون سے اثرات ہیں جو کہ ہندومت سے اسلامی تصوف پر مرتب ہوے ہیں۔ اور ان اثرات کی وجہ سے معاشرے میں اسلامی تصورات کس حد تک تبدیل ہوئے ہیں۔

موضوع کی اہمیت وافادیت:

موجودہ وقت میں دنیا کے جو بڑے مذاہب سمجھتے جاتے ہیں وہ اسلام، ہندومت، عیسائیت اور یہودیت ہیں۔ تمام ادیان عالم میں خدا کی عبادت اور ذکر واذکار کے طریقے ایک دوسرے سے کہیں مماثلت رکھتے ہیں تو کہیں ایک دوسرے سے الگ بھی ہیں۔ عبادت وریاضت کا ایک طریقہ یا یوں کہا جائے کہ ایک شعبہ تصوف کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ تصوف کے رجحانات تمام مذاہب میں پائے جاتے ہیں۔

برصغیر پاک وہند میں جو دو بڑے مذاہب پائے جاتے ہیں وہ ہندومت اور اسلام ہیں۔ اسلام کے آنے کے بعد برصغیر میں

جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ان میں سے اکثریت ہندوؤں اور سکھوں کی تھی۔ یہ لوگ جب اسلام میں داخل ہوئے تو یہ لوگ اپنے ساتھ اپنے پرانے مذہب کی تعلیمات کو بھی ساتھ لائے۔ اور اس ثقافت اور رہن سہن کو نہ چھوڑا بلکہ کوشش یہ کی کہ اسلام کو اپنی ثقافت اور کلچر کے مطابق ڈھالا جائے نہ کہ خود کو۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم اپنے معاشرے میں ایسی کئی چیزیں، رسومات وغیرہ دیکھتے ہیں کہ جن کا تعلق خالصتاً ہندو مذہب سے ہے جیسے شادی بیاہ اور مرگ کی رسومات وغیرہ۔

اس طرز عمل نے اسلام کے جن شعبوں کو متاثر کیا ہے ان میں سے ایک شعبہ تصوف کا شعبہ بھی ہے۔ دین اسلام کی تعلیمات ہیں کہ "لا رھبانیۃ فی الاسلام" اسلام میں رھبانیت نہیں ہے جب کہ باقی تمام ادیان میں تصوف کے نام پر رہبانیت ہی کا درس دیا جاتا ہے۔ اور یہی تاثر اب مسلمان صوفیاء کرام کے اندر بھی پایا جاتا ہے۔

اس مقالے میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ تصوف کے شعبے میں کون کون سی اشیاء اسلامی تصوف پر اثر انداز ہوئی ہیں؟ اور ان کا معاشرے پر کیا اثر پڑا ہے؟ اور لوگ کس طرح ہندومت کے تصوف میں مبتلا ہو گئے ہیں اور ان کو اس بات کا علم بھی نہیں ہے۔

تحقیق کے مقاصد:

تحقیقی مقالے کے مجوزہ موضوع پر کام کرتے ہوئے درج ذیل مقاصد میرے پیش نظر تھے۔

۱) تصوف کا مفہوم واضح کرتے ہوئے تصوف کے اسلامی اور ہندومت کے تصور کو بیان کرنا۔

۲) اسلام اور ہندومت میں تصوف کا مقام و حیثیت بیان کرنا۔

۳) تصوف اسلامی اور ہندومت تصوف کا تقابلی جائزہ پیش کرنا۔

۴) برصغیر میں موجودہ دور کے اسلامی تصوف میں ہندومت کے تصوف کا اثر اور اس کے نتائج کو بیان کرنا۔

۵) کس طرح خالص اسلامی تصوف کو فروغ دیا جائے اور غیر اسلامی تصوف کے اثرات سے بچا جائے۔

تحقیق کے بنیادی سوالات:

تحقیق کے بنیادی سوالات درج ذیل ہیں:

۱) دین اسلام اور ہندوازم میں تصوف کی بنیادیں کیا ہیں؟

۲) اسلامی تصوف پر ہندومت کے اثرات کیا اور کیوں کر ہیں؟

۳) تصوف اسلامی پر ہندومت کے اثرات کا تدارک کیوں کر ممکن ہے؟

سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ:

زیر نظر مقالہ سے متعلق سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ درج ذیل ہے:

اسلام اور ہندومت کے عنوان کو بہت سے محققین نے موضوعِ بحث بنایا ہے لیکن تصوف کی اس جہت سے جس کو ہم نے موضوع بحث بنایا ہے کسی نے اس پہلو سے اس عنوان کو نہیں دیکھا ذیل میں ہم چند مقالہ جات کا ذکر کرتے ہیں جو اس عنوان سے متعلقہ ہیں۔

۱. اسلام اور ہندومت میں "عبادات" کا تحقیقی و تقابلی جائزہ، مقالہ نگار: اسرار نیاز خان بن نیک دراز خان، نگران تحقیق: ڈاکٹر عبدالقدوس، شعبہ علوم اسلامیہ و تحقیق، یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، بنوں، صوبہ خیبر پختونخواہ، پاکستان، ۲۰۱۲ء

مذکورہ بالا مقالہ کے اندر صاحبِ مقالہ نے اسلامی عبادات اور اور ہندومت میں مقررہ مذہبی عبادات کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ صاحب مقالہ نے اس میں عبادات کا تحقیقی اور تقابلی جائزہ پیش کر کے اسلام کی حقانیت، عبادات کے مقاصد اور ان کے فرض ہونے کی حکمتوں کو اسلامی نکتہ نظر سے تقابلاً پیش کیا ہے جو بلاشبہ عمدہ کام ہے۔ لیکن زیر نظر مقالہ عبادات کا ہی تقابل ہے۔ ہمارے موضوع میں ہندومت سے تصوف کی بنیاد پر، تمدنی، و مذہبی رنگ میں در آنے والی چیزیں شامل ہیں جو اس مقالہ سے خارج ہیں۔

۲. اسلام میں تصور عبادت و عبدیت اور اس کا غیر الہامی مذاہب کے ساتھ تقابلی جائزہ (خصوصی طور پر ہندومت، بدھ مت اور سکھ مت کی روشنی میں) مقالہ نگار: کلثوم بی بی، نگران تحقیق: پروفیسر ڈاکٹر شمس البصر، شعبہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، ۲۰۰۸ء

مذکورہ بالا مقالہ میں مقالہ نگار نے اسلامی عبادات اور تصورِ عبادت اور بندگی کا دیگر تین مذاہب جن میں، ہندومت، بدھ مت، سکھ مت، شامل ہیں کے ساتھ تقابلی جائزہ لیا ہے۔ جس کے مندرجات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ نگار نے اس مقالے میں ،اسلامی تصور عبادت، کو وحی کی بنیاد پر واضح کیا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ اسلام الہامی مذہب ہے جس کی بنیاد وحی الہی قرآن مقدس کی تعلیمات پر مبنی ہے جبکہ دیگر مذاہب میں عبادات کا ایسا منظم تصور نہیں ہے۔ عبادات کے اس تصور اور ترجیح میں محض اسی عنوان کو لیا گیا ہے علاوہ ازیں ہندومت میں روحانیت و تصوف کے اعتبار سے مقالہ نگار نے اسے تشنہ چھوڑا ہے اور اس حوالے سے اس میں کوئی تفصیل نہیں ملتی ہے۔ جو ہمارے موضوع بحث سے متعلق ہے۔

۳. تصوف میں شامل غیر اسلامی تصورات (برصغیر کے تناظر میں تحقیقی و تنقیدی جائزہ)، مقالہ نگار: مہوش عروج، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (NUML)، اسلام آباد، پاکستان، ۲۰۱۱ء

درج بالا مقالہ اپنے عنوان کے اعتبار سے ہمارے موضوع بحث عنوان کے نہایت ہی قریب ہے جس میں بظاہر جہت ایک ہی معلوم ہوتی ہے، لیکن من وجہ دونوں میں فرق ہے۔ مقالہ نگار نے اس مقالے میں تصوف کے ان نظریات و محتویات سے بحث کی ہے جو غیر اسلامی ہیں اور اس کے پسِ منظر میں برِ صغیر کے دور کو ذکر کیا ہے یعنی تصوف کے وہ غیر اسلامی نظریات جو برِ صغیر میں تبدیل ہوئے جن پر اسلامی تعلیمات و اصول کا کوئی سایہ نہیں ہے اس اعتبار سے یہ ایک عمدہ موضوع ہے، لیکن ہمارے عنوان سے یہ اس بنا پر مختلف ہے کہ اس میں غیر اسلامی نظریات کو برصغیر کے تناظر میں دیکھا گیا ہے۔ غیر اسلامی نظریات ایک وسیع اصطلاح ہے جس میں اسلام کے علاوہ دیگر تمام مذاہب اور غیر مذاہب کے نظریات شامل ہیں اور ان نظریات کی وجوہات متعدد ہو سکتی ہیں مثلاً، سیاسی، سماجی، ریاستی، برصغیر کا طرز بود و باش، لیکن ہمارا عنوان مرتکز مطالعہ پر مبنی ہے جس میں اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ تصوفِ اسلامی پر ہندومت کے اثرات کیونکر مرتب ہوئے ہیں اور ہمارے معاشرے پر ان کے اثرات کے نتائج کیا نکلے ہیں؟

۴. اسلام اور ہندو معاشرہ (موازنہ اور تنقیدی جائزہ)، مقالہ نگار: حسین فاروق، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (NUML) اسلام آباد، پاکستان، ۲۰۰۷ء

یہ مقالہ اپنے وسعتِ موضوع اور ضخامت کے اعتبار سے ایک عمدہ مقالہ ہے جس میں مقالہ نگار نے، معاشرہ کی اہمیت، تصور اور اس کے ارتقا سے آغاز کرتے ہوئے ہندومت کے معاشرتی، سیاسی، ارتقا، کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ نیز الہامی اور غیر الہامی مذاہب کے عنوان کو بھی زیر بحث لا کر فرق واضح کیا ہے۔ مقالہ نگار نے پہلے چار ابواب میں مذکورہ عنوانات کے تحت عمدہ بحث کی ہے البتہ باب پنجم میں، اسلام اور ہندومت میں رسوم و رواج کا موازنہ کے عنوان سے قدرے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جو بظاہر ہمارے ہی زیر بحث موضوع سے مناسبت رکھتا ہے، لیکن من وجہ فرق یہ ہے کہ مقالہ نگار نے جن عنوانات کے تحت ان موضوعات کو زیر بحث لایا ہے وہ، فکری موازنہ، عبادات کا موازنہ، تکوینی نظریات، رسوم و رواج کا جائزہ، ہیں جبکہ ہم خالصتاً تصوف اور تصوف کے نام پر دینِ اسلام میں ہندومت کے توسط سے پیدا شدہ خرافات و بدعات، کو زیر بحث لائیں گے جو اس عنوان سے بے حد مختلف اور الگ نوعیت کا ہے۔

۵. برصغیر میں صوفیا کی تعلیمات کا تنقیدی جائزہ اور ان کی روشنی میں عصر حاضر کے مسائل کا حل، مقالہ نگار: کنیز فاطمہ، نگران تحقیق: ڈاکٹر سید علی انور، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (NUML) اسلام آباد، پاکستان، ۲۰۱۳ء

مذکورہ مقالہ اپنے عنوان کے اعتبار سے برِ صغیر کے تناظر میں ہونے کی وجہ سے ہمارے زیرِ بحث موضوع کے قریب قریب معلوم ہوتا ہے لیکن مندرجات مقالہ دیکھنے کے بعد یہ معلوم ہوا کے دونوں عناوین مختلف فیہ ہیں۔ مقالہ نگار نے اس مقالہ میں برِ صغیر میں صوفیاء اور تصوف کے ارتقائی مرحلے یعنی عروج کے دور کو ذکر کرتے ہوئے مخصوص معاشرتی مسائل جیسے صوفیاء کی

ازدواجی زندگی کیونکہ بعض صوفیاء نے عائلی زندگی کو اختیار نہیں کیا، معاشی مسائل کہ ان کا گزر بسر کیسے ہوتا تھا، معاشرے میں بہتری کے لئے عملی اخلاقی پہلو سے تعلیمات اور کردار کو زیر بحث لایا گیا ہے اور موجودہ دور کے اعتبار سے جو مسائل درپیش ہیں ان کے حل کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے جبکہ ہمارا موضوع بحث عنوان اس اعتبار سے مختلف ہے کہ اس میں تصوف میں ہندومت کے ساتھ مختلط ہونے سے جو نظریات واعمال اسلام کے نام پر مذہب کا حصہ بنادیئے گئے ہیں ان کے اسباب کیا تھے، اور کیوں ایسا ہوا ،اور ان سے بچاو کی صورت کیا ہے یہ تمام تر عنوانات اس مقالہ میں مفقود ہیں، جو ہم زیرِ بحث لائیں گے۔

تحقیقی مقالہ جات:

۱. ہندومت قبل از اسلام ،فکر و نظر ، ج: ۳۷، شمارہ :۴، ڈاکٹر ظفر اللہ بیگ ،اسسٹنٹ پروفیسر ،انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی

۲. اسلامی تصوف کے مصادر اور مستشرقین کی آراء کا ایک تجزیاتی مطالعہ ،الایضاح،۲۸ جون ۲۰۱۴،عبدالوہاب جان الازہری، لیکچرر شعبہ علوم اسلامیہ، انٹر نیشنل اسلامک یونیورسٹی

اسلوب تحقیق:

اسلوب تحقیق بیانیہ، تجزیاتی، تقابلی اور تاریخی ہو گا۔ حواشی و حوالہ جات میں یونیورسٹی فارمیٹ کو مد نظر رکھا جائے گا۔

باب اول

اسلامی تصوف کا مختصر تعارف اور بر صغیر میں تصوف کا ارتقاء

فصل اول:

تصوف اسلامی: معنی و مفہوم، ضرورت و اہمیت

فصل دوم:

بر صغیر میں تصوف اسلامی کا ارتقاء

فصل سوم:

بر صغیر میں تصوف کے مشہور سلاسل

فصل چہارم:

ممدوح اور مذموم تصوف: مختصر جائزہ

فصل اول: تصوف اسلامی: معنی و مفہوم، ضرورت و اہمیت

تعارف:

تصوف در اصل اخلاقیات کے سنوارنے کا نام ہے، جیسا کہ بعد ازاں تعریفات میں بھی تفصیلا ذکر کیا جائے گا۔ اہلِ تصوف جنہیں صوفیا کے لقب سے ملقب کیا جاتا ہے جو حقیقی معنوں میں طالبینِ حق یعنی عوام کی اصلاح کا ارادہ رکھتے تھے انہوں نے خود کو ان تمام آلائیشوں سے پاک کئے رکھا جو غیر شرعی تھیں نتیجتاً ایک طویل عرصے تک تصوف میں غیر شرعی اعمال کا کوئی وجود نہیں تھا۔ یہ ایک فطری عمل ہے کہ ہر آنے والا زمانہ پچھلے زمانے سے زیادہ ایڈوانس اور تیز تر ہوتا ہے لہذا جوں جوں وقت اپنی رفتار سے سفر کرتا رہا ایسے ہی اصلاح، تزکیہ، اور اعمال سنوارانے کی فکر نے مسلم دنیا کو اس جانب متوجہ کیا، خود حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں اور آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین کے زمانہ تک چونکہ قربتِ رسول ﷺ کا دور تھا اور پاکیزگی کردار و اعمال ہمہ جہت پائی جاتی تھی اس اعتبار سے یہ کہنا کہ اس دور میں تصوف تھا ہی نہیں یہ قرین قیاس نہیں ہے۔ یہ ضرور تھا کہ اس عملی ترتیب و مدون شکل میں نہیں تھا لیکن عملی صورت میں تزکیہ، تصوف موجود تھا جس کا انکار کسی طور پر ممکن نہیں ہے۔ اور یہ عمومی قاعدہ ہے کہ کوئی فن یا علم عملی صورت میں موجود تو ہوتا ہے لیکن اس کی اصطلاحات کچھ وقت بعد زیرِ قرطاس آتی ہیں۔ لہذا تصوف دورِ نبوی میں تزکیہ کی عملی صورت کی ترتیب پر موجود رہا جیسا کہ آپ ﷺ کے فرائض میں سے ایک منصب تزکیہ کرنے کا یا مُزَکّی کا بھی تھا جہاں سالکین و طالبین مختلف روحانی امراض آپ سے ذکر کر کے ان کا حل و علاج اور اصلاح کرواتے تھے۔ الغرض صوفیا کے مستحسن و شرعی اعمال معاشرے کی اصلاح عموماً اور فرد کی اصلاح خصوصاً اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں اور اب بھی ادا کر رہے ہیں۔ اگر ان کو غیر شرعی، اور لغو و باطل نظریات سے پاک کر دیا جائے۔ اور تصوف کی اصل روح کی طرف عود کیا جائے جس کی بنیاد اور روح، شریعت کا خلاصہ، کتاب و سنت سے کشید کردہ عطر اور ایمان و اسلام کا لازمی تقاضا ہے، کیونکہ اس کی بنیاد کتاب و سنت کی پیروی، حلال کھانے، اذیت رسانی سے رکنے، معصیتوں سے اجتناب، توبہ اور حقوق کی ادائیگی احسن انداز سے کرنے پر ہے نہ کہ ان کے علاوہ اور دیگر لغویات پر ہے۔

لُغوی تعریف:

لفظ تصوف کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ کس سے مشتق ہے۔ بعض نے کہا کہ لفظِ تصوف صَفَا سے بنا ہے۔ جس کا مطلب

ہے صفائی اور اجلا ہونا۔ جس طرح کہ جوہری نے لکھا ہے:

"صَفاَ خِلافُ الکَدرِ" (۱)

صفائی میلے پن کا الٹ ہے۔

اسی طرح ابنِ منظور افریقی نے لکھا:

"الصفو والصفاءُ ممدود نقیض الکدر"(۲)

صفو اور صفاء ممدودہ میلے پن کی نقیض ہے۔

مرتضیٰ زبیدی نے کہا:

"الصفاءُ فی خلوص الشی من الشوہ"(۳)

صفاء کا مطلب کسی چیز کا قبح سے پاک ہونا۔

ان تینوں تعریفوں میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ یہاں تصوف بمعنی پاکیزہ، صاف، ستھرا مراد لیا گیا ہے یا مزید بر آں گندگی کے مقابل جو لفظ پاکیزہ مفہوم ادا کر سکتا ہے وہ صفا ہے۔

تصوف کی لغوی تحقیق کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ لفظ صَفُ سے بنا ہے۔ اس بارے میں ابو القاسم قشیری نے کہا:

"إنه مشتق من الصف فکأنها فی الصف الأول بقلوبهم من حیث المحاضرة من الله تعالیٰ"(۴)

کہ یہ صف سے مشتق ہے گویا کہ صوفیاء کے دل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کے اعتبار سے پہلی صف میں ہوتے ہیں۔

درج بالا الفاظ پر امام قشیری کا اپنا نظریہ ہے کہ:

---

(۱) الصحاح تاج اللغة وصحاح العربیة، اسماعیل بن حماد، دار العلم للملایین، بیروت، ۱۴۰۸ھ، ۱/ ۲۴۰

(۲) لسان العرب، محمد بن مکرم، ابن منظور، تحت مادہ صفا، دار صادر، بیروت، بدون سن، ۱۴/ ۴۶۲

(۳) تاج العروس من جواهر القاموس، محمد بن محمد، زبیدی، تحت مادہ صفو، بیروت، طبع ۲۰۰۱ء، ص: ۴۵۵

(۴) الرسالة القشیریة مع حاشیة العروسی، عبد الکریم ہوازن، ابو القاسم، جامع الدرویشیہ، دمشق، ۲۰۰۰ء، ص: ۳، ۴

"لكن اللغة لا تقتضى هذه النسبة إلى الصف" (۱)

لغت کے اعتبار سے اس کا اسم صوفی نہیں آتا تو مطلب یہ ہے کہ یہ کہنا درست نہ ہو گا کہ تصوف کا لفظ "صف" سے ماخوذ ہے کیونکہ اس طرح اس کا اسم صوفی کی بجائے صُفّیٌ بنتا ہے بجائے صوفی بننے کے۔ایک قول یہ ہے کہ "صُفہ" سے بنا ہے کہ حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مسجدِ نبوی میں ایک چبوترے میں رہ کر تعلیم پاتے تھے اور تزکیہ نفس کرتے تھے۔اسی پر اعتماد کیا جائے تو اس کا اسم بھی صوفی نہیں ہوتا بلکہ اس کا اسم "صُفِیٌّ" بنتا ہے۔لہٰذا یہ بھی درست نہیں معلوم ہوتا۔ایک قول یہ ہے کہ "صُوف" سے بنا ہے، صوف اون کو کہا جاتا ہے۔دوسرے اقوال سے بہتر قول صوف والا معلوم ہوتا ہے اس بارے پر وفیسر یوسف سلیم چشتی نے لکھا:

"قولِ راجح جس پر اکثر صوفیہ کا اتفاق ہے یہ ہے کہ یہ لفظ "صوف" سے مشتق ہے، چونکہ اکثر صوفیاء صوف (اُون) کا لباس پہنتے تھے۔اس لیے لوگ انہیں صوفی کہنے لگے۔"(۲)

"حضرت گیسو درازؒ(۳) کے قول کے مطابق یہ لفظ صوفی در اصل صفوی تھا جو کثرتِ استعمال کی وجہ سے صوفی ہو گیا۔"(۴)

امام قشیری نے لفظ تصوف پر جو بحث کی ہے اس میں اس کا مادہ صُفہ، صَفاَ اور صِفا ہونے کی کسی نہ کسی طرح تردید کی ہے۔صوفی کی نسبت اصحاب صُفہ سے نہ ہونے کے بارے میں ڈاکٹر امان اللہ(۵) لکھتے ہیں:

---

(۱) الرسالة القشيرية مع حاشية العروسي، عبدالکریم ھوازن، ابوالقاسم، جامع الدرویشیہ، دمشق، ۲۰۰۰ء، ص:۳،۴

(۲) تاریخ تصوف، یوسف سلیم چشتی، پروفیسر، دارالکتاب، لاہور، اشاعت اول، ۲۰۰۰ء، ص:۹۹

(۳) حضرت گیسو دراز ۶ رجب ۷۲۱ھ بمطابق ۱۳۲۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔محمد بن تغلق کے ساتھ دولت آباد تشریف لائے۔آپ صوفیاء کے طبقے میں ہونے کے ساتھ ساتھ ایک پختہ اور راسخ فی العلم عالم دین تھے۔آپ علوم قرآن، فقہ، علم کلام، تصوف پر دسترس رکھتے تھے۔آپ کی تصانیف کثیر تعداد میں ہیں جن میں معروف آداب المریدین ہے۔آپ کی وفات ۸۲۵ھ بمطابق یکم نومبر ۱۴۲۲ء کو ہوئی۔(فوائد بندہ نواز، معشوق حسین سلطانی، سیرت فاؤنڈیشن، لاہور، طبع اول، ۲۰۰۳ء، ص:۱۱)

(۴) جوامع الکلم، محمد حسینی، سید، مرتب: محمد حسینی اکبر، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع اول، ۱۹۵۸ء، ص:۲۳۳

(۵) ڈاکٹر امان اللہ، معروف مصنف ہیں۔آپ گورنمنٹ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں ایسوسی ایٹ پروفیسر رہ چکے ہیں۔کتب کثیرہ کے مصنف ہیں جن میں معروف، اسلام اور خانقاہی نظام ہے۔(اسلام اور خانقاہی نظام، ڈاکٹر امان اللہ، دار السلام، لاہور، ۲۰۰۸ء)

"یہ نسبت صحیح نہیں ہے کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اپنے آپ کو "صوفی" نہیں کہلوایا۔"[۱]

یہ بات تو درست ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اپنے آپ کو "صوفی" نہیں کہا مگر اس سے تصوف کے وجود کی نفی کے لئے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ لوگ جس ارفع مقام پر فائز تھے انہیں مقام صحابیت پر ہوتے ہوئے ان الفاظ کے استعمال کی چنداں ضرورت نہ تھی کیوں کہ ظاہری بات ہے کہ لفظِ "صحابی" کے مقابلے میں لفظ "صوفی" کم درجہ کا ہے۔ درج بالا جتنے اقوال ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ لفظ "صَفَا" سے مشتق ہو تو پھر اہل تصوف سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو ظاہری وباطنی آلودگی سے اپنے آپ کو پاک اور صاف رکھنے کی کوشش کرتے رہیں اور اس مقصد میں کامیاب بھی ہو جائیں۔ اگر یہ لفظ "صَفو" سے بنا ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہونا چاہیے کہ اہل تصوف مخلص دوست ہیں اور ان کی نسبت میں خلوص ہے۔ اگر یہ "صُفّہ" سے ہو تو مطلب یہ ہو تا کیا یہ لوگ اخلاق ذمیمہ ترک کر کے اپ آپ کو اخلاق حسنہ سے مزین رکھتے ہیں۔ اگر یہ لفظ "صف" سے بنے تو مطلب یہ ہو گا کیا یہ لوگ اعمال صالحہ کی بجا آوری میں صف اول میں ہوتے ہیں اور قلبی حاضری سمیت محبت الہیہ میں سرشار، یہ جماعت اللہ اور اس کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے والے امور میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ اگر یہ لفظ "صُوف" بمعنی اون سے بنا ہو تو پھر یہ لوگ اکثر چونکہ اون کا لباس زیب تن کرتے تھے اس لئے انہیں اس نسبت سے صوفی کہا جانے لگا تو اس ضمن میں چونکہ اونی لباس ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہننا ثابت ہے، تو اس حوالے سے جماعت صوفیہ نے طریقہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْكَبُ الْحِمَارَ، وَيَلْبَسُ الصُّوفَ))[۲]

(حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر سواری فرما لیا کرتے تھے اور اونی لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔)

اسی طرح امام بخاری نے غزوات میں سے ایک غزوہ کے سفر کے دوران اس کے متعلق حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

---

(۱) اسلام اور خانقاہی نظام، ڈاکٹر امان اللہ، دار لسلام، لاہور، طبع اول، ۲۰۰۸ء، ص: ۳۱

(۲) المستدرک علی الصحیحین، محمد بن عبد اللہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع دوم، ۱۹۹۰ء، ۱/ ۱۲۹

((فَغَسلَ وَجهَه ويَدَيه وعليه جُبة مِن صُوف))[1]

(رسول اللہ ﷺ نے اپنا چہرہ اور ہاتھ دھوئے اس حالت میں کہ آپ نے صوف (اون) کا جبہ زیب تن کیا ہوا تھا)

اللہ کے رسول ﷺ نے اونی لباس زیب تن فرمایا۔ درج بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیہ کا اونی لباس پہننا اور لقب صوفی سے ملقب ہونا، اس کی اصل یہ لباس مصطفی ﷺ کا انداز اور طریقہ ہے۔ اگرچہ امام بخاری کی روایت کردہ حدیث مبارکہ جس باب کے تحت ہے یعنی بابُ لُبسِ جُبَّةِ الصُّوف فی الغزوِ.[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو غزوہ تبوک کے سفر سے متعلق آپ ﷺ کا ایک عمل ہے۔ تو دیگر روایات سے آپ کا معمول مبارکہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ جیسا امام حاکم کی روایت کردہ حدیث میں کانَ کے ساتھ فعل مضارع سے واضح ہے کہ یہ ماضی استمراری ہے اور ایک سے زائد بار کے معمول پر دلالت کر رہا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف امریکا کا مقالہ نگار یوں لکھتا ہے:

"Its name is derived from the Arabic word for "Wool" Suf th material used by the early for muslim mystics for clothing."[3]

(تصوف عربی زبان کے لفظ صوف سے مشتق ہے۔ صوف ایک ایسی چیز ہے جو پہلے پہلے مسلمان صوفیہ بطور لباس استعمال کرتے تھے۔)

شبلی نعمانی کا بھی ایک مؤقف ہے چنانچہ "الغزالی" میں یوں رقمطراز ہیں:

"تصوف کا لفظ اصل میں سین سے تھا اور اس کا مادہ سوف تھا جس کے معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں دوسری صدی ہجری میں جب یونانی کتابوں کا ترجمہ ہوا تو یہ لفظ عربی زبان میں آیا۔ چونکہ حضرات صوفیہ میں اشراقی حکماء کا انداز پایا جاتا تھا اس لئے لوگوں نے ان کو سوفی حکیم کہنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ سوفی سے صوفی ہو گیا۔

---

(۱) الجامع الصحیح، محمد بن اسماعیل البخاری، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، طبع ۲۰۰۲ء، ۲/۳۸۵

(۲) الجامع الصحیح، محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب اللباس، باب لبس جبۃ الصوف فی الغزو، رقم الحدیث: ۵۷۹۹، ص: ۲۴۵

(3)Encyclopedia of America, USA, 1982, Vol: 25 ,P:849

یہ تحقیق علامہ ابو ریحان بیرونی[۱] نے کتاب الہند میں لکھی ہے۔"[۲]

درج بالا مؤقف کو اتنی پذیرائی نہیں ملی جتنی کہ مادہ صوف سے تصوف کے قائلین کے مؤقف کو ملی ہے۔

خلاصہ:

تصوف کی لغوی تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ ،صوفیا کرام کے ہاں اس کے لغوی ماخذ کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس کا اثر تعریفات میں واضح نظر آتا ہے۔ تصوف، صفا سے ہو تو پاکیزگی مراد ہے جس کا تعلق عقائد و اعمال سے ہے اور اگر تصوف صف سے مشتق ہو تو اس سے مراد، احکام خداوندی کی بجا آوری میں اطاعت کے اعتبار سے پہلے پہل تعمیل کرنے والے، اور اگر صوف سے ہو تو اس صورت میں مراد عاجزی اور خشیت والے لباس سے اللہ کے حضور اعمال کی ادائیگی کرنا الغرض تعریفات کے لغوی اشتقاق کے مختلف ہونے کے باجود معنی اور نتیجہ ایک ہی ہے کہ اخلاص سے ہر عمل کرنا۔

تصوف کا اصطلاحی مفہوم:

اصطلاحاً تصوف کی تعریف اور توضیح کے بارے میں مختلف صوفیہ کے درج ذیل اقوال ہیں:

سید عبد القادر جیلانیؒ نے کہا:

"صوفی فُوعل کے وزن پر ہے اور اس کو مصافات سے لیا ہے جس کے معنی اس آدمی کے ہیں جس کو اللہ نے صاف کر لیا ہو۔"[۳]

یعنی قلبی صفائی حاصل کرنے کا نام تصوف ہے۔ آپ مزید لکھتے ہیں:

---

(۱) ابو ریحان البیرونی، بہت بڑے محقق اور سائنسدان تھے۔ وہ خوارزم کے مضافات میں ایک گاؤں جس کا نام بیرون تھا پیدا ہوئے۔ البیرونی نے مختلف علوم و فنون پر تصنیفات چھوڑیں جن میں جغرافیہ، ہیئت، ریاضی، تاریخ اور ہندومت کے متعلق ان کی مشہور تصنیف، کتاب الہند ہے۔ البیرونی کی وفات ۹ دسمبر ۱۰۴۸ء میں ہوئی۔ (کتاب الہند، البیرونی، مترجم: سید اصغر علی، انجمن ترقی اردو، دہلی، طبع ۱۹۴۲ء، ص ۱۰۶ تا ۱۰۷)

(۲) الغزالی، شبلی نعمانی، اسلامی کتب خانہ، لاہور، طبع اول، ۱۹۵۸ء، ص: ۲۷۷

(۳) غنیۃ الطالبین، عبد القادر، جیلانی، ترتیب جدید: عبد المجید صدیقی، المیزان، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص: ۵۹۷

"تصوف یہ ہے کہ خدا کے ساتھ صدق دل سے معاملہ کرے اور لوگوں کے ساتھ نیک خلق ہو۔"(۱)

گویا سید عبد القادر جیلانیؒ کے نزدیک تصوف نیت کے صاف ہونے اور بندوں سے خوش خلقی سے پیش آنے کا نام ہے۔ اسلام میں جیسا کہ حقوق کی دو اقسام ہیں:(۲)

۱. حقوق اللہ

۲. حقوق العباد

اللہ کی عبادت کرنے میں اخلاص ہونا اور بند گان خدا کے حقوق میں سے ایک ان کا حق یہ بھی ہے کہ ان سے خوش اخلاقی سے پیش آیا جائے۔ یہی تصوف ہے۔

علی بن عثمان الہجویریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت مرتعشؒ (۳) فرماتے ہیں:

"التصوف حُسن الخَلقِ"(۴)

تصوف نیک خصائل کا نام ہے۔

حضرت ہجویریؒ کی تعریف میں تصوف کو عمومی مفہوم میں لیا گیا ہے یعنی تصوف ہر اس خصلت کا نام ہے جو مبنی بر طاعت ہو یعنی اس کی بنیاد نیکی پر ہو اسے حسن الخلق، سے تعبیر کیا ہے۔

ابن تیمیہ ابو عمرو بن نجید (۵) کے حوالے سے تصوف کے بارے میں فرمایا:

---

(۱) غنیۃ الطالبین، عبد القادر، جیلانی، ترتیب جدید: عبد المجید صدیقی، المیزان، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص:۳۴۵

(۲) اسلام اور انسانی حقوق، ڈاکٹر محمد اشرف، پنجاب یونیورسٹی پریس، لاہور، طبع اول، ۲۰۱۳ء، ص:۱۹۰

(۳) شیخ ابو محمد عبد اللہ مرتعشؒ، حضرت جنید بغدادیؒ کے اجل خلفاء میں سے ایک ہیں۔ نیشاپور کے محلہ حیرہ کے رہنے والے تھے۔ مشائخ عراق کے اماموں میں سے تھے۔ ۳۲۸ھ میں وفات پائی۔ (خزینۃ الاصفیاء، مفتی غلام سرور قادری، مترجم: اقبال فاروقی، مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور، طبع اول ۱۹۸۹ء، ص:۲۴۸)

(۴) کشف المحجوب فارسی، علی بن عثمان الہجویری، تاجران کتب، لاہور، ۱۳۴۲ھ، ص:۱۳

(۵) ابو عمرو بن نجید چوتھی صدی ہجری کے مشہور بزرگوں میں سے ہیں۔ پورا نام اسماعیل بن نجید بن احمد بن یوسف السلمی ہے۔ صوفیاء کے ساتھ ساتھ محدثین میں سے بھی ہیں۔ (الجامع شعب الایمان، حافظ ابی بکر احمد بن الحسین، البیہقی، مکتبہ رُشد، بیروت، طبع اول ۲۰۰۳ء، ص:۳۹۱)

"الصبر تحت الأمر والنهي"[۱]

تصوف یہ ہے کہ، امر اور نہی (کی بجا آوری) پر صبر کرنا۔

ابن تیمیہؒ سے منقول تعریف میں تصوف کو امر و نہی کی بجا آوری میں صبر کرنے پر محمول کیا ہے۔یعنی حقیقی تصوف میں پیش آمدہ مشکلات کی صورت میں جب امر و نہی پورا کرے تو صبر کا دامن نہ چھوڑے جس کا ماخذ سورۃ العصر ہے جس میں باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَالْعَصْرِ ۝١ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝٢ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾[۲]

(قسم ہے زمانے کی، بیشک انسان خسارے میں ہے۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور حق کی تلقین اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔)

جب شبلیؒ سے تصوف کے بارے سوال کیا گیا تو ان کا جواب یہ تھا:

"التصوف عندی، ترويح القلب بمرواح الصفا وتجليل الخواطر بأردية والوفاء والتخلق بالسخاء، والبشر في اللقاء."[۳]

تصوف میرے نزدیک تصوف قلب کا صاف ہونا، باطنی صفائی کے جھونکے سے، وساوس وخیالات سے پاک ہونا، وفا کی چادر اوڑھنا، سخاوت جیسے خلق سے متخلق ہونا، ملاقات میں کشادہ رو ہونا۔

شبلی کے قول کا بھی خلاصہ ہے کہ تصوف پانچ چیزوں کا مجموعہ ہے۔ جس میں یہ صفات بدرجہ اتم پائی جائیں وہ شخص صوفی ہے اور حقیقی صوفی ہے۔ان میں باطن کا صاف ہونا، وساوس سے پاک ہونا (مراد اخلاص نیت) وفادار ہونا، سخی اور بااخلاق ہونا مراد ہے یہ ان صفات سے جو متصف ہوا وہ حقیقی متصوف ہے۔

جنید بغدادی نے تصوف کا مفہوم یوں ادا کیا:

---

(۱) الإستقامة، احمد بن عبد الحلیم، ابن تیمیہ، تحقیق: محمد رشاد سالم، جامع ابن مسعود، مدینہ منورہ، ۱۴۳۵ھ، ص: ۱۳۴

(۲) سورۃ العصر: ۱۰۳/ ۳، ۲، ۱

(۳) الغزالی، شبلی نعمانی، اسلامی کتب خانہ، لاہور، طبع اول، ۱۹۵۸ء، ص: ۲۸۷

"هو أن تكون مع الله تعالیٰ بلا علاقه"[۱]

تصوف یہ ہے کہ تمہارا تعلق اللہ کے ساتھ ایسا ہو کہ ایسا کسی دوسرے کے ساتھ نہ ہو۔

اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

کتانی[۲] نے تصوف کے بارے میں کہا:

"التصوف إسم حسن الخلق، فمن زاد علیک فی الخلق فقد زاد علیک فی الصفاء"[۳]

تصوف اخلاق حسنہ کا نام ہے۔ پس تم میں سے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں گے وہ صوفی ہونے میں بھی تم سے زیادہ اچھا ہو گا۔

اس تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ کتانی کے نزدیک تصوف نام ہے اچھے اخلاق کا، اچھا صوفی وہی ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو گا۔

حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے فرمایا:

"تصوف صاف دلی کے ساتھ مولیٰ کی دوستی کا نام ہے۔"[۴]

حضرت فرید الدین گنج شکرؒ[۵] کے ہاں تصوف اخلاص کا نام ہے اور وہی اخلاص جو حدیث جبرائیل میں بیان کیا گیا ہے۔ جسے حدیث احسان بھی کہا جاتا ہے کا نام تصوف ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت وہ بھی اخلاص کے ساتھ کی جائے تو یہ تصوف ہے۔

علامہ شامی نے کہا:

---

(۱) **الزهد والرقائق**، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت، خطیب بغدادی، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ، ۱/ ۶۶

(۲) امام کتانی کا پورا نام، ابو عبد اللہ محمد بن جعفر الکتانی ہے۔ آپ ۱۸۵۷ء کو فاس شہر میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک جید عالم دین تھے۔ تفسیر، حدیث، تصوف، فقہ، انساب جیسے موضوعات پر ساٹھ سے زائد کتابیں تصنیف کیں۔ (المشطرفہ، مفتی محمد شعیب، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص:۴۲)

(۳) **الزهد والرقائق**، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت، خطیب بغدادی، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ، ۳/ ۲۱

(۴) ملفوظات، فرید الدین گنج شکر، مرتب: بدر الدین اسحاق، نفیس اکیڈمی، لاہور، طبع سوم، ۱۹۸۳ء، ص:۲۸

(۵) حضرت فرید الدین مسعود، بارہویں صدی کے مسلمان مبلغ اور صوفی بزرگ ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۹ جون ۱۱۷۸ء اور وفات ۲۹ اکتوبر ۱۲۶۵ء میں ہوئی۔ آپ سلسلہ چشتیہ کے تیسرے سربراہ تھے۔ (سیر العارفین، حامد بن فضل اللہ، مکتبہ رضویہ، دہلی، طبع اول ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۰ء، ص:۹۲)

"الطريقة والشريعة متلازمة"[۱]

طریقت اور شریعت لازم وملزوم ہیں۔[۲]

علامہ شامی کی تعریف بہت مختصر اور جامع ہے۔ان کے ہاں تصوف شریعت وطریقت کے باہمی التزام کا نام ہے۔ ممکن ہے علامہ شامی کے پیش نظر وہ طبقہ ہو جو صرف طریقت ہی کو تصوف سمجھتا ہو اور اسی پر مصر ہو تو الزامی طور پر اس کی تردید کرتے ہوئے جامع تعریف کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: بنا شرعی اصول وضوابط جانے تصوف سے اِستفادہ واِفادہ ممکن نہیں بلکہ اس عمل سے یعنی صرف طریقت ہی پر اکتفا کی صورت میں غیر اسلامی نظریات کی تصوف میں آمیزش ہوئی ہے جب طریقت کے ساتھ شرعی اصولوں کا علم مل جائے تو یہ حقیقی اور مطلوب تصوف ہے۔

مجدد الف ثانی نے ملا حاجی محمد لاہوری[۳] کو لکھا:

"شریعت راسہ جزو است علم و عمل واخلاص طریقت وحقیقت کہ صوفیہ بآن ممتاز گشتہ اند ہر دو خادم شریعت اند وتکمیل شریعت است نہ امر دیگر"[۴]

شریعت کے تین اجزاء ہیں: علم، عمل، اخلاص۔ طریقت اور حقیقت کہ جس سے صوفیہ ممتاز ہوئے ہیں یہ دونوں شریعت کی خادم ہیں اور تیسرے جزو اخلاص کی تکمیل میں شریعت کے خادم ہیں پس ان کی تکمیل سے شریعت کی ہی تکمیل ہے نہ کہ کوئی اور چیز (مقصود ہے)۔

حضرت مجدد الف ثانی جو کہ بہت بڑے عالم اور صوفی بزرگ ہیں ان کے مذکورہ بالا کلام سے اس بات کی وضاحت ہو گئی کہ صوفیہ کے نزدیک علم پر اخلاص سے عمل کرنے کا نام ہی عرفِ عام میں تصوف ہے۔

---

(۱) حاشية رد المحتار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار، محمد امین بن عمر، ابن عابدین، دارالفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ، ۴/۲۳۹

(۲) عموماً تو شریعت وطریقت کا اطلاق ایک دوسرے پر ہوتا ہے لیکن من وجہ فرق یہ ہے کہ شریعت سے مراد احکام ظاہرہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، بیع وشراء، اور طریقت سے مراد احکام باطنہ ہیں یعنی صبر، رضا، احسان، شکر، اخلاص وغیرہ۔ (فتاویٰ محمودیہ، مفتی محمود الحسن، زمزم پبلشرز، کراچی، طبع دوم ۲۰۰۲ء، ص: ۴۱۴)

(۳) شیخ محمد طاہر لاہوری، المعروف حاجی محمد لاہوری، شیخ احمد سرہندیؒ کے خلیفہ ہیں اور اجل علماء دین میں سے ہیں۔ آپ کو فقہ پر کامل دسترس تھی۔ (تاریخ مشائخ نقشبند، محمد صادق قصوری، طبع دوم، ۱۹۹۸ء، زاویہ پبلشرز، لاہور، ص: ۱۴۱)

(۴) مکتوبات امام ربانی، احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوب ۱، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۳۹۷ھ، ۳۶/۱۰۱

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق حسنہ کا حامل شخص صوفی ہے اور وہ اخلاق حسنہ صبر، توکل، تقویٰ تواضع، قناعت، زہد، شکر، محبت، ادب، تحمل، عفو ودرگزر، فکر، ذکر، محاسبہ، یقین، خلوت نشینی، استقامت خلوص، سخاوت، ایثار، سادگی، احسان اور اطاعت وغیرہ جیسے اخلاقی افعال ہیں۔ دنیا کی محبت سے دور رہنا سنت مصطفیٰ پر اخلاص سے عمل پیرا ہونا، اخلاق حسنہ کا مالک ہونا، اخلاق رذیلہ کا ترک، تواضع اختیار کرنا، اللہ کے لئے محبت، اللہ سے محبت، اور اللہ کے لئے دشمنی کرنا یہی دراصل تصوف ہے۔

تصوف کی ضرورت واہمیت:

حدیث کی کتابوں میں ایک حدیث "حدیثِ جبرئیل" کے نام سے مشہور ہے، اس میں ہے کہ ایک دن جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ سوالات کیے، ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ: احسان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: احسان یہ ہے کہ تم خدا کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو، بھلا اگر تم خدا کو دیکھ نہیں رہے، تو کم سے کم یہ یقین کرلو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔[1]

بندہ کے دل میں اسی احسان کی کیفیت پیدا کرنے کا صوفیا کی زبان میں دوسرا نام تصوف یا سلوک ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ تصوف اس کیفیت احسانی کے لئے مشق وتمرین کا نام ہے جس کا تذکرہ اس حدیث مبارکہ میں کیا گیا ہے، یہ دین کے بنیادی مقاصد کی جدوجہد کا نام ہے دین کا یہ شعبہ جتنا کمزور اور اجنبی ہوتا جارہا ہے امت مسلمہ کے ایمان اور احوال میں اتنا ہی ضعف وکمزوری آتی جارہی ہے۔ ایمان واسلام کے ظاہری شعبے جس درجے میں موجود ہیں وہ ہیں لیکن یہ سچ ہے کہ ان میں روح کا فقدان واضح طور پر محسوس ہو رہا ہے۔ تصوف کا مقصد کسی عمل کو اس کی روح اور احتساب کے ساتھ کرنا ہے۔ سید ابو الحسن علی ندویؒ[2] فرماتے ہیں:

"تصوف کا لب لباب اور خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم صبح وشام تک کرتے ہیں بغیر کسی نیت واحتساب کے وہی کام

---

(۱) **الجامع الصحیح**، محمد بن اسماعیل بخاری، کتاب الایمان، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۱ء، ۲/۳۵۷

(۲) مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی ابن مولانا سید حکیم عبد الحئ، آپ کی پیدائش دسمبر ۱۹۱۴ء کو رائے بریلی صوبہ اتر پردیش میں ہوئی اور وفات ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو ہوئی۔ ابو الحسن علی نام اور عرف میں علی میاں کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ بیک وقت داعی، مصلح اور اردو وعربی ادب کے بہترین مصنف تھے۔ مشہور تصنیفات میں تاریخ دعوت وعزیمت، انسانی دنیا پر مسلمانوں کا عروج وزوال کا اثر وغیرہ شامل ہیں۔ (تعمیر حیات، لکھنؤ، مدیر: شمس الحق ندوی، جلد نمبر ۳۵، شمارہ نمبر ۶، جنوری ۲۰۰۰ء)

نیت اور احتساب کے ساتھ کرنے کا نام تصوف ہے۔"[۱]

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب کوئی عمل ختم ہوتا ہے تو اس کا علم بھی رخصت ہو جاتا ہے۔ تصوف در حقیقت عملی چیز ہے۔ اگر اس کی اہمیت وضرورت کو محسوس نہ کیا گیا تو عمل کے ساتھ ساتھ یہ علم بھی ختم ہو جائیگا۔ جو تشویش ناک امر ہے۔

تصوف در اصل بندہ کے دل میں یہی یقین اور اخلاص پیدا کرتا ہے کہ تصوف مذہب سے الگ کوئی چیز نہیں، بلکہ مذہب کی روح ہے۔ جس طرح جسم روح کے بغیر مردہ لاش ہے، اسی طرح اللہ کی عبادت بغیر اخلاص کے بے قدر وقیمت ہے۔ تصوف بندہ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی محبت پیدا کرتا ہے۔ اور خدا کی محبت بندہ کو مجبور کرتی ہے کہ وہ خلقِ خدا کے ساتھ محبت کرے، کیوں کہ صوفی کی نظر میں خلقِ خدا، خدا کا عیال ہے۔ اور کسی کے عیال کے ساتھ بھلائی عیال دار کے ساتھ بھلائی شمار ہوتی ہے۔ خدا کی ذات کی محبت بندہ کو خدا کی نافرمانی سے روکتی ہے اور بندگانِ خدا کی محبت بندہ کو ان کے حقوق غصب کرنے سے روکتی ہے۔ اس لیے صوفیا حضرات کی زندگی حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پوری طرح ادا کرتے ہوئے گذرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو چیز انسان کو اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بنائے اور اس کے بندوں کا خیر خواہ بنائے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ہم اس مقام پر تصوف کی ان باتوں کا قرآن وسنت کی روشنی میں تجزیہ کریں گے کے جن کی اہمیت کے پیش نظر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ معاشرے میں تصوف کی کس قدر ضرورت ہے۔ اور فی زمانہ اس جدیدیت کے دور میں جب کہ بہت سی تعداد ایسی ہے جو عبادات کی حقیقی لذت سے آشنا نہیں جس کی بدولت فریضہ تو ادا ہو رہا ہے لیکن وہ محبت وروح عبادت نہ ہونے کی وجہ سے حققیت عبادت مفقود ہے۔ اور یہ کیفیت پیدا کرنے کے لئے صوفیا نے جو اصول وضوابط بیان کئے ہیں ان کو اہمیت کے پیش نظر ذکر کیا جاتا ہے جو ہر فرد بشر کی ضرورت ہیں تا کہ وہ اللہ کا قرب حاصل کر سکے۔

صوفیا حضرات جن باتوں پر زیادہ زور دیتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱. اللہ تعالیٰ کی محبت
۲. رسول اللہ ﷺ کی اطاعت

---

(۱) مفکر اسلام اور تصوف، شمس الحق، ندوی، ندوہ العلماء، لکھنؤ، ۲۰۱۴ء، ص:۱۲

۳. تزکیۂ نفس (اپنے نفس کو فضائلِ اخلاق سے آراستہ کرنا اور رذائلِ اخلاق سے پاک کرنا)

۴. برداشت اور رواداری

۵. خدمتِ خلق

اب ہم ہر ایک بات کا قرآن وسنت کی روشنی میں تجزیہ کرتے ہیں:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّه وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيم﴾[۱]

((لَا يُؤمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تبعاً لِما جِئتُ بِه))[۲]

اللہ تعالیٰ کی محبت:

اس حقیقت میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا ہر فرد بشر محتاج ہے۔ اور وہ اپنی بساط کے مطابق یا اپنے اعمال کی بقدر اللہ تعالیٰ سے محبت کا عملی ثبوت بھی دیتا ہے۔ صوفیا حضرات اپنی تعلیمات میں سب سے زیادہ جس چیز پر زور دیتے ہیں وہ عشق ومحبتِ خداوندی ہے، کیوں کہ محبت ہی ایک ایسی چیز ہے جو محب کو اپنے محبوب کی اطاعت پر مجبور کرتی ہے اور اس کی نافرمانی سے روکتی ہے اور محب کے دل میں محبوب کی رضا کی خاطر ہر مصیبت وتکلیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کی قوت وصلاحیت پیدا کرتی ہے، اور محبت ہی وہ چیز ہے جو محب کو مجبور کرتی ہے کہ وہ ایسا عمل کرے جس سے محبوب راضی ہو اور ہر اس عمل وکردار سے باز رہے جس سے محبوب ناراض ہو، چناں چہ صوفیا حضرات اگر زہد، تقویٰ، عبادت، ریاضت اور مجاہدے کرتے ہیں تو ان کا مقصد صرف اور صرف خدا کی رضا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ وہ جنت کے لالچ یا جہنم کے خوف سے خدائی بندگی نہیں کرتے، چنانچہ حضرت رابعہ بصریہ اپنی ایک دعا میں فرماتی ہیں:

"خدایا! اگر میں تیری بندگی جنت کے لیے کرتی ہوں تو مجھے اس سے محروم رکھنا، اگر میں جہنم کے خوف سے تیری عبادت کرتی ہوں تو مجھے اس میں جھونک دینا، لیکن اگر میں تیری بندگی تجھے پانے کے لیے کرتی ہوں تو

---

(۱) سورۃ آل عمران: ۳/۳۱

(۲) مشکوٰۃ المصابیح: ص: ۳۰

مجھے اپنے آپ سے محروم نہ رکھنا۔"[۱]

یعنی تصوف کی اصل اور نتیجہ حب اللہ اور اس کی چاہت کا پالینا ہے یہ تمام اعمال کا کرنا ان کے کرنے میں مشقت برداشت کرنا یہ سب کلفت اس لئے ہے کہ اللہ کی محبت حاصل ہو جائے اور اس کی رضامندی مل جائے۔ اسی لئے شاعر نے اس مضمون کو کچھ اس انداز سے بیان کیا ہے:

"فراق و وصل چہ خواہی، ائے دوست طلب کہ حیف باشد ازو غیر ازیں تمنائے۔"[۲]

فراق و وصل سے کیا غرض اور مقصود ہے۔ محبوب کی رضامندی اور خوشنودی کو طلب کرو کہ محبوب سے اس کے علاوہ کی تمنا باعث افسوس ہے۔

شبلی تو یہاں تک فرماتے ہیں:

الصوفي لا یریٰ فی الدارین مع اللہ غیر اللہ[۳]

صوفی دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی ہستی کے علاوہ اور کسی چیز کو نہیں دیکھتا۔

شیخ احمد سرہندیؒ [۴] فرماتے ہیں:

"مقربین بارگاہ الٰہی (یعنی صوفیا حضرات) اگر بہشت چاہتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ ان کا مقصد نفس کی لذت ہے، بلکہ اس لیے کہ وہ خدا کی رضا کی جگہ ہے، اگر وہ دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ اس میں رنج والم ہے، بلکہ اس لیے کہ وہ خدا کے ناراضگی کی جگہ ہے، ورنہ ان کے لیے انعام اور رنج والم دونوں برابر ہیں۔"

---

(۱) تصوف واہلِ تصوف، حافظ محمد موسیٰ بھٹو، سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ، حیدرآباد، ۲۰۰۳ء، ص:۱۱۵

(۲) وظیفہ کریمہ، احمد رضا خان بریلوی، مکتبہ المدینہ، کراچی، ۲۰۰۳ء، ص:۲۹

(۳) شریعت وطریقت کا تلازم، مولانا محمد زکریا، دارالاشاعت، کراچی، طبع اول، ۱۹۹۳ء، ص:۱۰۲

(۴) شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانی دسویں صدی ہجری کے نہایت مشہور صوفی عالم تھے۔ آپ کی ولادت ۱۵۶۴ اور وفات ۱۶۲۴ میں ہوئی۔ مجدد الف ثانی آپ کا لقب تھا جس کی وجہ نبی کریم ﷺ کے وصال کے ایک ہزار سال پورے ہو رہے تھے۔ ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ کو ترقی دینے میں آپ نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ بدعات کی تردید کی اور تصوف کو درست رخ پر منتج کیا۔ آپ نے دین اکبری کے خلاف کھل کر رد کیا اور اس کی پاداش میں پابند سلاسل بھی رہے۔ (جہان امام ربانی، پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد، امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی، طبع اول، ۱/۳۲۸)

ان کا اصل مقصود رضائے الٰہی ہے۔[1]

شاہ بھٹائی[2] فرماتے ہیں:

"محبت سندو من پر ماٹک ہارج پج

ان پر اتی اچ تہ سو دوستی ستر "[3]

اے موتی جیسے انسان! اپنے اندر میں خدا کی محبت کا الاؤ جلا دے، یہ راہ اختیار کرو تو آپ کالین دین کام یاب ہو۔

عاشقن للہ وبرو تارنہ وسری

"اَھ کریندی ساھ کدھن ویندو نکری "[4]

یعنی خدا سے عشق کرنے والے اسے کبھی نہیں بھلاتے، کبھی عشق و محبت کی آہ بھرتے ہوئے ان کی روحیں پرواز ہو جائیں گی۔

اور یہی بات قرآن وسنت کی تعلیم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ آمَنُواْ أَشَدُّ حُبّاً لِلّٰه﴾[5]

(اور جو لوگ مؤمن ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ ہی سے محبت کرتے ہیں۔)

ایک اور آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيكُم مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهِ فَتَرَبَّصُواْ

---

(۱) مکتوبات امام ربانی، مکتوب ۳۵ ،۱/ ۱۹۱

(۲) شاہ عبد اللطیف بھٹائیؒ، سندھی زبان کے عظیم صوفی شاعر تھے۔ آپ کی ولادت ۱۶۹۰ء میں ہوئی اور وفات ۱۷۵۱ء میں ہوئی۔ آپ کی وجہ شہرت آپ کا مجموعہ کلام شاہ جو رسالو، تھا جو بھٹ شاہ کے کنارے بیٹھ کر آپ نے لکھا۔ (شاہ جو رسالو، مرتب: نبی بخش خان بلوچ، طبع اول ۲۰۰۹ء، سندھ اکیڈمی، کراچی، ص:۱۳۰)

(۳) شاہ جو رسالو، شاہ عبد اللطیف بھٹائی، مرتب: کلیان آدوانی، سُر سریراگ، داستان اول، روشنی پبلیکیشن، کنڈیارو، طبع اول، ۱۹۹۷ء، ص: ۱۱۴

(۴) ایضاً، ص: ۱۱۶

(۵) سورۃ البقرہ: ۲/ ۱۶۵

حَتَّى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ وَاللّٰهُ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ﴾[۱]

(اے رسول ﷺ! مسلمانوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تمہیں اپنے باپ دادا اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور رشتے دار اور وہ تجارت، جس کے مند اپڑ جانے سے تم بہت ڈرتے ہو اور وہ مکانات، جنہیں تم بہت عزیز رکھتے ہو، اگر ان میں سے کوئی چیز بھی تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیاری ہے تو پھر انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ صادر ہو جائے اور یاد رکھو کہ اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ، وَأَبْغَضَ لِلَّهِ، وَأَعْطَى لِلَّهِ، وَمَنَعَ لِلَّهِ، فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الإِيمَانَ))[۲]

(جس شخص کا یہ حال ہو کہ وہ اللہ ہی کے لیے محبت کرے اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھے اور اللہ ہی کے لیے دے اور کسی کو کچھ دینے سے اللہ ہی کے لیے ہاتھ روکے تو اس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا۔)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے:

((أللّهم اجعَل حُبَّکَ أَحَبَّ إليَّ مِن نَفْسِي وأَهْلِي وَمِن الماءِ البَارِدْ))[۳]

(اے اللہ! مجھے ایسا کر دے کہ تیری محبت اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال سے اور پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب ہو۔)

اور صوفیا حضرات اسی محبت کو اپنے دل میں اور اپنے مریدین کے دل میں پیدا کرنے کے لیے مجاہدے اور ریاضت کرتے اور کراتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت:

صوفیا حضرات کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کیے بغیر معرفتِ خداوندی اور نجات کا حصول ناممکن ہے۔

---

(۱) سورۃ التوبۃ: ۹/ ۲۴

(۲) مشکوٰۃُ المَصَابِیح، محمد بن عبد اللہ، الخطیب، قدیمی کتب خانہ، کراچی، طبع سوم، ص: ۱۴

(۳) ایضاً، ص: ۲۲۰

چناں چہ امام ربانی شیخ احمد سرہندی ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

اس نعمتِ عظمیٰ یعنی معرفت خداوندی تک پہنچنا سید الاولین والآخرین کی اتباع سے وابستہ ہے، آپ ﷺ کی اتباع کیے بغیر فلاح ونجات ناممکن ہے۔[۱]

یہی بات قرآن مجید میں اللہ تعالی اس طرح ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾[۲]

(اے پیغمبر ﷺ! آپ ان کو بتادیجیے کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، نتیجے میں اللہ تعالی تم سے محبت کریں گے۔)

اس لیے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت خود خدا کی اطاعت ہے۔ کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بولتے ہیں وہ وحی الٰہی ہی ہوتا ہے، چناں چہ ارشاد باری ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى﴾[۳]

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی خواہشات سے نہیں بولتے، وہ (جو کچھ تمہیں دین کے بارے میں دے رہے ہیں) وہ وحی الٰہی ہے، جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے۔)

اس لیے ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا:

﴿وَمَاآتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾[۴]

(جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمھیں دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں رک جاؤ۔)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کا اس وقت تک ایمان کامل ہی نہیں ہو سکتا، جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر چیز سے زیادہ محبت نہ کرے اور اپنی ساری خواہشات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان

---

(۱) مکتوبات ربانی، مکتوب ۷۸، ۱/ ۲۷۹

(۲) سورۃ آل عمران: ۳/ ۳۱

(۳) سورۃ النجم: ۵۳/ ۳، ۴

(۴) سورۃ الحشر: ۵۹/ ۷

کے تابع نہ بنادے۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ))[۱]

(آپ میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے والدین اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ مجھے محبوب نہ رکھے۔)

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تبعاً لِمَا جئتُ بِه)) [۲]

(تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات میرے لائے ہوئے طریقے کے مطابق نہ ہوں۔)

شیخ سعدیؒ کے نزدیک بھی نبی اکرم ﷺ کی اطاعت و پیروی کے بغیر تزکیہ قلب اور معرفت خداندی کا حصول ناممکن ہے وہ فرماتے ہیں:

"محال است سعدی کہ راہ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفٰے"

اے سعدی! یہ ناممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کی پیروی کیے بغیر خدائی معرفت اور تصفیہ قلب حاصل ہو سکے۔[۳]

تزکیۂ نفس:

تزکیہ نفس بعثت نبوی ﷺ کے مقاصد میں سے ایک مقصد تھا۔ یہی وجہ ہے اس کی اہمیت کے پیش نظر مقاصد بعثت کے ساتھ جہاں تعلیم، تلاوت آیات، کتاب و حکمت کا ذکر ہے وہیں پر تزکیہ کو بھی بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔ تزکیہ کے لغوی معنی تو کسی چیز کو صاف ستھرا بنانے اور پراون چڑھانے کے آتے ہیں، مگر اصطلاح شریعت میں اس کا مفہوم نفس کو غلط رجحانات و میلانات سے موڑ کر نیکی اور تقویٰ کے راستے پر لگانے اور اسے درجہ کمال تک پہنچانے کا نام ہی تزکیہ ہے۔ صوفیا حضرات جتنے مجاہدے، ریاضات

---

(۱) الجامع الصحیح، محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب الایمان، رقم الحدیث: ۱۵، دار السلام للنشر والتوزیع، ریاض، طبع دوم، ۲۰۰۰ء، ص: ۶

(۲) مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۳۰

(۳) مکتوبات، شیخ احمد سرہندی، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، طبع دوم، ۱۹۷۷ء، ۱/۲۷۹

اور عبادات کرتے ہیں یا ان کا اپنے معتقدین کو درس دیتے ہیں ان کا اصل مقصد نفس کا تزکیہ کرنا ہے۔ جیسا کہ تصوف کی اصطلاحی تعریفات جو مختلف صوفیا سے منقول ہیں ان کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ تزکیہ نفس ہی تصوف کا مبدأ و معاد اور نتیجہ تصوف ہے۔ جس کا لُب لباب یہ ہے کہ ہر وقت انسان کو اللہ تعالیٰ کا دھیان اور خیال رہے اور اس کی خلوت و جلوت ان ہی خطوط و ضوابط کی پابندی میں ہو جو اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم ﷺ کو مطلوب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا زکریا ؒ[1] سے جب تصوف کے مقصد و اہمیت کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا:

"تصوف کی حقیقت تصحیح نیت کے سوا کچھ نہیں ہے، جس کی ابتداء **إنما الأعمال بالنيات** اور انتہا **أن تعبد الله كأنك تراه**[2] ہے۔"[3]

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تزکیۂ نفس کا ذکر بہت سے مقامات پر فرمایا ہے جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعا نقل کی ہے:

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ﴾[4]

(اے ہمارے پروردگار! میری اولاد میں ان میں سے ہی ایک رسول بھیج، جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کے اندر کا تزکیہ کرے۔)

ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے ظاہر ہے کہ کسی نبی کی بعثت، تلاوت آیات اور تعلیم کتاب و حکمت کا اصل مقصد لوگوں کے اندر کا تزکیہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِىْ الْأُمِّيِّيْنَ رَسُولاً مِّنهُمْ يَتْلُوا عَلَيهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

---

(۱) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی ولادت ۱۸۹۸ میں اتر پردیش انڈیا میں ہوئی اور وفات ۱۹۸۳ء میں ہوئی۔ آپ کی وجہ شہرت آپ کی کتاب کتاب فضائل اعمال ہے جو کہ تبلیغی جماعت کے نصاب میں شامل ہے۔ (حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، مولانا ابو الحسن علی ندوی، مکتبہ اسلام، لکھنؤ، طبع سوم، ۲۰۰۳ء، ص:۴۹)

(۲) **الجامع الصحيح**، محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب الایمان، رقم الحدیث: ۵۰، مکتبہ رحمانیہ، کراچی، ۱/۲۳

(۳) مفکر اسلام اور تصوف، شمس الحق ندوی، مجلس نشریات اسلام، لکھنو، طبع ۲۰۰۷ء، ص:۱۳

(۴) سورۃ البقرہ: ۲/۱۲۹

وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ﴾[۱]

(اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان میں سے ہی ایک رسول بھیجا، جو انہیں خدائی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔)

اس آیت سے ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو خدائی آیات سنائیں، ان کا تزکیہ کریں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیں۔ لیکن غور کیا جائے تو واضح ہو گا کہ نبی پاک ﷺ کی بعثت کا اصل مقصد تزکیہ ہی تھا، کیوں کہ تلاوتِ آیات و تعلیمِ کتاب و حکمت کا اصل مقصد تو تزکیہ ہی ہے، کیوں کہ اگر تعلیم سے تزکیہ قلب و تطہیر نفس حاصل نہ ہو تو تعلیم و تعلم، درس و تدریس سب فضول ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا﴾[۲]

(بے شک وہ شخص کام یاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور وہ ناکام و نامراد ہو گیا جس نے اپنے نفس کو مٹی آلود کر دیا۔)

تصوف جن رذائلِ اخلاق سے اپنے اندر کو پاک کرنے کی تعلیم دیتا ہے وہ یہ ہیں: بد نیتی، ناشکری، جھوٹ، وعدہ خلافی، خیانت، بد دیانتی، غیبت و چغلی، بہتان، بد گوئی و بد گمانی، خوشامد و چاپلوسی، بخل و حرص، ظلم، فخر، ریا و نمود و حرام خوری وغیرہ۔ اور جن چیزوں سے اپنے اندر کو سنوارنے کی تعلیم دیتا ہے، وہ یہ ہیں: اخلاصِ نیت، ورع و تقویٰ، دیانت و امانت، عفت و عصمت، رحم و کرم، عدل و انصاف، عفو و درگذر، حلم و بردباری، تواضع و خاکساری، سخاوت و ایثار، خوش کلامی و خودداری، استقامت و استغنا وغیرہ۔ (جیسا کہ ابو القاسم قشیری کی کتاب رسالہ قشیریہ اور علی ہجویری کی کتاب کشف المحجوب اور ابو نصر کی کتاب کتاب اللمع اور شاہ عبد اللطیف بھٹائی کی کتاب (شاہ جو رسالو) سے ظاہر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن و سنت کا بیشتر حصہ ان ہی رذائلِ اخلاق سے بچنے اور فضائلِ اخلاق سے اپنے آپ کو مزین کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ فضائل اخلاق و رذائل اخلاق پر سید سلیمان ندوی نے

---

(۱) سورۃ الجمعۃ: ۲/ ۶۲

(۲) سورۃ الشمس: ۹۱/ ۹، ۱۰

سیرت النبی ﷺ کی چھٹی جلد لکھی ہے جو ۴۱۳ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں انہوں نے سینکڑوں آیات واحادیث ذکر کی ہیں۔ بلکہ اگر صرف ارکانِ اربعہ (چار اہم عبادات، نماز، روزہ، زکوٰۃ، وحج) پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ قرآن وسنت نے ان کا مقصد ہی تزکیۂ نفس وتطہیر قلب بتایا ہے۔

نماز کے بارے میں قرآن مجید فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ﴾[1]

(بے شک نماز بے حیائی اور برے اعمال سے روکتی ہے۔)

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

((منْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ وَالْجَهْل فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ))[2]

(جس نے برے قول اور برے عمل کو نہ چھوڑا، اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی خدا کو کوئی ضرورت نہیں۔)

زکوٰۃ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم﴾[3]

(ان کے اموال سے صدقہ (زکوۃ) وصول کیجیے، جس کے ذریعے ان کے اندر کی تطہیر اور تزکیہ کیجیے۔)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ وصدقات کا مقصد بتاتے ہوئے فرمایا:

((واتقوا الشُحَّ، فإنَّ الشُحَّ أهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبلَكُمْ، حَمْلُهُم عَلىٰ أنْ سَفَكُوا دِمَاءَهُم، وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُم))[4]

((زکوٰۃ وصدقات دیا کرو) اور نفس کی کنجوسی وبخل سے اپنے آپ کو بچاؤ، کیوں کہ بخل وکنجوسی (نفس کا ایسا رذیل خلق ہے جس) نے تم سے پہلوں کو ہلاک کر ڈالا کہ انہوں نے خوں ریزیاں کیں اور حرام چیزوں کو

---

(۱) سورۃ العنکبوت: ۲۹/۴۵

(۲) الجامع الترمذي، ابو عیسیٰ الترمذی، رقم الحدیث: ۷۰۷، دارالسلام للنشر والتوزیع، الریاض، طبع اول، ۱۹۹۹ء

(۳) سورۃ التوبہ: ۹/۱۰

(۴) مشکوٰۃ المصابیح، ۱/۱۶۴

حلال گردانا۔)

اس سے صاف ظاہر ہے زکوٰۃ، صدقات وانفاق فی سبیل اللہ کا اصل مقصد انسان کے اندر کا تزکیہ ہے۔

تجزیہ:

تصوف کی متعلقہ بحث کا حاصل یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا زمانہ نبوت ورسالت، اور بعد ازاں آپ ﷺ کی رحلت کے بعد کا زمانہ جسے خود آپ ﷺ نے، خیر القرون قرنی، میرا زمانہ سب سے بہتر ہے قرار دیا تھا یعنی صحابہ کرام خلفاراشدین کا زمانہ تھا جس میں عوام الناس میں اخلاقی بیماریاں نہ ہونے کے برابر تھیں پاکیزگی اور اخلاص کا دور دورا تھا۔ لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا اسلام اور اہل اسلام کا دوسری اقوام سے اختلاط بڑھتا گیا لوگوں کا اخلاقی معیار بھی کمزور ہوتا چلا گیا، اعمال میں سستی ہونے لگی، نیز سیاسی معاملات نے بھی اپنی خاصی جگہ بنالی تھی۔ ایسے میں ایک گروہ نے ان تمام معاملات سے کٹ کر الگ تھلگ ہو کر اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بجا آوری، اخلاق حسنہ کی تربیت و تطہیر کا بیڑا اٹھایا اور کافی حد تک اس میں کامیاب بھی رہے۔ انہی کے دور میں اس صفت تزکیہ، تصوف کی اہمیت کا صحیح احساس اور ضرورت سامنے آئی جس کے ذریعے ہزاروں افراد کی اخلاقی وروحانی مسائل سے اصلاح کی گئی بلاشبہ یہ ایک اہم مہم عمل تھا۔

سابقہ بحث کا ماحصل اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی رہنمائی کے لئے اپنے جن پاکیزہ اور برگزیدہ بندوں کو چنا یعنی کے انبیا کرام کو تو ان کے فرائض منصبی میں جہاں اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانا شامل تھا وہیں اس پیغام کی تشریح وتوضیح کے ساتھ ساتھ انسانیت کو گناہوں سے کنارہ کش کرانے کے لئے تزکیہ (پاکیزگی) کا سلسلہ بھی رب تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کے ذمے لگایا۔ یہی وجہ ہے کہ جب خاتم الانبیا، نبی کریم ﷺ کی باری آئی اور آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا تو آپ کے فرائض منصبی میں رب تعالیٰ نے تزکیہ نفس کو جزو کے طور پر ذکر کیا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾

(وہ وہی ہے جس نے بھیجا امیوں میں ایک رسول انہی میں سے۔ پڑھتا ہے ان پر اس کی آیتیں، تزکیہ کرتا ہے ان کا، اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت اور بیشک وہ تھے۔ اس سے پہلے البتہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔)

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے تلاوت قرآن کے بعد تزکیہ کا ذکر کر کے تزکیہ نفس کے پہلو کی اہمیت کو بالکل واضح کر دیا ہے گویا کے تلاوت یعنی قرآن پڑھنا اور تزکیہ اس قرآنی اصول وضوابط پر زندگی کو کاربند کرنے کا نام ہے اور یہ دونوں

لازم ہیں محض تلاوت قرآن باعث ثواب تو ہو سکتی ہے لیکن اگر تزکیہ کی صورت اس قرآن پر عمل نہ ہو تو باعث نجات ہونا ممکن نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ربِ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے کے ساتھ ساتھ امت کی اصلاح و تزکیہ بھی فرمایا ان کی ظاہری و باطنی بیماریوں کے علاج کے متعلق رہنمائی فرمائی ہر ایک شخص کے مزاج کے متعلق اس کو نفسانی بیماریوں، تکبر، غرور، حسد، بغض، کینہ، اور ان جیسی دیگر باطنی کیفیات سے نجات اور ان کا حل ارشاد فرمایا جس سے تزکیہ کی اہمیت اور حیثیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ جہاں تزکیہ باطنی آلائیشوں اور گناہوں سے نجات کا ذریعہ ہے وہیں تزکیہ نفس کا بڑا مقصد قرب الہیٰ بھی ہے جس کو حدیث احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔[1]

((قَالَ: فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِحْسَانِ! قَالَ: اَنْ تَعْبُد الله كأنك تَرَاه فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاه فإنه يَرَاكَ))

اس جملے سے مراد یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اس کے سامنے کھڑے اسے دیکھ رہے ہو، جس بندہ کی یہ کیفیت ہو جائے یقیناً وہ اپنی عبادت میں کمال و تمام کا پہلو ملحوظ رکھے گا، اور اسے ہر قسم کے نقص سے بچائے گا۔ عبادت کے تعلق سے یہ سب سے عظیم مرتبہ ہے، یہ شوق و محبت اور طلب کی عبادت شمار ہوتی ہے، اس عبادت میں اللہ تعالیٰ کی طرف قصد وانابت اور حصولِ قرب کا حسن ہوتا ہے، اور یہ حسن تزکیہ ہی کی بدولت پیدا ہوتا ہے اس اعتبار سے تزکیہ نفس یا اصطلاحی تصوف بے انتہا اہمیت کا حامل ہے جس سے مفر ممکن نہیں ہے۔

---

(۱) **الجامع الصحیح**، محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب الایمان، دارالاشاعت، کراچی، ۲۰۰۷، ص:۱۳۷

فصل دوم: برصغیر میں تصوف کا ارتقاء

برصغیر کا تعارف:

"بر" عربی میں خشکی کے ایک حصے یا ٹکڑے کو کہتے ہیں اور "صغیر" چھوٹے کو کہتے ہیں۔ یعنی برصغیر کا لغوی معنی خشکی کے ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ بعد ازاں اس کا اطلاق ہندوستان اور اس سے ملحقہ علاقوں پر ہونے لگا۔ برصغیر کسی براعظم سے منسلک ایک وسیع علاقے کو کہتے ہیں تاہم برصغیر کی کوئی واضح تعریف نہیں۔ برصغیر کسی پہاڑی علاقے یا زمینی پرت کے ذریعے براعظم سے جدا علاقے کو کہہ سکتے ہیں تاہم عام طور پر برصغیر کا مطلب جنوبی ایشیا یا برصغیر پاک وہند لیا جاتا ہے۔

قشر زمین کی ساخت کے علم کے مطابق کسی چھوٹی براعظمی پرت کے کسی بڑی پرت سے ملنے کے مقام کو برصغیر کہہ سکتے ہیں اس طرح برصغیر انڈین پرت اور عربی پرت پر واقع ہے اور برصغیر کہلایا جاسکتا ہے۔[1]

برصغیر میں اسلام

یوں تو برصغیر یعنی ہندوستان میں جسے قدیم عربی اور فارسی زبانوں میں ہند اور بعد ازاں برصغیر کہا جانے لگا برصغیر کا ملک عرب اور وہاں کے باشندگان کے ساتھ تعلق پرانا تھا جس کی بدولت انھیں اسلام اور اس کے اصولوں سے متعارف ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگا لیکن یہ ان کا اولیں دور تھا کیونکہ جب نبی کریم ﷺ کو نبوت ملی تو اس وقت عرب کے ارد گرد رومی، ایرانی، اور ہندی لوگ موجود تھے۔[2] برصغیر میں اسلام کی آمد کے بارے مختلف آرا نقل کی گئی ہیں۔ ہندوستان میں اسلام کا آغاز ابتداءً جنوبی ہندوستان میں آنے والے صحابہ کرام سے ہوا۔ اس کے بعد سندھ میں عربوں کی فتح کے بعد مزید اسلام پھیلا اور تیسرے مرحلے میں ترکوں کی فتح کے بعد شمالی ہندوستان میں اسلام مزید پھیلا۔ یہ تین آراء برصغیر کے متعلق اسلام کے آغاز کے حوالے سے پائی جاتی ہیں۔[3] تاجروں کے ذریعے، مسلم فاتحین کے ذریعے، اور قوی رائے یہ ہے کہ اہل تصوف یعنی صوفیا کے ذریعے اسلام کی آمد برصغیر میں ہوئی اور یہاں کے باسی اس سے روشناس ہوئے۔

---

(۱) ہندوستان کے لوگ، ظفر چوہدری، جنتا پبلیشرز لمیٹڈ، لاہور، طبع دوم، ۲۰۱۰ء، ص: ۸۲

(۲) برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش، محمد اسحق بھٹی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص: ۱۶۵

(۳) تاریخ جنوبی ہند، محمود بنگلوری، ناشر ترقی اردو، نئی دہلی، طبع دوم، ۱۹۴۷ء، ص: ۵۷

برصغیر میں تصوف:

برصغیر میں تصوف کی ابتداء کو بیان کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ تصوف کا مختصر تاریخی پسِ منظر دیکھ لیا جائے۔

"تصوف کی عملی شکل کے پھیلاؤ کے اطراف عالم میں پھیل جانے کے باجود برصغیر پاک وہند میں اسلام تصوف کے یہاں پہنچنے سے پہلے عملی طور پر موجود تھا۔ گو دوسری صدی ہجری کی اواخر یا تیسری صدی کے اوائل میں چند ایک بزرگوں کو صوفی کہا جانے لگا تھا۔ تاہم ان کی ابتداء تیسری صدی ہجری میں شمار ہوتی ہے، اور جو صوفیائے کرام برصغیر پاک وہند میں تشریف لائے اور ان کی وساطت سے ہند میں اشاعت اسلام کا کام ہوا، ان میں دو ہستیاں ہی زیادہ مشہور ہیں جو پہلے پہل تشریف لائیں۔ پہلے حضرت علی ہجویری (۱۰۰۹ء تا ۱۰۷۲ء) ہیں، یہ ہندستان میں ۱۰۶۹ء میں تشریف لائے اور دوسرے بزرگ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (۱۱۲۴ء تا ۱۲۳۵ء) ہیں جن کی ہندوستان میں آمد کی تاریخ بمطابق ۱۱۶۱ء بتلائی جاتی ہے جو کہ سخت مشکوک ہے۔ ان دو مشہور بزرگوں کے علاوہ دو اور بزرگوں کی آمد کا بھی تذکروں سے پتہ چلتا ہے۔ ان میں سے ایک تو شیخ محمد اسماعیل بخاری جو ۳۹۵ھ بمطابق ۱۰۰۵ء میں لاہور تشریف لائے۔"[1]

"اور دوسرے بزرگ خواجہ ابو محمد بن ابو احمد جو محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے۔[2] اور محمود غزنوی نے ۱۰۰۱ء سے لے کر ۱۰۲۵ء تک ہندوستان پر ۱۷ حملے کیے تھے اور آخری حملہ سومنات پر ۱۰۲۵ء میں کیا گیا تھا۔"

ان تمام تر تصریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی صوفی یا بزرگ، وہ مشہور و معروف ہو یا غیر معروف سلطان محمود غزنوی سے پہلے برصغیر پاک وہند میں وارد نہیں ہوا تھا۔ لیکن مسلمان اس سے بہت پہلے یہاں نظر آتے ہیں، جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

"اسلام مذہب کی حیثیت سے پہلے جنوبی ہند پہنچا۔ مسلمان تاجر اور مبلغین ساتویں صدی عیسوی میں (یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ۶۳۲ء میں ہوئی تھی۔ یعنی آپ کی وفات کے بعد جلد ہی مسلمان) مالیبار اور جنوبی

---

(۱) روح تصوف، سید خورشید گیلانی، فرید بک اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص:۹۹- ۱۰۲

(۲) تاریخ مشائخ چشت، خلیق نظامی، ادارہ ادبیات، دلی، ۱۹۸۳ء، ص:۱۴۵

سواحل کے دیگر علاقوں میں آنے جانے لگے۔ مسلمان چونکہ بہترین اخلاق و کردار کے مالک اور کاروباری لین دین میں دیانتدار واقع ہوئے تھے۔ لہذا مالیبار کے راجاؤں، تاجروں اور عام لوگوں نے ان کے ساتھ رواداری کا سلوک روا رکھا۔ چنانچہ مسلمانوں نے برصغیر پاک و ہند کے مغربی ساحلوں پر زمین حاصل کر کے مسجدیں تعمیر کیں۔ (یاد رہے کہ اس وقت حانقاہوں کی تعمیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا) اور اپنے دین کی تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔ ہر مسلمان اپنے اخلاق اور عمل کے اعتبار سے اپنے دین کا مبلغ تھا نتیجہ نکلا کہ عوام ان کے اخلاق و اعمال سے متاثر ہوتے چلے گئے۔ تجارت اور تبلیغ کا یہ سلسلہ ایک صدی تک جاری رہا یہاں تک کہ مالیبار میں اسلام کو خاطر خواہ فروغ حاصل ہوا اور وہاں کا راجہ بھی مسلمان ہو گیا۔ جنوبی ہند میں فروغ اسلام کی وجہ یہ بھی تھی کہ اس زمانے میں جنوبی ہند مذہبی کشمکش کا شکار تھا۔ ہندو دھرم کے پیروکار بدھ مت اور جین مت کے شدید مخالف اور ان کی بیخ کنی میں مصروف تھے۔ ان حالات میں جب مبلغین اسلام نے توحید باری تعالی اور ذات پات اور چھوت چھات کو لایعنی اور خلاف انسانیت قرار دیا، تو عوام جو ہزاروں سال سے تفرقات اور امتیازات کا شکار ہو رہے تھے۔ بے اختیار اسلام کی طرف مائل ہونے لگے۔ چونکہ حکومت اور معاشرہ کی طرف سے تبدیلی مذہب پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ لہذا ہزاروں غیر مسلم مسلمان ہو گئے۔"[1]

اس تفصیل سے مندرجہ ذیل امور واضح ہوتے ہیں:

پہلی صدی ہجری میں ہی اسلام جنوبی ہند بالخصوص مالیبار اور مغربی سواحل میں پھیل گیا۔ ان علاقوں کے ہزارہا غیر مسلم مسلمان ہو چکے تھے اور راجہ بھی مسلمان ہو گیا۔

اشاعت اسلام کی اصل وجوہات تین تھیں:

۱. عقیدہ توحید باری تعالیٰ کی سادگی
۲. ذات پات اور چھوت چھات کو خلاف انسانیت قرار دینا
۳. مسلمانوں کے اعمال و اخلاق کی پاکیزگی اور شائستگی

گویا ہندوستان میں اشاعت اسلام کا اصل سبب اولیاء اللہ یا صوفیاء کی کرامات نہیں بلکہ درج بالا وجوہات تھیں۔

---

(۱) تاریخ پاک و ہند، محمد احسن، مکتبہ سلفیہ، لاہور، طبع ۲۰۰۲ء، ص: ۳۹۰

اب اس پہلی صدی ہجری میں برصغیر پاک وہند میں جن جن مقامات پر اشاعت اسلام ہوئی اس کی مزید تفصیل درج ذیل اقتباس میں ملاحضہ فرمایئے:

"برصغیر پاک وہند میں عربوں کے تجارتی مراکز میں سراندیپ، مالدیپ، مالابار، کارومنڈل، گجرات اور سندھ قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ جنوبی ہند اور ساحلی علاقوں میں بھی جابجا عرب تاجروں کی نو آبادیات موجود تھیں۔ جہاں عراق اور عرب کے تاجر موجود تھے۔ ظہور اسلام کے بعد عربوں کی سیاسی، اور اقتصادی سرگرمیاں تیز تر ہو گئیں۔ اب وہ تبلیغ اسلام کے شوق سے سرشار، اخلاق و اطوار کے لحاظ سے بلند معیار کے حامل اور صداقت و دیانت کے پیکر تھے۔ ان میں سے اکثر نے برصغیر میں ہی رہائش اختیار کرلی۔ آہستہ آہستہ جنوبی ہند کے اکثر مقامات پر مسلمانوں کی نو آبادیت قائم ہو گئیں۔ انہوں نے مقامی لوگوں کو مشرف بہ اسلام کرنا شروع کر دیا۔ مقامی راجاؤں سے مسلمان تاجروں کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے اور انہیں تبلیغ اسلام اور عبادت کی پوری آزادی حاصل تھی۔"(۱)

"برصغیر کے پہلے اور عظیم صوفی ابوالحسن سید علی ہجویری جلابی المعروف داتا گنج بخش ہی تھے۔ آپ ۴۳۱ھ میں غزنی سے لاہور تشریف لائے اور نصف صدی تک یہیں قیام فرمایا۔ آپ کی عظیم صوفیانہ و عالمانہ کاوش کشف المحجوب ہے۔ سید علی ہجویری کی زندگی شریعت وطریقت کا امتزاج نظر آتی ہے۔ وہ صبح درس قرآن دیتے دن کو کسب معاش کرتے اور سہ پہر کو مبلغین اسلام کو تبلیغ کے لئے ہدایات دیتے اور مغرب کے بعد کھلے میدان میں وعظ کیا کرتے تھے۔"(۲)

سید علی ہجویریؒ کی یہ خدمات معمولی نہیں تھیں(۳) ان کے علاوہ انھوں نے ایک ذاتی مسجد بنوائی جس کی تعمیر میں خود بھی شریک رہے علاوہ ازیں کفار کو مسلمان اور کئی مرتدین کو تائب کیا۔

ایسے ہی بنگال میں سید علی ہجویریؒ کے معاصر صوفیا، مبلغین میں سید محمود ماہی، اور شاہ محمد رومی نے اصلاح عوام کا خاطر خواہ کام

---

(۱) تاریخ پاک وہند، ص: ۱۷، ۱۸

(۲) گنج بخش بحیثیت عالم، عبدالمجید یزدانی، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص: ۵۷

(۳) دیباچہ کشف المحجوب، شمس بریلوی، مترجم: غلام معین الدین، قادری رضوی کتب خانہ، لاہور، طبع دوم، ۲۰۱۰ء، ص: ۱۸

کیاان صوفیااور ان کے موخر ہم مزاج لوگوں کے اس اعتبار سے مقاصد کچھ یہ تھے۔

۱۔ اسلام قبول کرنے والوں کی ایسی ظاہری اور باطنی تربیت کی جائے کے وہ دنیاو آخرت دونوں میں کامیاب ہو جائیں۔

۲۔ کمزوراور مفلوک الحال لوگوں کی مدد کی جائے۔

۳۔ برصغیر کے غیر مسلموں کو ترجیحی بنیادوں پر اسلام سے روشناس کروایا جائے۔

دوسرے مقصد کے لئے صوفیاکا ایک گروہ بادشاہوں پر بھی اثرانداز ہوتا رہاہے۔

"برصغیر میں آنے والے صوفیا کی اکثر تعداد ایسی ہے جن کی زبان فارسی تھی مگر یہاں آنے کے بعد انھوں نے یہاں کی مقامی زبانوں پر کسی قدر عبور حاصل کیا تھا۔ تاکہ لوگ ان سے زیادہ آسانی سے مستفید ہوں، اس وجہ سے گو جہاں عربی کا رواج بڑھا وہیں اردو کو بھی تقویت ملی۔"(۱)

ان کے علاوہ ایک تعداد ایسی بھی تھی جو خود بھی صوفی تھے اور صوفی گر بھی کہلاتے تھے ذیل میں ان کے نام اختصاراً درج کئے جاتے ہیں۔

۱. شیخ سخی سرور(۲)
۲. خواجہ معین الدین چشتی(۳)
۳. شیخ بہاؤالدین زکریاملتانی
۴. خواجہ فرید الدین(۴)

---

(۱)اردو کی ترویج میں صوفیاء کا کردار، عبدالحق، ڈاکٹر، کراچی، طبع دوم، ۱۹۷۶ء، ص:۳۴

(۲) شیخ سخی سرور جن کا مکمل نام سید احمد سخی سرور ہے۔ بارہویں صدی کے معروف صوفی بزرگ ہیں۔ آپ کی ولادت ملتان میں ۵۲۴ھ میں ہوئی۔ آپ سلسلہ چشتیہ اور قادریہ کے بڑے بزرگوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ نے شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ عبدالقادر جیلانی سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ آپ کی وفات ۵۷۷ھ میں ہوئی۔ (تاریخ مشائخ چشت، خلیق احمد نظامی، مشتاق بک کارنر، لاہور، طبع دوم، ۲۰۰۰ء، ص:۲۰۱)

(۳) خواجہ معین الدین چشتی سلسلہ چشتیہ کے مشہور بزرگ ہیں۔ ان کالقب سلطان الہند ہے۔ آپ کی ولادت ۱۱۴۲ھ اور وفات ۱۲۳۶ھ، میں ہوئی۔ (تاریخ مشائخ چشت، مولانا محمد زکریا، مکتبۃ الشیخ، کراچی، ص:۱۶۵)

(۴) خواجہ فرید الدین مسعود بارہویں صدی کے معروف صوفی بزرگ اور مسلمان مبلغ ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۱۷۸ھ اوروفات ۱۲۶۵ھ میں ہوئی۔ آپ مسلم مبلغ اور صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ پنجابی شاعر بھی تھے۔ (تذکرۃ الاولیاء، شیخ فرید الدین، مشتاق بک کارنر، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص:۲۶)

۵. خواجہ قطب الدین بختیار کاکی [۱]

۶. صدرالدین عارف ملتانی [۲]

۷. علاوالدین صابر کلیری [۳]

یہ تمام صوفیاو بزرگان دین ساتویں صدی کے صوفیا میں سے ہیں۔

برصغیر میں صوفیا کرام کی تبلیغی اور اصلاحی خدمات کے لحاظ سے ساتویں اور آٹھویں صدی نہات اہم ہے۔ خصوصاً آٹھویں صدی میں صوفیا کی محنت اور اس کے ثمرات نے اطراف کو خوب منور کر دیا۔ اس صدی کے معرودف بزگان دین میں، خواجہ نظام الدین دہلوی م۷۲۵، شیخ اخی سراج م۷۵۷ھ ایسے ہی شیخ شرف الدین یحییٰ منیری م۷۸۲ھ، مخدوم جہانیاں جہاں، سید جلال الدین م۷۸۶، شیخ علاالحق م۷۸۵، شاہ ہمدان سید علی ہمدانی م۷۸۶ھ قابل ذکر ہیں۔

ان تمام صوفیا کرام نے برصغیر کے ہر خطے میں اشاعت اسلام کے کام کو وسعت بخشی تہذیب اسلامی کو متشکل کیا، اور مفلوک الحال لوگوں کی مدد کا بیڑہ اٹھایا۔ ان کی سادہ زندگیوں اور دلپذیر تعلیمات نے لاکھوں لوگوں کو خلعت اسلام سے مشرف فرمایا۔ ان صوفیا نے عربی اور فارسی میں کتب ورسائل بھی لکھے جبکہ بعض حضرات شاعر بھی تھے۔ کچھ صوفیا نے چلتے پھرتے تبلیغ دین کو اپنا شعار بنالیا جیسے سید میر محمد، شاہ ہمدان وغیرہ الغرض ہر ایک نے انسانیت کو خالق حقیقی سے جوڑنے کا بیڑہ اپنے ذمے لیا اور سعی بسیار سے اسے پورا کرنے کی کوشش کی تھی۔

---

(۱) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی برصغیر کے معروف صوفی بزرگ ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۱۷۳ اور وفات ۱۲۳۵ میں ہوئی۔ آپ خواجہ معین الدین چشتی کے خلیفہ اور فرید الدین مسعود کے مرشد ہیں۔ (سیرت بختیار کاکی، شبیر حسین چشتی، اکبر بک سیلرز، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص:۲۸)

(۲) شیخ صدر الدین معروف صوفی بزرگ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے صاحبزادے اور جانشین ہیں۔ آپ کی ولادت ۶۲۱ میں اور وفات ۶۸۴ میں ہوئی۔ (اولیائے ملتان، مرتب: فرحت ملتانی، اویس پبلشرز، ملتان، ۲۰۰۱ء، ص:۴۹)

(۳) مخدوم علاؤالدین علی احمد کلیری تیرہویں صدی کے معروف صوفی بزرگ ہیں۔ آپ کی ولادت ۵۹۲ میں ہوئی اور وفات ۶۹۰ میں ہوئی۔ آپ فرید الدین مسعودؒ کے خلیفہ اور عظیم صوفی بزرگ ہیں۔ (شمع مکیز، خواجہ شاہ محمد افضل، چشتیہ صابریہ پبلشرز، کراچی، ۱۹۸۷، ص:۳۷)

نویں صدی ہجری تاحال:

صوفیا کرام کا فیض برصغیر میں دین اسلام کی آمد سے آج تک جاری وساری ہے۔اس وسیع سرزمین کے چپے چپے اور گوشے گوشے پر معلوم و نامعلوم، صوفیائی نقش کہیں نہ کہیں مرتسم ضرور ہیں۔ان کی خدمات کے حوالے سے سینہ بہ سینہ روایات کتنی ہی کمزور اور مبالغہ پر مشتمل کیوں نہ ہوں لیکن ان سے ان کی ثابت شدہ خدمات کو رد نہیں کیا جاسکتا وہ اپنی جگہ مسلم ہیں ان سے اعتنا ممکن نہیں ہے۔ آٹھویں صدی میں گو کہ دین اسلام قریباً برصغیر کے ہر گوشے میں پہنچ چکا تھا لیکن ایک بڑا مسئلہ یہ تھا کہ بعد کے زمانے کی وجہ سے اس میں بہت سی بدعات دین سمجھ کر داخل کر دی گئی تھیں۔اس لئے نویں صدی سے گیارہویں تک اور تاحال صوفیا کی ایک جماعت ان بدعات و فتن کی مخالفت پر کمربستہ رہی۔اس سلسلے میں اس دور میں تصوف کے معاملات کو سمجھنے کے لئے دو صوفیا کے حالات کو سمجھنا کافی ہو گا۔ جس سے اس دور کی تصوف کی ضروریات و حالات وارتقائ کے مراحل کا اندزہ ہو جائے گا۔ ان دو بزرگوں میں اول خواجہ باقی باللہ نقشبندی[۱] م ۱۰۱۲ھ اور امام ربانی شیخ احمد سرہندی[۲] م ۱۰۳۴ھ ہیں۔[۳]

خواجہ باقی باللہ کابل کے رہنے والے تھے انھوں نے پہلے لاہور اور پھر دہلی کو اپنا مستقر بنایا۔ان کے متصوفانہ رویہ کی خاص بات ان کا درس اور وعظ و نصیحت کا سلسلہ تھا جس میں خصوصیت کے ساتھ ترک بدعات اور پابندی شرع پہ زور دیا جاتا تھا۔ان دروس اور مواعظ کا ہی فیض تھا کہ آپ کے مرید اور خلیفہ مجدد الف ثانیؒ بھی تھے جو اس دور کے صفِ اول کے صوفیاء میں شامل ہیں۔اور ان کی مساعی جمیلہ محتاج بیان نہیں ہے۔ شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانی کے دور میں تجدد اور الحاد نے اپنی جڑیں گاڑھنا شروع کی تو شیخ نے مردانہ وار اکبر و جہانگیر کے عہد کے ان تجدد پسند افکار اور الحادی فتنوں کا مقابلہ کیا۔اور اس کی پاداش میں قید وبند کی صعوبتوں سے بھی دوچار ہوئے۔ شیخ احمد سرہندی دین کے تمام شعبوں پر دسترس رکھتے تھے۔ آپ کے مکتوبات اور تعلیمات ایک

---

(۱) آپ کا نام رضی الدین محمد تھا۔ سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگوں میں سے ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۵۶۴ء میں اور وفات ۱۶۰۳ میں ہوئی۔(تذکرہ خواجہ باقی باللہ، نسیم احمد فریدی، الفرقان بکڈپو، لکھنؤ، طبع اول ۱۹۸۱ء، ص:۱۳۰)

(۲) شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانی دسویں صدی ہجری کے نہایت مشہور صوفی عالم تھے۔ آپ کی ولادت ۱۵۶۴ اور وفات ۱۶۲۴ میں ہوئی۔ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ کو ترقی دینے میں آپ نے بہت اہم کردار ادا کیا۔بدعات کی تردید کی اور تصوف کو درست رخ پر منتج کیا۔(جہان امام ربانی، طاہر مسعودی، محمد عبدالستار، امام ربانی فاؤنڈیشن، کراچی، طبع دوم، ص:۸۱)

(۳) تصوف کا انسائکلوپیڈیا، عبدالکریم بن ہوزان، ابوالقاسم، القشیری، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، طبع دوم، ۲۰۰۲ء، ص:۲۲۰

دلنشین مرقع ہیں۔ وہ مصلح، متصوف اور زبردست مفکر بھی تھے، چنانچہ تصوف کے معروف نظریہ وحدت الوجود یا ھمہ اوست کے مقابلے میں ان کا نظریہ وحدت الشھود اب عالمگیر ہو چکا ہے۔

ان دو حضرات کے علاوہ جن صوفیاء کی مساعی جمیلہ نے برصغیر کے افق کو اسلام کے نور سے منور فرمایا ان میں قابل ذکر نام درجہ ذیل ہیں۔

خواجہ نظام الدین اولیاء:

نظام الدین اولیا کی ولادت صفر کے آخری بدھ کو یوپی کے مشہور شہر بدایوں[۱] میں ہوئی تھی۔ پیدائش کے سن میں اختلاف ہے۔ ایک رائے کے مطابق ۶۳۴ھ ہے جبکہ دوسری رائے کے مطابق ۶۳۶ھ ہے۔ آپ ظاہری و باطنی اوصاف کے جامع تھے۔ آپ پانچ برس کے تھے کہ آپ کے والد انتقال کر گئے۔ والدہ محترمہ نے انہیں ایک مکتب میں داخل کروایا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں ان کی تعلیمی قابلیت اور استعداد کا یہ عالم تھا کہ بدایوں میں ان کو مزید تعلیم دینے والا کوئی استاد باقی نہ تھا۔ بعد ازاں اپنی والدہ کو لے کر وہاں سے روانہ ہوئے اور دہلی دار چشت کی مسجد کے پاس سکونت اختیار کی۔ اس وقت دہلی میں ایک فاضل متبحر اور سر آمد علمائے وقت خواجہ شمس الدین خوارزمی تھے جنہیں بعد میں سلطان غیاث الدین بلبن نے شمس الملک کا خطاب دیکر منصبِ وزارت تفویض کیا۔ حضرت نظام الدین اولیا ان سے مل کر ان کی شاگردی میں آ گئے۔ شیخ نظام الدین اولیا تدریس سے فارغ ہو کر مراتبِ عالیہ پر فائز ہوئے تو انہیں معاش کی فکر ہوئی۔[۲] ایک روز انہوں نے دورانِ گفتگو شیخ نجیب الدین متوکل سے کہا کہ میرے لیے دعائے خیر فرمائیں کہ میں کسی مقام کا قاضی مقرر ہو جاؤں اور خلقِ خدا کو انصاف سے راضی کروں۔ حضرت شیخ نجیب الدین یہ سن کر خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔ شیخ نظام الدین اولیا کو گمان گزرا کہ شاید شیخ نجیب الدین متوکل نے ان کی بات نہیں سنی۔ اس لیے دوبارہ با آوازِ بلند کہا: حضرت! دعا فرمایئے کہ میں کسی مقام کا قاضی بن جاؤں۔

---

(۱) بھارت کا ایک شہر جو کہ بریلی اور متھرا کے درمیان صوبہ اتر پردیش کے خطہ روہیل کھنڈ میں واقع ہے۔ اس کی بنیاد ایک ہندو راجہ بدھ نے سن ۹۰۵ء میں ڈالی۔ اس کا کل رقبہ ۳۲ مربع میل اور آبادی ۱۵۹۲۲۱ ہے۔ (Badaun Distrct: Census ۲۰۰۱ dat, Indian Census ۲۰۱۱. Retrived ۱۷ jan ۲۰۱۴)

(۲) نظام الدین اولیاء حیات و خدمات، پروفیسر محمد حبیب، شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی، دہلی، طبع سوم، ۱۹۸۷ء، ص:۳۴

اس مرتبہ شیخ نجیب الدین متوکل[۱] نے فرمایا: نظام الدین! قاضی نہ بنو، کچھ اور بنو۔ پھر مشورہ دیا کہ میرے بھائی شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر سے ملاقات کرو۔ اس رات شیخ نظام الدین اولیا جامع مسجد دہلی میں مقیم تھے۔ اتفاق سے صبح اذان سے قبل مؤذن نے مینارہ پر کھڑے ہو کر یہ آیت پڑھی:

﴿أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ﴾[۲]

(کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل قرآن سن کر ڈر جائیں۔)

"یہ سنتے ہی حضرت کا حال متغیر ہوا اور نورِ الٰہی نے ان کو گھیر لیا اس وقت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر کی بزرگی اور کرامات کا شہرہ عالمگیر تھا۔ یوں بھی شیخ نجیب الدین متوکل کی مجالس میں غائبانہ حضرت کی سیرت کے اوصاف سن کر شیخ نظام الدین اولیا ان کی زیارت کے پہلے ہی مشتاق تھے۔ اب جو صبح ہوئی تو بغیر زادِ راہ کے پیدل ہی قصبہ اجودھن (پاکپتن)[۳] کی سمت روانہ ہو گئے اور پنجشنبہ کو ظہر کی نماز کے وقت حضرت شیخ کی زیارت باسعادت سے مشرف ہوئے۔ پھر شیخ نے بڑی محبت سے فرمایا: مرحبا، خوش آمدید۔ ان شاء اللہ العزیز دینی و دنیوی نعمتیں اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔ پھر شیخ نظام الدین اولیا نے حضرت شیخ سے خرقہ درویشی پایا اور مریدانِ خاص کی صف میں شامل ہوئے۔ وصال دہلی میں ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ کو ہوا۔ آپ نے برصغیر میں تبلیغی و اصلاحی کام کو ایک نیا رخ دیا اپنے اخلاق اپنی تعلیمات، سخاوت سے لوگوں کے دل موہ لئے اور لاکھوں غیر مسلم مسلمان ہوئے۔ ربیع الثانی ۷۲۵ھ کو سورج نکلنے کے بعد یہ آفتاب طریقت غروب ہو گیا۔"[۴]

---

(۱) شیخ نجیب الدین متوکل حضرت فرید الدین مسعود کے بھائی اور خلیفہ مجاز تھے۔ آپ کی ولادت ۵۵۹ھ میں اور وفات ۶۷۱ھ میں ہوئی۔ آپ نہایت متوکل اور متقی صوفی بزرگ تھے۔ (اخبار الاخیار، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، مترجم: سبحان محمود، اکبر بک سیلرز، لاہور، طبع سوم، ۲۰۰۲ء، ص: ۱۳۱)

(۲) سورۃ الحدید: ۵۷/ ۱۶

(۳) قصبہ اجودھن، پاکستان کے صوبہ پنجاب کا ایک ضلع ہے۔ اجودھن اس کا پرانا نام ہے۔ موجودہ نیا نام پاکپتن ہے۔ اس کا رقبہ ۲۷۲۴ مربع کلومیٹر ہے اور آبادی ۱۲۸۶۶۸۰ ہے۔ حضرت فرید الدین مسعود کا دربار بھی پاکپتن میں ہے۔ (ضلع پاکپتن /ur.wikipedia.org/wiki)

(۴) تاریخ مشائخ چشت، خلیق نظامی، دار القلم، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص: ۳

شیخ بہاؤالدین زکریاملتانی:

صوفیائے برصغیر کی جماعت میں ایک عظیم مصلح کانام ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت سنہ ۱۱۷۲عیسوی ۵۶۶ ہجری میں (علی اختلاف الاقوال) کوٹ کروڑ (حال ضلع لیہ) میں ہوئی۔ آپ کے خاندان کی ہی ایک شاخ منصورہ سندھ میں مشہور ہباری اسلامی سلطنت کی حکمران رہی، مگر آنجناب ان حکمرانوں کے براہِ راست وارث نہ تھے۔ آپؒ نے لگ بھگ ۳۰ برس کا عرصہ حصولِ علم و تزکیہ میں گزارا، اور اس کے بعد تقریباً ۶۰ برس تک مسندِ رشد وہدایت پر جلوہ افروزرہ کر دعوت الی اللہ اور تزکیۂ قلب کے فریضے کو سرانجام دیتے رہے۔ ملتان میں عظیم الشان مدرسہ بہائیہ قائم فرمایا، بہت زیادہ سیر و سفر و ہجرت و مجاہدہ کو اختیار فرما کر ملتان، بلوچستان، سندھ، مارواڑ، راجستھان اور علاقۂ افغانان میں تبلیغی سرگرمیوں میں حد درجہ مشغول رہے، سلاطین اسلام کے ساتھ ہمیشہ تواصی بالحق تواصی بالصبر اور الدین النصیحہ کی بنیادوں پر مستحکم تعلقات قائم رکھے۔ ناصر الدین قباچہ[۱] کے ظلم و مطلق العنانی کے خلاف سلطان شمس الدین التمش[۲] کے زہد واتقا اور علم و دین داری کی وجہ سے اس کے حق حکومت کی تائید کی، منصبِ شیخ الاسلام کو قبول فرمایا اور تقریباً ۹۶ برس کی عمر میں انتقال ہوا۔[۳]

شاہ عبدالحق محدث دہلوی:

"حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے آباء واجداد اصل میں بخارا[۴] کے رہنے والے تھے۔ جو دہلی میں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ آپؒ شہر دہلی میں ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۱ء پیدا ہوئے۔ آپ کا پورا نام شیخ ابوالمجد عبدالحق بن سیف الدین دہلوی بخاری ہے، مغلیہ دور (۹۹۰ھ سے ۱۰۳۷ھ تک) میں متحدہ ہندوستان کے مایہ ناز عالم دین

---

(۱) ناصر الدین قباچہ، قطب الدین ایبک کا داماد تھا اور ۱۲۲۶ سے ۱۲۳۴ تک آپسی لڑائیوں کے دوران سندھ پر حکومت کرنے والا حکمران تھا۔ (تاریخ (تاریخ فرشتہ، محمد قاسم فرشتہ، ترجمہ: عبدالحئ خواجہ، المیزان ناشران کتب، طبع دوم، ۲۰۰۱ء، ۲/ ۳۴۶)

(۲) شمس الدین التمش سلطنت دہلی کا تیسرا حکمران اور خاندان غلامان کا تیسرا بادشاہ تھا۔ ۱۲۱۱ میں قطب الدین ایبک کے نااہل بیٹے آرام شاہ کو تخت سے اتار کر خود حکمران بن گیا۔ (تاریخ فرشتہ، محمد قاسم فرشتہ، ترجمہ: عبدالحئ خواجہ، المیزان ناشران کتب، طبع دوم، ۲۰۰۱ء، ۲/ ۲۴۱)

(۳) تذکرہ بہاءالدین ملتانی، علماء اکیڈمی، شعبہ مطبوعات، محکمہ اوقاف، لاہور، طبع اول، ۱۹۹۸ء، ص: ۱۳

(۴) ازبکستان کا پانچواں بڑا شہر اور صوبہ بخارا کا صدر مقام ہے۔ ۱۹۹۹ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی ۲۷۲۰۰۰ جبکہ کل رقبہ ۲۸۰۲ مربع میل ہے۔

اور محدث تھے۔ ہندوستان میں علم حدیث کی ترویج و اشاعت میں آپ کا کردار ناقابل فراموش ہے۔ آپ کی تعلیم وتربیت آپ کے والد نے بڑی محبت اور محنت سے کی۔ آپ نے صرف تین ماہ میں پورا قرآن پاک مکمل قواعد کے ساتھ اپنے والد ماجد سے پڑھ لیا۔ اور ایک ماہ میں کتابت کی قدرت اور انشاء کا سلیقہ حاصل ہو گیا اٹھارہ سال کی عمر میں آپ نے تمام علوم عقلیہ اور نقلیہ اپنے والد ماجد سے حاصل کر لیے۔ اس دوران آپ نے جید علماء کرام سے بھی اکتساب علم کیا۔ ۹۹۶ھ /۱۵۸۸ء میں حجاز کا رخ کیا اور کئی سال تک حرمین شریفین کے اولیاء کبار اور علماء زمانہ سے استفادہ کیا۔

بالخصوص شیخ عبد الوہاب متقی[۱] خلیفہ شیخ علی متقی کی صحبت میں علم حدیث کی تکمیل کی۔ آپ نے ایک درجن سے زائد کتابیں تصنیف کیں۔ ۱۶۴۲ء میں دہلی میں وفات پائی۔"[۲]

آپ کی کتابوں میں معروف درجہ ذیل ہیں۔

۱. تعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی (بزبان فارسی)
۲. شرح الصدور بہ تفسیر آیت النور (بزبان فارسی)
۳. اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ (بزبان فارسی)
۴. لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح (بزبان عربی)
۵. أسماء الرجال والروات المذکورین فی کتاب المشکوٰۃ (بزبان عربی)
٦. تحقیق ماثبت بالسنۃ من الأعمال فی أیام السنۃ

شاہ ولی اللہؒ:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ ۱۷۰۳ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شاہ عبد الرحیم اپنے عہد کے جید عالمِ دین اور

---

(۱) شیخ عبد الوہاب متقی کا شمار مکہ معظمہ کے عظیم مدرسین میں ہوتا ہے۔ آپ کی ولادت ۹۰۲ھ میں مندو میں ہوئی۔ بیس سال کی عمر میں ہی تحصیل علم کے لئے اسفار شروع کئے اور مکہ معظمہ پہنچے۔ یہاں تکمیل علم کے بعد مکہ معظمہ میں ہی درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ (اخبار الاخیار، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، اکبر بک سیلرز، لاہور، طبع سوم، ۲۰۰۲ء، ص:۲۵۳)

(۲) تذکرہ شیخ عبد الحق دھلوی، احمد قادری، شاد بک ڈپو، پٹنہ، ۱۹۹۲ء، ص:۱۳۹

بلند پایہ شیخ تھے۔ انہوں نے فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں حصہ لیا تھا۔ دہلی میں ان کا مدرسہ رحیمیہ علم و فن کا گہوارہ اور بہت بڑا دینی مرکز تھا۔ شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمی زندگی پانچ سال کی عمر میں شروع ہوئی اور پندرہ سال کی عمر میں وہ تمام دینی علوم سے فارغ ہوئے۔ ۱۷۲۰ء میں جب کہ ان کی عمر صرف سترہ سال تھی ان کے والد کا انتقال ہوا اور وہ اپنے والد کی مسندِ تدریس پر بیٹھ کر درس دینے لگے۔ بارہ سال تک مسلسل قرآن و حدیث اور دوسری کتابوں کا درس دیا۔ ۱۷۳۰ء میں وہ سفر حج کو روانہ ہوئے اور ارض حرمین میں مسلسل دو سال قیام فرمایا۔ اس دوران انہوں نے مدینہ منورہ کے مشہور محدث شیخ ابو طاہر بن ابراہیم مدنیؒ سے سندِ حدیث لی اور دوسرے بہت سے محدثین اور علماء سے استفادہ کیا۔ شاہ صاحبؒ کی ولادت کے چار سال بعد ۱۷۰۷ء ہی میں اورنگزیب عالمگیر کا انتقال ہو گیا۔ عالمگیر ہندوستان میں مسلمان حکمرانوں کے سلسلے کا آخری حکمران تھا۔ جس نے مرکزی حکومت کے غلبے اور مسلمانوں کے اقتدار کے استحکام کی کوشش کی اور تقریباً پچاس سالہ عہدِ حکومت میں خالص مسلمان حکمرانوں کی طرح زندگی بسر کی اور ہر غیر اسلامی تحریک کا قلع قمع کیا جو مسلم اقتدار کے لیے چیلنج ہو سکتی تھی، مگر افسوس کہ اس کے جانشینوں میں کوئی بھی اس کی سی بصیرت و شجاعت اور اوصافِ حکمرانی کا مالک نہ تھا، جس کے باعث مغل اقتدار بلکہ مسلم اقتدار کا زوال شروع ہو گیا اور اورنگزیب کی وفات کے ڈیڑھ سو سال بعد ہندوستان میں مسلمانوں کا اقتدار و غلبہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ شاہ صاحبؒ نے مسلم اقتدار کے زوال کا غائر نظری سے مطالعہ کیا اور امتِ مسلمہ کی نشاۃِ ثانیہ کا انقلابی پروگرام پیش کیا۔[1]

شاہ ولی اللہ کے کارنامے:

بادی النظر میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کارہائے نمایاں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱. علمی کارنامے
۲. اصلاحی کارنامے
۳. سیاسی کارنامے

"یہاں ہماری بحث اصلاحی کارناموں سے ہے۔ شاہ صاحبؒ ایک عظیم مصلحِ امت تھے۔ ان کی اصلاحی کوششیں صرف اصلاحِ عقائد و اعمال تک ہی محدود نہیں بلکہ اصلاحِ رسوم و عادات، غیر مسلموں سے اختلاط سے پرہیز اور احیاء قُوتِ اسلام کے لیے جہاد اور تمام شعبہ جاتِ حیات مثلاً: اقتصادیات، معاشرت اور عمرانیات سے آگے

---

(۱) رحمۃ اللہ الواسعہ شرح حجۃ اللہ البالغہ، سعید پالنپوری، زمزم پبلیشرز، کراچی، طبع اول، ۲۰۰۵ء، ۱/ ۱۳۴

تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اور اس باب میں وہ صحیح معنوں میں ایک ریفارمر تھے۔ انہوں نے عجمی نظریات وعقائد کے ساتھ ساتھ عجمی رسومات پر بھی کڑی تنقید کی اور مسلمانوں میں احیائے سنت کو رواج دینے کی کوشش کی۔"[1]

یہ وہ اَجلِہ صوفیا تھے جن کی بدولت برصغیر میں تصوف نے ارتقائی مراحل طے کئے اور تصوف ایک نئے انداز سے مرتب ہوا جس نے لوگوں کی زندگیوں کے ہر شعبے پر اثر ڈالا تھا۔

تجزیہ:

تصوف اپنی ارتقائی صورت میں مختلف زمانوں اور افراد مختلف عملی اور فکری صورتوں میں موجود رہا۔ ہر زمانے کے صوفیا نے اپنے تئیں مختلف انداز سے اس کی ترویج میں خاطر خواہ حصہ لیا۔ اس طبقے نے جن چیزوں سے لوگوں کو متاثر کیا ان میں، اخلاق، کردار، سچائی، اور بے ریا انسانوں کی خدمت، یہ اوصاف خصوصی طور پر اس عمل میں شامل رہے۔ تصوف اپنے اسی ارتقائی سفر کو طے کرتے ہوئے برصغیر یعنی اس وقت کا پاک وہند کا مجموعہ میں پہنچا اور مذکورہ بالا اوصاف اور ان کے علاوہ دینی اور تبلیغی اور اصلاحی سرگرمیوں کی بدولت بہت ہی کم عرصے میں ایک معتدبہ تعداد کو اپنے حلقے میں شامل کر لیا اور بعض صوفیا نے تو ایک بڑی تعداد میں غیر مسلموں یعنی ہندووں کو مسلمان بنایا (خواجہ معین الدین چشتی کے متعلق مشہور ہے انھوں نے ۹۰ لاکھ ہندووں کو کلمہ پڑھایا) اور بہت سے غیر مسلم اقوام تک اسلام کا اخلاقی پیغام احسن انداز سے پہنچایا۔ برِصغیر پاک وہند میں جن صوفیا سے عملی طور پر تصوف کا آغاز ہوا ان میں پہلے حضرت علی ہجویری (۱۰۰۹ء تا ۱۰۷۲ء) ہیں، یہ ہندستان میں ۱۰۶۹ء میں تشریف لائے اور دوسرے بزرگ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (۱۱۲۴ء تا ۱۲۳۵ء) ہیں جن کی ہندوستان میں آمد کی تاریخ بمطابق ۱۱۶۱ء بتلائی جاتی ہے۔ ان دو مشہور بزرگوں کے علاوہ دو اور بزرگوں کی آمد کا بھی تذکروں سے پتہ چلتا ہے۔ ان میں سے ایک تو شیخ محمد اسماعیل بخاری جو ۳۹۵ھ بمطابق ۱۰۰۵ء میں لاہور تشریف لائے۔ اور دوسرے بزرگ خواجہ ابو محمد بن ابو احمد جو محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے تھے۔ ان بزرگوں اور ان کے علاوہ، خواجہ نظام الدین، بہاوالدین زکریا ملتانی، سید علی ہجویری، شاہ ولی اللہ، اور دیگر بہت سے بزرگوں نے اخلاق، کردار، اور سماجی معاملات میں لوگوں سے میل جول میں اسلامی تشخص کو آشکارہ کرنا دیگر اقوام جو برِصغیر میں غیر مسلم اقوام کو مسلمان کرنے کا سبب بنا اور برِصغیر میں اسلام کے پھیلاو کا سبب بھی بنے۔

---

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت، ابوالحسن علی ندوی، ادرہ نشریات اسلام، کراچی، ۲۰۰۱ء، ۳/۲۳۱

فصل سوم: برصغیر میں تصوف کے مشہور سلاسل

سلسلہ:

اس سے مراد صحبت اور اعتماد کا وہ سلسلہ ہے جو موجودہ شیخ سے آنحضرت ﷺ تک جاتا ہے۔ ہند میں چار بڑے سلاسل چل رہے ہیں۔ جو کہ چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ اور سہروردیہ ہیں۔ جس شیخ سے آدمی بیعت ہوتا ہے تو اس کے ساتھ آدمی اس کے سلسلے میں داخل ہو جاتا ہے۔ ان سلاسل کی مثال فقہ کے چار طریقوں حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی یا طب کے مختلف طریقوں یعنی ایلوپیتھی، ہومیوپیتھی، آکوپنکچر اور یونانی حکمت وغیرہ سے دی جاتی ہے۔ ان کے اصولوں میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے لیکن سب کا نتیجہ وہی روحانی صحت یعنی نسبت کا حاصل کرنا ہے۔ یوں تو بہت سے بڑے بڑے روحانی سلاسل طریقت ہیں لیکن ان میں سے پاک وہند میں زیادہ معروف خانوادہ ہائے سلاسل چار ہیں:

۱. سلسلہ قادریہ
۲. سلسلہ چشتیہ
۳. سلسلہ سہروردیہ
۴. سلسلہ نقشبندیہ

سلسلہ قادریہ:

سلسلہ قادریہ کے بانی عبد القادر محی الدین جیلانیؒ ہیں۔

سلسلہ چشتیہ:

چشتیہ کے بانی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

سلسلہ سہروردیہ:

سلسلہ سہروردیہ کے بانی شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

سلسلہ نقشبندیہ:

سلسلہ نقشبندیہ کے بانی کا نام خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

جبکہ دنیائے عرب اور بلاد اسلام میں ان کے علاوہ شاذلیہ [۱] اور رفاعیہ [۲] وغیرہ ہیں دیگر سلاسل طریقت کو بھی بہت کثرت سے فروغ حاصل ہے۔

سلسلہ قادریہ:

"یہ درویشوں کا ایک سلسلہ ہے جو عبد القادر جیلانی (المتوفی ۵۶۱ھ) کے نام سے منسوب ہے۔ عبد القادر جیلانی حنبلی مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ بغداد میں ایک رباط (خانقاہ) اور مدرسہ کے ناظم تھے اور ان دونوں مقامات پر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ بعد میں آپ کے وعظوں کا مجموعہ الفتح الربانی کے نام سے شائع ہوا۔ ۱۲۵۸ء میں بغداد کی تباہی کے بعد رباط اور مدرسہ بھی ختم ہو گئے۔ شیخ کے بعد ان کے بیٹے عبد الوہاب (المتوفی ۵۹۳ھ) اور عبد الرزاق (المتوفی ۶۰۳ھ) ان کے جانشین ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد اس گروہ نے بہت ترقی کی اور پیری مریدی کا سلسلہ مستقل طور پر پھیل گیا۔ پیر اپنے جس مرید کو کامل سمجھتا تھا اس کو خرقہ دے کر دوسرے مقامات یا ممالک میں مذہب کی اشاعت کے لیے روانہ کر دیتا تھا۔ شیخ کی زندگی ہی میں مختلف مریدوں نے مختلف ممالک میں شیخ کی تعلیمات کی تلقین شروع کر دی۔ پاک وہند میں بھی طریقت کے دوسرے سلسلوں سے سلسلہ قادریہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔"[۳]

برصغیر پاک وہند میں سلسلہ قادریہ کے بانی حضرت مخدوم عبد الرشید حقانی بنے اور آپ کے ذریعے سلسلہ قادریہ کو بہت وسعت ملی۔ آپ نے برِّصغیر میں قادریہ سلسلے کی بنیادیں مضبوط فرمائیں۔ برصغیر پاک وہند میں کئی معروف علماء اور صوفی بزرگ اس سلسلہ سے متعلق رہے ہیں۔ سلاسلِ تصوف میں سلسلہ قادریہ سب سے قدیم اور سب سے زیادہ مشہور و مستند سلسلہ روحانیت مانا جاتا ہے اور اس سلسلے میں پیروکار پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش، ترکی، بلقان کے علاوہ افریقا میں بھی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ شیخ

---

(۱) سلسلہ شاذلیہ تصوف کا ایک سلسلہ ہے جو ساتویں صدی عیسویں کے ایک بزرگ ابو الحسن علی شاذلی بن عبد اللہ شریف کی طرف منسوب ہے۔ یہ نسب کے اعتبار سے بنی حسن میں سے ہیں۔ (اعلام التصوف الاسلامی، احمد ابو کف، ص:۳۴-۵۴)

(۲) سلسلہ رفاعیہ ممتاز صوفی بزرگ ابو العباس احمد رفاعی کی جانب منسوب ہے۔ آپ ۵۱۲ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تعلم کے بعد سلسلہ رفاعیہ کو فروغ دیا۔ آپ کے ماننے والے ترکی، شام اور دیگر بلاد اسلامیہ میں کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ (مناقب الاقطاب الاربعہ، شیخ یونس بن ابراہیم السامرائی)

(۳) فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی، مدینہ پبلشنگ، کراچی، ۲۰۰۲ء، ص:۷

عبد القادر جیلانیؒ ائمہ اسلام میں سے ہیں جو اپنے دور کے مسلم علما و فضلاء کے سر دار تھے اور اسی طرح ان کی بہت سی دینی خدمات ہیں۔ شیخ عبد القادر جیلانیؒ اپنے دور میں سب سے زیادہ شریعت اسلامیہ کا التزام کرنے والوں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والوں میں شامل ہوتے ہیں۔ وہ شریعت اسلامیہ کو ہر چیز پر مقدم رکھتے اور زہد و علم میں ید طولی رکھتے تھے اور عظیم واعظ اور خطیب تھے۔ ان کی مجلس میں بہت سے لوگ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ذکر کرنے میں ایک جمال عطا کیا تھا اور لوگوں کے درمیان ان کا فضل پھیلایا۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت برسائے۔

شیخ عبد القادر جیلانیؒ متبع دین تھے نہ کہ مبتدع۔ وہ دین میں بدعات کی ایجاد کے مخالف تھے اور وہ سلف صالحین کے منہج اور طریقے پر چلتے اور اپنی تصانیف میں سلف کی اتباع کرنے پر ابھارتے اور ان کی اتباع کا حکم دیتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ دین میں بدعات کی ایجاد سے منع کرتے تھے۔ شیخ عبد القادر جیلانیؒ اہل حق کی موافقت کرتے، ان کا عقیدہ اور مسائل توحید اور ایمان اور نبوت اور یوم آخرت کے بارہ میں مکمل منہج، اہل حق کا منہج تھا۔

خاصیت سلسلہ قادریہ:

"یوں تو تصوف کے دیگر سلاسل میں سے ہر سلسلے کی الگ ہی شناخت اور مسائل سلوک کا مختلف انداز سے روا ہونا ہے لیکن قادریہ سلسلہ میں شیخ نے تصوف کی بدعات کو رد کیا اور اس کو سنت پر استوار کر کے اصل حالت میں لانے کی کامل کوشش کی ہے۔ شیخ عبد القادر جیلانی سے پہلے دین کے داعیوں اور مخلص خادموں نے اس کام کی طرح ڈالی ہے لیکن حضرت شیخ نے اپنی دلآویز شخصیت، خداداد روحانی کمالات، فطری استعداد اور ملکہ اجتہاد سے اس طریقہ کو نئی زندگی بخشی، وہ نہ صرف اس سلسلہ کے ایک نامور امام، اور ایک مشہور سلسلہ (قادریہ) کے بانی ہیں بلکہ اس فن کی نئی تدوین و ترتیب کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ آپ کی زندگی میں لاکھوں انسان اس طریقہ سے مستفید ہو کر ایمان کی حلاوت سے آشنا اور اسلامی زندگی اور اخلاق سے آراستہ ہوئے اور آپ کے بعد آپ کے مخلص خلفاء نے تمام ممالک اسلامیہ میں دعوت الی اللہ اور تجدید ایمان کا یہ سلسلہ جاری رکھا جن سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ یمن، حضر موت اور ہندوستان میں پھر حضرمی مشائخ و تجار کے ذریعہ جاوا اور سماٹرا[1] میں اور دوسری طرف افریقہ کے براعظم میں لاکھوں آدمیوں کی

---

(۱) انڈونیشیا کے دو جزائر کے نام ہیں۔ جاوا انڈونیشیائی جزائر کے شمال میں واقع ہے اور مغرب میں سماٹرا واقع ہے۔ (جاوا ur.wikipedia.org)

تکمیل ایمان اور لاکھوں غیر مسلموں کے قبول اسلام کا ذریعہ بنا۔ ایسے ہی بہت سی بدعات جو اہل تصوف کے ہاں رائج ہونا شروع ہوگئی تھیں شیخ نے ان کو دلائل سے رد کر کے حقیقی تصوف کو واضح کیا۔"(۱)

نرمی ورواداری:

تصوف کے دیگر دوسرے سلسلوں میں ان کے عملی اسباق و دروس اور مشقوں میں بسا اوقات بہت ہی افراط و تفریط پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے سالک یا طالب بسا اوقات اسی پر باقی سلسلوں کو قیاس کر کے ان سلاسل کو مشقت والا عمل گردانتا ہے کیونکہ ان میں سے بعض میں مراقبہ، ذکر، وظائف کی بے حد پابندی ہے جبکہ قادریہ سلسلہ میں بہت زیادہ رواداری پائی جاتی ہے۔ اس کے اصول و قواعد شدت سے خالی ہیں۔ اس کے برعکس اکثر سلسلے ایسے ہیں کہ ان کے پیروؤں کے خیال میں نجات و فلاح کا دروازہ صرف اس شخص پر کھلا ہے جو اس سلسلے میں سبقت رکھتا ہے۔ یہ سختی قادریہ سلسلے میں نہیں۔ اگرچہ اس سلسلہ کے بانی حنبلی تھے لیکن اس کا دائرہ حنبلیوں تک محدود نہیں۔ بلکہ ایک کثیر تعداد ایسی ہے جو حنبلی نہیں لیکن اب ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جو مقلد تو امام ابو حنیفہ کے ہیں لیکن وہ قادریہ سلسلہ سے وابستہ ہیں اور عالم اطراف واکناف میں موجود ہیں۔

تزکیہ کی ترتیب:

"چونکہ شیخ عبد القادر جیلانیؒ خود فنا فی التوحید تھے، اس لئے ان کے اس سلسلے میں بھی یہ چیز بے حد واضح نظر آتی ہے۔ ان کے انداز تزکیہ اور مواعظ میں دو چیزیں لازم تھیں کہ اللہ کا قرب اولین چیز ہے اور اس کی اطاعت مقصود اصلی ہے۔ آپ کے پر تاثیر اور انقلاب آفرین مواعظ سے اہل بغداد کو عظیم الشان روحانی اور اخلاقی نفع پہنچا۔ ہزاروں انسانوں کی زندگی کے دھارے بدل گئے۔ آپ نے ان میں نئی دینی زندگی، نیا نظم وضبط اور نئی حرکت و حرارت پیدا کر دی۔ پھر اپنے تجربے واجتہاد اور کتاب وسنت کے اصول وتعلیمات کے مطابق ان میں صحیح روحانیت و تقویٰ اور ان کی زندگی میں ایمان و احتساب اور ان کے اعمال وعبادات میں روح پیدا کرنے کی کوشش کی۔ یہی حقیقت ہے اس تربیت و بیعت کی جس سے دین کے مخلص داعیوں نے اپنے اپنے وقت میں احیاء و تجدید دین کا کام لیا اور لاکھوں بندگان خدا کو حقیقت ایمان اور درجہ احسان تک پہنچا دیا۔ اور صرف یہ تجدیدی کام تزکیہ وبیان مواعظ تک محدود نہ رہا بلکہ تصانیف کے ذریعے بھی بہت سے پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔

---

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت، ۴/۴۲۱

سلسلہ قادریہ کو ام السلاسل بھی کہا جاتا ہے۔ اس خانوادہ میں تقوی و طہارت کے علاوہ شریعت کی سختی سے پابندی ہے اور باطن کی آراستگی کے لیئے ظاہر پہ بھی گہری نظر ہے. خود سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے نہ صرف اس کی تعلیم دی بلکہ عملی طور پہ اس روش پر سختی سے کاربند رہے کہ شریعت کے عمل سے ایک ذرہ برابر کوئی تضاد ہوا تو طریقت سے اس عمل کو دور رکھا, یہی وجہ ہے کہ سلسلہ قادریہ کی روش بہت زیادہ محتاط ہے. اس سلسلہ میں شریعت کی پابندی پہ بطور خاص توجہ دی گئی ہے اس سلسلہ کی ترتیب تربیت میں دنیا سے کنارہ کشی, ریاضت و مجاہدہ اور تسلیم و رضا کی منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔"[1]

تصانیف:

شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی مشہور تصانیف درجہ ذیل ہیں:

۱. غنیۃ الطالبین (فقہ حنبلی کی مشہور کتاب)
۲. فتوح الغیوب (تصور کے موضوع پر)
۳. الفتح الربانی (حضرت کے خطبات)
۴. بشائر الخیرات
۵. الفیوضات الربانیہ
۶. المواہب الربانیہ
۷. الیواقیت والحکم

سلسلہ چشتیہ:

"برصغیر وہ خطہ ہے جو مرکزِ اسلام سے دور ہونے کے باوجود پہلی ہجری ہی میں آفتابِ ہدایت کے کرنوں سے منور ہوا۔ یہاں کے پیچیدہ تہہ در تہہ خود ساختہ مذہبی تصورات نے یہاں کے باسیوں کو مختلف نسلی واعتقادی طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا، جب اسلامی خلافت جزیرہ عرب کی سرحدیں عبور کر کے افریقہ، یورپ اور ایشیا کے برِّاعظموں تک پھیل رہی تھی، تو وہیں ہندوستان میں بھی اس عالم گیر اسلامی تحرک کے اثرات پہنچ رہے

---

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت، ۴/۴۲۱

تھے مسلمان تاجر اور مبلغین ۷ رویں صدی عیسوی میں اپنے بہترین اخلاق و کردار کے ذریعہ برصغیر کے مغربی ساحلوں پر زمین حاصل کر کے یہاں کے متمول تجارت پیشہ خصوصا راجاؤں کو اسلام کی طرف راغب کر لیا تھا۔ ہندوستان میں اسلام کو متعارف کرانے والوں کو تین طبقات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ا۔ تجارت پیشہ طبقہ ۲۔ وہ سلاطین وامراء جنہوں نے فوجی مہمات کے ذریعہ باقاعدہ حکومتیں قائم کیں مگر ان دو طریقوں کی بنسبت موثر طریقہ ۳۔ صوفیا کی دعوت وتبلغ کا طریقہ ،جو ان ان فاتحین کے ہمراہ آکر اپنے کردار اور اخلاق کے ساتھ دلوں کی تسخیر اور اخلاقی وایمانی فتح کا کام انجام دیا اور شرق سے غرب تک نورِ اسلام کے چراغ روشن کیے۔"(۱)

اس سلسلہ نے بارہویں صدی عیسوی میں ایک نیا موڑ اختیار کیا، جس کے اوائل میں تہذیب وتمدن کے لیے مشہور عالمِ اسلام کے بڑے بڑے شہر تاتاریوں کے ہاتھ برباد ہو کر رہ گئے ،ہندوستان ایک ایسا ملک تھا جو اس شورش سے محفوظ تھا یہی وجہ تھی کہ سکون سے محروم شریف ترین خاندانوں نے ہندوستان کو مسکن بنایا، جو ہندوستان کے لیے خوش کُن بات تھی کہ ہند اسلامی فکر اور روحانی قوت کا نیا مرکز بننے جارہا ہے، اسی سیلِ رواں میں صوفیا برصغیر میں تشریف لائے ،ان میں نمایاں اور شہرہ آفاق نام "خواجہ معین الدین چشتی" کا ہے۔ تصوف کے مشہور سلاسل میں سے جس سلسلہ سے آپ منسلک تھے وہ "چشتیہ" ہے۔ سلسلہ چشتیہ: جس کا انتساب کسی بزرگ ذات سے نہیں بلکہ یہ خراسان کے ایک مشہور شہر "چشت" سے منسوب ہے، جہاں صوفیا نے اصلاح وتزکیہ کا مرکز قائم کیا تھا، جس کو اس قدر شہرت ملی کہ یہ سلسلہ اس شہر کی نسبت سے "چشتیہ" کہلانے لگا، جن کے ذریعہ باقاعدہ یہ سلسلہ شروع ہو، وہ ابو اسحاق شامی ہیں، جنہوں نے خواجہ شمشاد علی دینوری سے کسبِ فیض کے بعد چشت پہنچ کر امدادِ حق اور ارشادِ حق کا ایسا مستحکم نظام قائم کیا کہ آج تک سلسلہ چشتیہ ضوفشانی کر رہا ہے۔ خلیق احمد نظامی تحریر فرماتے ہیں:

"چشتیہ سلسلہ کی داغ بیل تو ابو شیخ اسحاق شامی نے ڈالی تھی لیکن اس کو پروان چڑھانے اور پھیلانے کا کام خواجہ معین الدین سنجری نے انجام دیا۔" (۲)

ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کی آمد:

فتح ہند سے بہت پہلے مشہور روحانی سلاسل کا وجود ہو چکا تھا اور وقتاً فوقتاً ہندوستان اس سے فیض یاب ہو رہا تھا لیکن ہند کی روحانی

---

(۱) تصوف تاریخ وارتقاء، محمد ناصر علوی، دارالاشاعت، کراچی، ص:۲۱۳

(۲) تاریخ مشائخ چشت، ص:۱۵۵

فتح کے لیے اللہ نے سلسلہ چشتیہ کا انتخاب فرمایا، سب سے پہلے جس چشتی شیخ نے ہندوستان کا رخ کیا وہ خواجہ ابو محمد چشتی تھے[۱] جن کی دعائیں اور بابرکت ذات محمود غزنوی کے فتوحات کی پشت پناہی کر رہی تھی۔ مولنا علی میاں ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

"جس طرح محمود کی سیاسی فتح کی تکمیل اور اسلامی سلطنت کے استحکام واستقلال کی سعادت سلطان شہاب الدین غوری کے لیے مقدر تھی خواجہ ابو محمد چشتی کے کام کی تکمیل اور اسلام کی عمومی اشاعت اور اسلامی مرکز رشد وہدایت کا قیام اسی سلسلہ کے ایک شیخ، شیخ الشیوخ خواجہ معین الدین سنجری کے لیے مقدر ہو چکا تھا۔"[۲]

خواجہ معین الدین چشتیؒ:

ایران کے علاقہ سیتان کے قصبہ سنجر میں ۵۳۷ھ کو اس عالمِ رنگ وبو میں تشریف لائے، علوم مروجہ کے حصول کے بعد روحانی فیض کے لیے متعدد صوفیاء سے ملے، لیکن آپ کا سلسلۂ بیعت وخلافت خواجہ عثمان ہارونی سے ہے، آپ اپنے مولدِ وطن کو چھوڑ مختلف مقامات کی سیر کرتے ہوئے ہندوستان پہنچے، ابتداء لاہور میں علی ہجویری کے مزار پر چلہ کشی کی، پھر دہلی میں فروکش ہوئے، اس کے بعد اجمیر میں بود وباش اختیار کی، یہ وہ زمانہ ہے جب دہلی میں راجپوتوں کی دوسری شاخ چوہانیوں کی حکمرانی تھی، چوہانیوں کے چھٹے حکمراں "پرتھوی راج چوہان نے" پایہ تخت دہلی سے اجمیر منتقل کیا تھا، اجمیر راجپوت طاقت اور ہندو مذہب اور روحانیت کا بڑا مرکز تھا، اس مذہبی مرکز میں آپ کا قیام آپ کے عزائم کی ترجمانی کرتا ہے، یہاں پہلے دن ہی سے اپنی موثر تبلیغ اور حسن اخلاق سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، اہلِ اجمیر آپ کی عظمتوں اور کرامات سے متاثر ہو کر جوق در جوق مسلمان ہو گئے، دیکھتے ہی دیکھتے جو اجمیر بت پرستی کا مرکز تھا، اب ایمان واسلام کا گہوارہ بن گیا۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

"خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مخلص اور پرزور ہاتھوں سے یہاں چشتی سلسلہ کی مضبوط بنیاد پڑی، اس کے بعد خاص وعام سبھی نے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کیا۔"[۳]

---

(۱) خواجہ ابو محمد چشتی معروف صوفی بزرگ گزرے ہیں۔ آپ معین الدین چشتی اجمیری کے شیخ طریقت ہیں۔ آپ کا لقب ناصح الدین تھا۔ آپ کی وفات ۴۲۱ھ میں ہوئی۔ (تاریخ مشائخ چشت، خلیق احمد نظامی، مشتاق بک کارنر، لاہور، طبع دوم، ۲۰۰۰ء، ص:۱۴۳)

(۲) تاریخ دعوت وعزیمت، ص:۲۳۱

(۳). تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک، مکتبہ ابو عبد اللہ، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص:۴۹۹

سلسلہ چشتیہ کے خصائص:

سلسلہ چشتیہ تصوف کے دیگر سلسلوں میں اپنی ایک انفرادی حیثیت رکھتا ہے۔اس سلسلے میں انسانی دل اوراس سے متعلقہ روحانی کیفیات یا بیماریاں تربیت کے ذریعے ٹھیک کی جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ اس سلسہ میں ظاہر سے زیادہ باطن پہ زور دیا گیا ہے اور پابندیِ شریعت قدم قدم پر لازم رکھی گئی ہے. باطن پر زور دینے کی حکمت یہ ہے کہ ظاہراً انسان یا سالک کسی حد تک کچھ نہ کچھ اعمال کا پابند ہوتا ہی ہے لیکن اس کے باطن میں نیت سے لے کر اخلاص تک اعمال کی کیا کیفیت ہے یہ پس پردہ ہے جب تک اس کیفیت کا ادراک اور اس کا علاج نہ ہو جائے تب تک نیک عمل کا صحیح ادراک اور لطف حاصل نہیں ہو سکتا۔

چشتیہ سلسلہ کی بنیادی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ سلسلہ چشتیہ کی اساس عشقِ الٰہی پر ہے۔ طاعت، عبادت، ریاضت اور مجاہدہ کا اصل مقصود سوزِ عشق کا فروغ ہے۔

۲۔ نفس کی مخالفت اس سلسلے میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ چشتی مشائخ کے نزدیک **النفس الصنم الأکبر** نفس سب سے بڑا بت ہے جس کی شکست وریخت راہِ سلوک کی پہلی منزل ہے۔ نفس کو زیر کرنے اور اس کی تادیب کے لئیے مجاہدات پہ زور دیا جاتا ہے۔ ریاضت و مجاہدہ کا مقصود تصفیہ باطن اور تزکیہ اخلاق ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

> ہمارے خاندان چشت میں دو باتیں ہیں ایک تو مخالفتِ ہویٰ و نفس اور دوسرے ایصالِ منفعت للغیر۔(دوسروں کو فائدہ پہنچانا)

۳۔ اخلاقی اقدار اور صفاتِ محمودہ کے فروغ پر خاص زور دیا جاتا ہے۔

اخلاقی تادیب و تربیت کے دو پہلو ہیں جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، ایک تخلیہ ہے اور دوسرا تحلیہ۔ تخلیہ یہ ہے کہ طبعی اور رذیل اخلاق جیسے کینہ، تکبر، غصہ، غیبت اور بدگوئی وغیرہ سے نفس کو پاک کیا جائے۔

اخلاق محمودہ جیسے سخاوت، عفو درگزر، صبر و تحمل، ایثار، توکل و قناعت کی آبیاری کا نام تحلیہ ہے۔ چشتی مشائخ نہ کسی کو حقیر سمجھتے ہیں نہ کسی کو ضرر پہنچاتے ہیں۔ وہ جاہ و ترفع پر تواضع و انکساری کو ترجیح دیتے ہیں۔ خلقِ خدا کے ساتھ ان کا سلوک حد درجہ محبت، شفقت اور درگزر کا ہوتا ہے۔ مخلوقِ خدا کی اذیتوں اور سختیوں پر ضبط و تحمل سے کام لیتے ہیں اور اسے روحانی ترقی کا ذریعہ گردانتے ہیں، فقر کو غناء پر ترجیح دیتے ہیں۔

۴۔ اس سلسلہ میں علومِ ظاہری، باطنی کی بڑی جامعیت اور شریعت میں توازن و تلازم پایا جاتا ہے، وہ علومِ ظاہری کی تکمیل کو ضروری سمجھتے ہیں۔ قرآن کریم کا حفظ اور اس سے حد درجہ شغف چشتی صوفیاء کا امتیازی نشان ہے۔ چشتی صوفیاء افراط و تفریط کے

مغالطوں میں پڑنے سے بچتے ہیں اور زہد و ترکِ دنیا کے باب میں غلو نہیں کرتے، شریعت کی پاسداری کا پورا پورا لحاظ کرتے ہیں۔

۵۔ دیگر صوفیا کے سلاسل کی طرح اس سلسلے میں ایک شب و روز کا مجاہدہ ہے معین الدین چشتیؒ فرماتے ہیں ہمارے سلسلہ میں ایک شب و روز کا مجاہدہ ہے اور زیادہ ذوقِ مشاہدہ ہے۔[1]

سلسلہ سہروردیہ:

سہروردیہ مشہور روحانی سلاسل میں سے ہے اس سلسلہ کے پیروکار سہروردی کہلاتے ہیں، جو زیادہ تر ایران، پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش میں ہیں۔ اس سلسلہ کے بانی شہاب الدین سہروردی تھے۔ چشتیہ سلسلے کے بعد ہندوستان میں سہروردیہ سلسلہ آیا۔ اس سلسلے کی بنیاد شیخ ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی (المتوفی ۵۶۷ھ / ۱۱۱۸ء) نے بغداد میں رکھی تھی۔ وہ اِمام ابو حامد الغزالی (۵۴۰ھ) کے بھائی احمد غزالی کے مرید تھے اور بغداد کے جامعہ نظامیہ میں شافعی فقہ پڑھاتے تھے۔ ان کی باقیّاتِ میں صرف ایک کتاب آداب المریدین پائی جاتی ہے۔ لیکن شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر ابو حفص سہروردی کو سلسلہ سہروردیہ کے مؤسسِ ثانی کی حیثیت حاصل ہے۔ ابن خلکان کے مطابق ۱۶ واسطوں سے آپ کا نسب خلیفۃ الرسول سیدنا ابو بکر صدیق سے مل جاتا ہے۔ آپ ۵۳۵ھ میں زنجان کے ایک قصبہ سہرورد میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت آپ کے عم محترم اور مرشد شیخ ابو النجیب سہروردی کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ شہاب الدین سہروردی عبد القادر جیلانی سے بیعت نہیں تھے۔ بغداد میں عبد القادِر جیلانی کے وِصال کے بعد شیخ ابو النجیب سہروردی نے ایک سال تک اور اُن کے بعد برسوں تک شہاب الدین سہروردی نے بغداد کی روحانی سیادت کا نظام نہایت خوش اسلوبی سے نبھایا۔ آپ کی ذاتِ گرامی سے لاکھوں بندگانِ خدا کو فیض پہنچا۔ آپ کی علمی لیاقت اور رِیاضت کا شہرہ نہ صرف عراق میں بلکہ مصر و شام و حجاز اور ایران میں دور دور تک پہنچ چکا تھا۔ ہندوستان اور پاکستان میں بھی آپ کی بزرگی کا غلغلہ بلند تھا۔ دُنیا بھر کے مشائخ عِظام کے لیے آپ کی ذات گرامی ملجاء بنی ہوئی تھی۔ آپ کے خلفاء اور مریدین ہمہ وقت آپ کی بارگاہ میں حاضر رہتے تھے۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

---

(۱) تاریخ مشائخ چشت، مولانا زکریا کاندھلوی، مکتبہ شیخ الھند، کراچی، طبع دوم، ۲۰۰۱ء، ص:۴۵

خلفاء و مریدین:

"آپ کے خلیفہ شیخ نجیب الدین علی بخش[۱] ہیں جن کے ذریعے عجم یعنی ایران میں سہر وردی سلسلہ کی بہت زیادہ اِشاعت ہوئی۔ شیخ نور الدین مبارک غزنوی[۲] جن کی مساعی اور کاوِشوں کی وجہ سے شمالی ہندوستان میں سہر وردیہ سلسلے کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ اُس زمانے میں شیخ الاِسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانی مرشدِ کامل کی تلاش میں ہندوستان سے نکل کر اِسلامی دُنیا میں ملکوں ملکوں پھرتے ہوئے بغداد شریف میں شیخ شہاب الدین کی مجلس میں جا پہنچے اور اپنا گوہرِ مراد پالیا۔ مرشدِ کامل نے بھی کمال مرحمت فرماتے ہوئے صرف تین ہفتوں کی ریاضت کے بعد آپ کو خلافت عطا فرمادی۔ اور ملتان کی طرف مراجعت فرماہونے کا حکم دیا تاکہ برِّصغیر میں سہر وردی سلسلے کی بنیادیں مضبوط فرمائیں۔ صحیح معنوں میں ہندوستان میں سہر وردیہ سلسلے کی ترویج و اشاعت مین شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی زبردست جدوجہد کا بڑا کامیاب کردار رہا ہے۔ آپ نے ملتان، اُچ شریف اور دوسرے مقامات پر سہر وردیہ سلسلے کی مشہور خانقاہیں قائم کیں۔ شب و روز کی انتھک محنت سے ہندوستان میں سہر وردیہ سلسلے کی جڑیں مضبوط کیں۔ ان کے مشہور خلفاء میں شیخ اِسمٰعیل قریشی، شیخ حسین، شیخ نتھو، شیخ فخر الدین ابراہیم عراقی، سید جلال الدین سرخ بخاری اور شیخ صدرالدین عارف ہیں۔ شیخ صدرالدین عارف کے خلیفہ شیخ رُکن الدین ابوالفتح ملتانی ہیں جنہوں نے سلسلے کی تنظیم کے لیے بہت کوششیں کی ہیں۔

---

(۱) شیخ نجیب الدین علی میر بخش شیرازی، ایران کے معروف صوفی بزرگ ہیں اور سلسلہ سہر وردیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ شیخ شہاب الدین سہر وردی کے اجل خلفاء میں شامل ہیں۔ شیراز، ایران، شام میں سہر وردی سلسلہ کا پھیلاؤ آپ کی مرہون منت ہے۔ (تاریخ سہر وردیہ، ڈاکٹر محمد سعید، گیلانی پرنٹرز، کراچی، طبع اول، ۲۰۰۴ء، ص:۱۱۵)

(۲) شیخ نور الدین مبارک غزنوی، متوفی ۶۳۲ سلسلہ سہر وردیہ کے عظیم بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے مواعظ عامہ کے ذریعے لوگوں کی اصلاح کی اور ہندوستان، براچک، حجاز میں اس سلسلے کے پھیلانے میں کردار ادا کیا۔ (عوارف المعارف، شیخ شہاب الدین سہر وردی، مترجم: شمس بریلوی، مدینہ پبلشنگ، کراچی، ۱۹۸۹ء، ص:۱۰۷)

سید جلال الدین سرخ بخاری[۱] کے خاندان میں پیدا ہونے والی زبردست شخصیتوں میں سید احمد کبیر اور ان کے دونوں باکمال فرزندوں سید صدرالدین راجو قتال اور سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا شمار ہوتا ہے۔ بنگال میں سہروردی سلسلہ شیخ جلال الدین تبریزی[۲] کے ذریعے پہنچا۔ آپ کی اور آپ کے خلیفہ شیخ علی بدایونی کی محنت کی وجہ سے بنگال میں سہروردی سلسلے کی کافی ترویج و اِشاعت ہوئی۔ گجرات میں سہروردی سلسلے کی اِشاعت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے مریدین اور خلفاء نے کی۔ اس کے علاوہ آپ کے اہلِ خانہ اور خاندان کے افراد نے بھی احمد آباد اور گجرات کے دیگر علاقوں میں اپنی علمی اور عملی لیاقتوں کے بل پر اس سلسلے کی تنظیم کی اور اپنے مریدین اور دیگر عوام تک اِس سلسلے کی فیض رسانی کی ہے۔ سید صدرالدین راجو قتال نے بذات خود سید برہان الدین قطبِ عالم کو گجرات کی وِلایت سونپی اور انہیں تبلیغِ دین کے واسطے گجرات بھیجا۔ احمد شاہ بادشاہ نے یہاں آپ کا شاندار اِستقبال کیا اور آپ کو یہاں سکونت اختیار کرنے کی خاطر بٹوا میں جاگیر عطا کی۔ یہاں پر قطبِ عالم نے ایک بڑی خانقاہ کی بنیاد ڈالی اور لوگوں کے لیے اپنے اور اپنے سلسلے کے فیض کے دروازے کھول دِیئے۔ آپ کے بعد آپ کے لائق فرزند شاہِ عالم نے رسول آباد میں رہ کر اس کام کو آگے بڑھایا۔ ہر دو حضرات نے اپنی علمی قابلیت کے ذریعے اعلیٰ تصانیف اور اپنی عملی ریاضتوں اور مکاشفتوں کے ذریعہ عوام کو دینِ اِسلام کا گرویدہ بنایا۔ اپنی نگاہِ پُر تاثیر کے ذریعے عوام کو خواص میں تبدیل کر دیا۔ لوگوں کو سلوک کی راہ میں اعلیٰ مرتبوں تک پہنچا دیا۔ اُن کے بعد شاہ بُڈھا صاحب اور پیارن صاحب نے اپنے اَسلاف کی روشنی پر چلتے ہوئے سلسلے کی خدمات انجام دیں۔ قاضی نجم الدین، عبد اللطیف دارُ الملک، قاضی محمود وغیرہ نے بھی سہروردیہ سلسلہ کی تنظیم اور اس کی ترویج و اِشاعت میں کافی جدوجہد کی۔ اپنے اثر اور فیض رسانی کے

---

(۱) سید جلال الدین بخاری، سلسلہ سہروردیہ کے مشہور صوفی بزرگ ہیں۔ آپ کی ولادت ۵۹۵ اور وفات ۶۹۰ھ میں ہوئی۔ آپ اُچ شریف میں مدفون ہیں۔ آپ نے دو شادیاں کی تھیں۔ دوسری اہلیہ سے ایک بیٹا سید احمد کبیر پیدا ہوئے جو مخدوم صدرالدین اور جہانیاں جہان گشت کے والد تھے۔ (سیر العارفین، فضل اللہ جمالی، مترجم: ایوب قادری، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص:۱۴۸)

(۲) شیخ جلال الدین تبریزی، معروف صوفی بزرگ ہیں۔ آپ شیخ ابو سعید تبریزی کے مرید تھے۔ ان کی وفات کے بعد شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت ہوئے۔ آپ کی ولادت ۵۳۲ھ میں ہوئی اور وفات ۶۴۲ھ میں ہوئی۔ (اخبار الاخیار، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، اکبر بک سیلرز، لاہور، طبع سوم، ۲۰۰۲ء، ص:۲۲۰)

معاملہ میں سہر وردیہ سلسلہ پنجاب اور سندھ تک ہی محدود رہا۔ ہندوستان کے دیگر علاقوں میں اِس نے عام رواج نہ پایا۔ لیکن شہرت کے اعتبار سے شیخ بہاء اُلدین زکریاملتانی، شیخ رُکن الدین ملتانی اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت جیسے جید علما اور اولیاء کی لِیاقت اور رِیاضت کا نور اُن کے علاقوں تک محدود نہ رہا بلکہ اُن کی روحانی شہرت ہندوستان کی حدود کو پار کر کے اِسلامی ممالک میں بھی پھیل گئی۔"(۱)

تزکیہ وتربیت کے اصول:

سہر وردی سلسلہ کا انداز تربیت وتزکیہ قرآنی اصول اتباع ومحبت سے ماخوذ ہے یعنی باری تعالیٰ کے اس ارشاد سے جس میں اتباع ومحبت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یکجا جمع کر دیا ہے اور ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (۲)

(کہہ دو اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو تاکہ تم سے اللہ محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔)

اس سلسلہ طریقت میں اتباعِ اور محبت الٰہی کی تعلیم دی گئی ہے بلکہ پیرویِ رسول اللہ ﷺ عین محبتِ الٰہی ہے۔ شیخ شہاب الدین سہر وردیؒ لکھتے ہیں:

"پس جو جتنا متبعِ رسول ﷺ ہے، اسی قدر محبتِ الٰہی کا حصہ دار ہے اور صوفیاء نے اسلامی گروہ میں سب سے بڑھ کر اتباعِ رسول ﷺ کی ہے۔"(۳)

اس سلسلہ تصوف میں علم و عمل دونوں پر توجہ دی جاتی ہے لیکن پیرویِ رسول ﷺ اور محبتِ رسول ﷺ پر زیادہ زور ہے۔ پیروی راہِ حق اور اتباعِ مسلک خاص اصول ہیں۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرماتے تھے کہ:

"میرا فرزند وہی ہے جو میرے طریقے پر چلے اور میری راہِ ہدایت اختیار کرے۔"(۴)

---

(۱) تصوف ایک تعارف، اعجاز احمد اعظمی، مکتبہ ضیاالخیر، یوپی، ۲۰۰۸ء، ص:۹۳

(۲) سورۃ آل عمران:۳/۳۱

(۳) مراۃ الاسرار، عبدالرحمٰن چشتی، ترجمہ: واحد بخش سیال، ضیاالقرآن پبلیکشنز، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص:۱۳۲

(۴) عوارف المعارف، شیخ شہاب الدین سہر وردی، پروگریسو بک، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص:۲۳۳

تصنیفات:

۱. اعلام الہدی و عقیدۃ اہل التقی جو کہ مکہ میں تالیف کی گئی تھی۔
۲. جذب القلوب الی مواصلۃ المحبوب
۳. رشف النصائح الایمانیہ و کشف الفضائح الیونانیہ
۴. دوفتوت نامہ بہ فارسی
۵. عوارف المعارف
۶. بہجۃ الاسرار

سلسلہ نقشبندیہ:

"سلسلہ نقشبندیہ یا طریقتِ نقشبندیہ روحانیت کے مشہور سلاسل میں سے ہے، اس سلسلے کے پیروکار نقشبندی کہلاتے ہیں جو پاکستان، بھارت کے علاوہ وسطِ ایشیا اور ترکی میں کثیر تعداد میں آباد ہیں۔ اس روحانی سلسلہ کے بانی شیخ بہاؤ الدین نقشبندی ہیں جو بخارا (ازبکستان) کے رہنے والے تھے۔ نقشبندیہ سلسلے کا قیام سب سے پہلے ترکستان میں ہوا۔ یہ اپنی تعلیم محبت کے باعث ان کی اجتماعیت کا اہم جزو بن گیا۔خواجہ احمد یسوی[1] (المتوفی ۱۱۶۶ھ)اس سلسلہ کے سرخیل ہیں۔جنہیں لوگ خواجہ خواجہ عطا کہتے تھے۔ان کے بعد خواجہ عبد الخالق غجدوانی[2] (المتوفی ۱۱۷۹ء)کے ذریعہ اس سلسلے کے روحانی نظام کو اِستحکام ملا۔ان کے بعد خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی (۷۹۱ھ۔۱۳۸۸ء) کی ذات بابرکات تھی جن کی وجہ سے اس سلسلے کو قبولیتِ عام اور شہرت تام ملی۔ان کی بے پناہ جدوجہد کی وجہ سے

---

(۱) خواجہ احمد یسوی، نقشبندیہ سلسلے کے مشہور بزرگ ہیں۔ آپ خواجہ احمد ترکستانی کی اولاد میں سے ہیں۔ مختلف ممالک میں سیاحت و تعلیم کی غرض سے گئے بعد ازاں کشمیر میں سکونت اختیار لی اور لوگوں کی تربیت کرتے رہے۔(خزینۃ الاصفیاء، غلام سرور لاہوری، مکتبہ نبویہ، لاہور، طبع ۲۰۰۲ء، ص:۲۲۵)

(۲) خواجہ عبد الخالق غجدوانی کا تعلق بخارا سے تھا۔ آپ نقشبندیہ سلسلہ کے عظیم بزرگوں میں سے ہیں۔ آپ کی ولادت ۵۳۵ھ اور وفات ۶۱۷ھ میں ہوئی۔(تذکرۃ مشائخ سیفیہ، محمد عرفان صدیقی، بہار اسلام پبلشرز، لاہور، طبع اول، ۲۰۰۸ء، ص:۱۱۴)

ہی آپ کے بعد اس سلسلہ کا نام سلسلۂ نقشبندیہ کے طور پر مشہور ہو گیا۔"[۱]

ہندوستان میں آمد:

"اکبر بادشاہ کے عہد میں خواجہ باقی باللہ نے نقشبندی سلسلے کو ہندوستان میں اِستحکام بخشا۔ اُن کے حلقۂ مریدین میں سے ایک بڑی ہی نام ور شخصیت شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانی ہیں۔ اس سلسلہ کی ترویج واشاعت میں آپ نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ تحریک تصوف میں مجدّد صاحب کی ایک بڑی خدمت یہ ہے کہ انہوں نے شریعت اور سنت کی اِتباع پر زور دے کر رسمی طور پر داخل ہو جانے والے غیر اِسلامی عناصر کو اسلامی فکر سے بالکل علیٰحدہ کر دیا۔ اور تحریک تصوف میں پھر سے نئی جان ڈال دی۔ اس سلسلے کے مشہور بزرگوں نے مثلاً :خواجہ محمد معصوم[۲]، خواجہ سیف الدین، شاہ ولی اللہ، مرزا مظہر جان جاناں[۳]، اور شاہ غلام علی[۴] نے سلسلے کی ترویج و اِشاعت میں بے حد کامیاب کوششیں کیں۔"[۵]

---

(۱) تصوف ایک ہمہ گیر تحریک، اسحاق قریشی، ہم خیال پبلیشرز، ۲۰۰۰ء، ص:۲۵۷

(۲) خواجہ محمد معصوم معروف صوفی بزرگ ہے اور سلسلہ نقشبندیہ کے اجل بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ شیخ احمد سرہندی کے فرزند ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۵۹۹ اور وفات ۱۶۶۸ میں ہوئی۔ آپ کی تصنیفات میں مکتوبات معصومیہ، یواقیت الحرمین معروف ہیں۔ آپ کے پانچ صاحبزادے تھے جن میں سے آپ کے جانشین وخلیفہ خواجہ سیف الدین مقرر ہوئے۔ ان کی ولادت ۱۰۴۴ میں ہوئی۔ (افکار معصومیہ، نور الحسن تنویر، مکتبہ انوار مدینہ، سیالکوٹ، طبع دوم، ص:۱۳)

(۳) مرزا مظہر جان جاناں صوفیاء کے سلسلہ نقشبندیہ کے ہندوستان میں مشہور مؤید تھے۔ آپ کی ولادت ۱۱۱۳ھ کو ہوئی اور وفات ۱۱۹۵ھ میں ہوئی۔ آپ صاحب طرز مصنف بھی تھے۔ آپ کی معروف تصانیف میں دیوان مظہر، خریطہ جواہر، مکاتیب شامل ہیں۔ (مقامات مظہری، شاہ غلام علی، اردو سائن بورڈ، لاہور، طبع اول، ۱۹۹۸ء، ص:۱۳)

(۴) شاہ غلام علی دہلوی سلسلہ نقشبندیہ کے ہندوستان میں معروف صوفی بزرگ ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۷۴۳ میں اور وفات ۱۸۲۴ میں ہوئی۔ آپ تیرہویں صدی کے مشہور بزرگوں میں سے ہیں۔ (مقامات مظہری، شاہ غلام علی، اردو سائن بورڈ، لاہور، طبع اول، ۱۹۹۸ء، ص:۷)

(۵) تحفہ نقشبندیہ، محمد بن سلیمان بغدادی، دار الاخلاص، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص:۳۶

نقشبندیہ سے پہلے اسماء:

"سلسلہ نقشبندیہ کے القاب زمانے کے اختلاف سے مختلف رہے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت شیخ طیفور ابن عیسیٰ ابو یزید بسطامی تک اس طریقے کے کو طریقہ صدیقیہ کہا جاتا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت صفتِ صدیقیت کی وجہ سے ہے۔ اگرچہ اس دور میں تصوف کی یہ اصطلاحات متداول تھیں، غیر معروف تھیں۔ بعد والوں نے یہ نام رکھے اور کسی وصف خاص کی وجہ سے نسبت کردی۔ شیخ طیفور سے لے کر خواجہ خواجگان شیخ عبد الخالق غجدوانی تک طیفوریہ کہا جاتا تھا حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی سے لے کر امام طریقت شیخ بہاؤالدین محمد اویسی بخاری تک خواجگانیہ کہا جاتا تھا اور آپ سے لے کر نقشبندیہ کہلایا۔"(۱)

طریقہ کی خصوصیات:

ذکرِ خفی:

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ بنیادی خصوصیت وہ ذکرِلطائف ہے جو طالبینِ حق کو اپنے شیخ کامل سے ملتا ہے۔انسان کے وجود میں موجود سات مقامات ہیں کہ جن کو عالم امر سے روحانی نسبت ہے۔سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہونے والے طالبین کا قلب اپنے شیخ کامل کی توجہ سے ذاکر ہوجاتا ہے۔اسم ذات کا یہ ذکر ہی طالبین میں محبت شیخ اور سنت رسول ﷺ پر دوام بخشتا ہے۔یہ وہی طریقہ ہے کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نبی کریم ﷺ کی صحبت مبارکہ کا طریقہ تھا۔

محبت شیخ:

طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی امتیازی خصوصیات میں پہلا زینہ متابعت رسول ﷺ اور دوسرا زینہ محبت شیخ ہے۔محبت شیخ کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔طریقہ نقشبندیہ کا دارومدار دو اصولوں پر ہے۔پہلا سنت رسول ؐ پر اس حد تک استقامت کرنا کہ اُسکے چھوٹے اور معمولی آداب بھی ترک نہ ہونے پائیں۔اور دوسرا شیخ طریقت کی محبت اور خلوص

---

(۱) تحفہ نقشبندیہ، محمد بن سلیمان بغدادی، دار الاخلاص، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص:۳۶

میں اس قدر راسخ اور ثابت قدم ہو کہ اُس پر کسی قسم کے اعتراض اورانگشت نمائی کا خیال بھی دل میں نہ لا سکے بلکہ اُس کی تمام حرکات و سکنات مرید کی نظر میں محبوب دکھائی دیں۔اس لیے اگر اللہ تعالیٰ کی مہر بانی اور فضل و کرم سے یہ دو اصول درست ہو گئے تو دنیا وآخرت میں سعادت اُس کا مقدر ہے۔(۱)

صحبت شیخ:

صحبت شیخ بھی محبت شیخ کے ضمن میں آتی ہے۔جس قدر صحبت شیخ زیادہ ہو گی اسی قدر محبت شیخ میں اضافہ ہو گا۔اسی لیے مشائخ نقشبندیہ نے صحبت شیخ زیادہ سے زیادہ اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔تاکہ طالب شیخ کی مجلس میں رہ کر فیض و برکت حاصل کرے۔حضرت امام ربانی محبوب سبحانی مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے کہ اس طریقہ یعنی سلسلہ نقشبندیہ میں افادہ و استفادہ کا دارومدار صحبت شیخ پر ہے۔خواجہ نقشبند(بہاؤالدین نقشبندی)قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ شیخ طریقت کی محبت پر ہے۔اور صحبت کی بہت ہی فضیلت ہے۔ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا او نشیند در حضور اولیاء اصحاب کرام رضی اللہ عنہم خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی وجہ سے ہی اولیاء امت سے افضل ہیں۔ بڑے سے بڑا ولی اللہ بھی صحابی کے درجے سے کم تر ہے۔کوئی ولی اللہ صحابی کے درجہ کو ہر گز نہیں پہنچ سکتا خواہ وہ اویسِ قرنیؒ ہی کیوں نہ ہوں۔

رابطہ شیخ:

ہروقت ہر جگہ قلب میں تصور شیخ کے ذریعے شیخ طریقت سے اپنا رابطہ قائم رکھے۔کیونکہ بعض اوقات بدنی صحبت میسر نہیں ہوتی تو تصور شیخ سے بھی رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔رابطہ شیخ وہ کیمیاء اثر نسخہ ہے کہ جس کے ذریعے فنا فی الشیخ اور فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فنا فی اللہ جیسے اعلیٰ مقامات تک رسائی ہو سکتی ہے۔اور اس سے قربِ الی اللہ کی منازل جلد اور سہل طریقے سے طے ہو جاتی ہیں۔مرشد کو وسیلہ ٔہدایت جانے اور اُس کی خیالی صورت بطریق محبت و تعظیم سامنے رکھے۔جو لوگ شیخ کے ساتھ دل نہیں لگاتے۔وہ فیض اور ترقی سے محروم رہتے ہیں۔مختلف صوفیائے کرام کے مختلف نظریات ہیں لیکن اکثر صوفیائے عظام اس بات پر مشترک و متفق ہیں کہ وحی اور الہام ہی علم کا ماخذ و منبع ہے۔صوفیائے کرام تزکیۂ نفس پر زور دیتے ہیں۔جو عبادات، مراقبہ، مجاہدہ، عشق اور ترکِ ماسوا کے

---

(۱)طریقت سلسلہ سہروردیہ،خواجہ میاں غلام سہروردی،اسلامک بک پبلیشرز،لاہور،طبع دوم،۲۰۰۲ء،ص:۳۹

واسطے سے ممکن ہے۔کیو نکہ عبادت ریاضت اور مجاہدے سے انسان کی طبیعت ضبطِ نفس کو پالیتی ہے۔اور جب سالک اس قوت پر حاوی ہو جائے تو دیگر مخالف قوتیں مسخر ہو جا تی ہیں۔جس کی وجہ سے خواہشاتِ نفسانی قا بو میں رہتی ہیں۔حضرت بہاؤالدین نقشبند فرماتے ہیں:

"جس قدر نفوس ہیں۔اسی قدر خدا سے ملنے کی راہیں ہیں۔ہر نفس اپنی حقیقت سے ملنے کا راستہ رکھتا ہے۔لیکن دینِ کبریٰ نے بالاتفاق تین راہوں کو اخذ کیا ہے۔یہ تین راستے سب راستوں سے افضل ہیں۔اور انہی راستوں پر چلنے سے لاکھوں ولی اللہ بن گئے۔اور ان کی تصدیق تواتر سے حق الیقین تک پہنچتی ہے یہ راستے بیشک سب راستوں سے افضل ہیں وہ یہ ہیں۔(۱)ذکر (۲)فکر (۳)رابطہ شیخ۔خواجہ معصومؒ کا فرمان ہے:"ذکر رابطہ کے بغیر خدا تک نہیں پہنچاتاالبتہ رابطہ بغیر ذکر کے خدا تک پہنچا دیتا ہے"۔پس رابطہ شیخ انتہائی عمدہ اور مفید چیز ہے جس کی بنا پر اصلاح کاطلب گار شخص اپنے مصلح اور شیخ کی کامل اتباع کی بدولت اذکار ووظائف میں شیخ کی اتباع کی وجہ سے شیخ کا عکس بن جاتا ہے،کہ جیسے مہر کی نقل کاغذ پر جلوہ گر ہوتی ہے۔"[۱]

اصطلاحات نقشبندیہ:

"حضرات نقشبندیہ نے اپنے طریقہ کی بنیاد گیارہ کلمات پر رکھی ہے۔ان میں سے آٹھ کلمات خواجہ خواجگان حضرت عبد الخالق غجدوانیؒ سے اور تین کلمات بانئ سلسلہ نقشبندیہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی بخاری سے مروی ہیں یہ اصطلاحات اشغال و اعمال کی طرف اشارہ کرتی ہیں آٹھ کلمات یہ ہیں۔۱۔ہو ش در دم۔۲۔نظر بر قدم۔۳۔سفر در وطن۔۴۔خلوت درانجمن۔۵۔یاد کرد۔۶۔باز گشت۔۷۔ نگہداشت۔۸۔یادداشت۔حضرت شاہ نقشبند بخاریؒ کے تین کلمات یہ ہیں :۱۔وقوف زمانی[۲] ۲۔وقوفِ قلبی[۳]

---

(۱) تحفہ نقشبندیہ،ص:۶

(۲) وقوف زمانی سے مراد تھوڑی دیر کے بعد نفس کا محاسبہ کیا جائے کہ نفس کس سمت کو جارہا ہے۔

(۳) وقوف قلبی سے مراد یہ ہے کہ سالک ہر وقت ہر لحظہ اپنے قلب کی طرف متوجہ رہے اور ہر طرف سے توجہ ہٹا کر معبود حقیقی کی جانب موڑے۔ ہر پیش آمدہ کام میں رب تعالیٰ کی پسند ناپسند کو ملحوظ رکھے۔

۳۔ وقوف عددی۔[۱]،[۲]

ہوش دردم:

یہ اصل میں پاس انفاس ہی ہے۔ یہ کہ سالک کا ہر سانس حضورو آگاہی یعنی ہر دم ہوش میں ہو۔ تاکہ کوئی سانس غفلت و معصیت میں نہ گزرے۔ اور ہر وقت سانس کی حفاظت کرے تاکہ رابطہ ٹوٹنے نہ پائے اور وابستگی قائم رہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ کہ ہوشیار وہ شخص ہے کہ جس نے اپنے نفس کو ڈرایا۔ حضرت خواجہ نقشبند بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ کسی سانس کو ضائع نہ ہونے دیں۔ یعنی سانس کے دخول و خروج اور خروج و دخول کے درمیان محافظت درکار ہے۔ کہ کوئی غفلت میں نہ گزرے۔ اگر غفلت محسوس کرے تو استغفار کرے۔ اور آئندہ غفلت ترک کرنے کا ارادہ کرے۔ کیونکہ اسی غفلت کے سبب انسان معاصی کا مرتکب ہوتا ہے۔ ہوش دردم تفرقہ اندرونی کے لیے ہے۔[۳]

نظر بر قدم:

یعنی اپنی نگاہ اپنے پاؤں کی طرف رکھنا۔ کیونکہ نیچی نظر رکھنا سنت رسول ﷺ ہے۔ تاکہ نظر کی محافظت ہو سکے۔ اور کوئی بصری آلائش یا نقش و نگار پردہ و درحسن و جمال خوبرویاں دل کو پراگندہ نہ کر سکیں۔ اس لیے سالک کو راہ چلتے ادھر اُدھر نہ دیکھنا چاہیے۔ کیونکہ نظر کی آلودگی ایک ایسا زہر آلودہ تیر ہے۔ جس سے شکار اور شکاری دونوں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اور یہ ہلاکت نقص ایمان ہے۔ رسوائی و تباہی دارین ہے۔ رنگ برنگ اشیاء دیکھنے سے خیالات صالحہ منتشر ہو جاتے ہیں۔ اور سالک کا مطلوب سے برگشتہ ہو کر اپنی منزل سے بھٹک جانے کا اندیشہ ہے۔ دیگر اس سے مراد یہ ہے کہ سالک کا قدم باطن اس کی نظر باطن سے پیچھے نہ رہے۔ سالک اپنی برائی اور نیکی کے قدم کو دیکھے اگر برائی میں قدم دیکھے تو پیچھے ہٹائے اور نیکی کے قدم کو مزید آگے بڑھائے۔

وقت رفتن برقدم باید نظر ہست سنت حضرت خیر البشر اندریں حکمت بس است و بے شمار دیدہ خواہد طالب

---

(۱) وقوف عددی سے مراد سالک یا ذاکر اللہ تعالیٰ کا ذکر طاق عدد پر کرے اور اس عدد سے واقفیت بھی رہے۔ (تحفہ نقشبندیہ، ص:۳۶-۳۷)

(۲) اسباق سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ، سید غلام محمد شاہ، دارالارشاد چوراشریف، طبع سوم، ۲۰۰۳ء، ص:۵۸

(۳) تحفہ نقشبندیہ، ص:۴۳

حضرت شاہ ولی فرماتے ہیں کہ نظر کو نیچے رکھنا یہ مبتدی کے لیے ہے۔ منتہی پر تو واجب ہے کہ اپنے حال میں تامل کرے کہ وہ کس نبی کے قدم پر ہے۔ کہ بعض اولیاء سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کے قدم پر ہوتے ہیں اور اُن کو پوری جامعیتِ کمالات حاصل ہوتی ہے۔ اور بعض حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدم پر ہوتے ہیں۔ جب منتہی اپنے پیشوا کو پہچان لے تو چاہیے۔ کہ اُس کے اپنے حالات اور واقعات اپنے پیشوا کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوں۔ دیگر حضور ﷺ کے قدم یعنی اسوہ و سنت پر ہر دم نگاہ رکھے کہ میری زندگی حضور ﷺ کے قدم یا اسوہ سے ہٹ تو نہیں رہی۔ [1]

سفر دروطن:

”سفر در وطن کے معنی ہیں، اپنے باطن میں سفر کرنا۔ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ انسان کی اصل تخلیق ملکی ہے۔ جو اس جسد بشری سے پہلے واقع ہوئی تھی۔ جب روحی وملکی تخلیق کے بعد مادی وبشری تخلیق میں روح نے نزول کیا تو وہ روح بھی صفات ذمیمہ کا شکار ہو گئی۔ اب اصل وطن کی طرف رجوع کرنے سے مراد یہ ہے۔ کہ اپنے اندر ان صفات حسنہ کو تلاش کرے جن کی استعداد اس کے اندر رکھ دی گئی ہے۔ اور جو اس کی روح کی پہلی کائنات ہے۔ لہٰذا آدمی صفات بشریہ کو چھوڑ کر صفات ملکیہ حاصل کرے یعنی طلب جاہ ،بغض، حسد، کینہ کو دل سے نکال باہر پھینکے اور اپنے دل کو اُن سے بالکل پاک کر دے دوسرے لفظوں میں صفات ذمیمہ سے صفات حمیدہ کی طرف انتقال کرنا ہے۔ کیونکہ جب تک رذائل دل میں بھرے ہونگے تو خدا کا دل میں دخول کیونکر ممکن ہو گا۔ اگر حُبِ خلق کا غلبہ محسوس کرے تو لاالہ سے نفی محبت خلق اور الا اللہ سے اللہ کی محبت اس کی جگہ ثبت کرے۔ چنانچہ اول المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس نے اللہ سے محبت کا مزا چکھا تو اُس نے اس کو طلب دنیا سے باز رکھا۔ خواجگان نقشبندیؒ سفر ظاہری اتنا ہی کرتے ہیں کہ پیر کامل تک پہنچ سکیں۔ (یعنی شیخ کی کامل اتباع کے علاوہ دوسرے

---

(۱) تحفہ نقشبندیہ، ص:۵۳

لطائف وسلوک کی منازل کی جانب توجہ اس قدر نہیں ہوتی جتنی اتباع شیخ کی ہے) دوسری حرکت جائز نہیں رکھتے اور شیخ سے دوری ہر گز نہیں چاہتے بلکہ آگاہی کے حصول کے لیے نہایت کو شاں رہتے ہیں۔ یہ سیر آفاقی کو سیر انفسی سے طے کر تے ہیں۔ باقی سلاسل میں سلوک سیر آفاقی سے شروع ہو تا ہے۔ سیر انفسی سے ابتدا کرنا سلسلہ نقشبندیہ کا خاصہ ہے۔ اندراج نہایت درہد ایت کے یہی معنی ہیں۔"[1]

خلوت درانجمن:

خلوت در انجمن کا مطلب یہ ہے۔ کہ دل سے خدا کے ساتھ مشغول رہے۔ اور اپنے تمام مشاغل روز مرہ از قسم طعام و قیام، اکل و شرب، نشست و بر خاست، معاملات فہم وادراک و غیر ہ پر اللہ جل شانہ کے ساتھ تعلق کو قائم رکھے۔ اس کے لیے طہار ت کوئی شرط نہیں ہے بلکہ روزمرہ زندگی میں اللہ تعالیٰ سے اس قدر قربت عین اسلام ہے۔ اور یہ طلب دنیا کے ضمن میں بھی نہیں ہے۔ تمدنی و معا شرتی زندگی میں جہاں قدم قدم پر معصیت و گمراہی منہ کھولے خلق خدا کو ہڑپ کر رہی ہے۔ فقط اسی طریقہ سے اپنے آپ کو بچایا جا سکتا ہے۔ چونکہ اسلام ایک دین ہے۔ ایک نظام زندگی ہے۔ اس لیے اس میں زندگی کے ہر پہلو سے متعلق ضابطے مو جو د ہیں خلوت درانجمن ہمارے لیے سلسلہ نقشبندیہ نے وہ اصول وضع کر کے دیا ہے۔ جس پر عمل کر کے ہم تہذیب و تمدن معاشرت، ثقافت، اقتصادیا ت، معا شیا ت، معا ملات ،غر ضیکہ زندگی کے تمام گو شوں کو اسلام کے عین مطابق قائم کر کے صحیح اسلامی معا شرت قائم کر سکتے ہیں۔

ع: دل بہ یار دست بکار خلوت در انجمن

دل محبوب کی جانب اور ہاتھ سے کام میں مشغولیت ہے۔ تنہائی اور محفل میں بھی یہی حال ہے۔

سے مراد یہ بھی ہے کہ پوری کائنا ت تو موجود ہے۔ لیکن دل میں ماسوائے اللہ کسی کا خیال تک نہ ہو۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نہ تو عالموں والا لباس پہنتا ہوں اور نہ درویشوں والا تاکہ لو گ مجھے درویش اور عالم نہ سمجھیں بلکہ عام لو گوں کا لبا س پہنتا ہوں تاکہ پہچانا نہ جاوں۔ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کا بھی یہی طریقہ کار تھا۔ کہ

---

(۱) مشائخ سلاسلِ اربعہ، غلام مصطفیٰ، کراچی، ۱۹۸۹ء، ص:۲۳

عام لو گوں کی طرح رہتے تھے اور اپنی کوئی خصو صی حیثیت اور شان خود ظاہر نہ فر ما تے تھے۔یہی طریقہ خواجگان نقشبند کا بھی ہے۔حضرت خو اجہ احرار کا قول ہے کہ ذکر میں جہد و اہتما م بلیغ کے ساتھ مشغول ہو نے سے سالک کو پا نچ روز میں یہ دولت اور سعادت نصیب ہو سکتی ہے۔(۱)

تجزیہ:

تصوف نے اپنے ار تقائی سفر میں بہت سے مر احل طے کئے ہیں جن میں اس فن کے ماہرین نے ایک طویل اور صبر آزما جدوجہد کی ہے۔اور ان ماہرین فن تصوف جنہیں صوفیا کہا جاتا ہے میں سے چند ایک لوگ ایسے ہیں جنہوں نے تصوف ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا دیا اور اپنی ساری زند گی اسی کی ترتیب و ترویج میں گزار دی الغرض دیگر علوم وفنون کی طرح تصوف وطریقت کے میدان میں بھی چند لو گوں نے بے انتہا کو شش کی تو تصوف کی سلا سل یعنی مکاتب فکر تشکیل پائے جنہیں تصوف کی اصطلاح میں سلسلہ کہتے ہیں۔ ان سلا سل کی مثال فقہ کے چار طریقوں حنفی ،مالکی ،شافعی اور حنبلی یا طب کے مختلف طریقوں یعنی ایلو پیتھی، ہو میو پیتھی، آکو پنکچر اور یونانی حکمت وغیرہ سے دی جاتی ہے۔ان کے اصولوں میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے لیکن سب کا نتیجہ وہی روحانی صحت یعنی نسبت کا حاصل کرنا ہے۔البتہ یہ ضرور ہے کہ ان سلا سل کی ترتیب اصلاح میں دوسرے معاصر سلسلے سے کچھ فرق ہے۔ مشہور صوفیا کے سلا سل اور ان کے بانی یہ ہیں۔

- سلسلہ قادریہ کے سر خیل حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ
- سلسلہ نقشبندیہ کے سر خیل حضرت شیخ بہاؤالدین نقشبندیؒ
- سلسلہ چشتیہ کے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ
- سلسلہ سہر وردیہ کے حضرت شیخ شہاب الدین سہر وردیؒ

ان سلا سل نے ایک کثیر طبقے کی اصلاح کی ہے اور یہ تصوف کا حسن ہے کہ کسی سلسلے میں اگر اصلاح کی ترتیب میں کچھ سختی ہے تو دوسرے سلسلے میں نرمی زیادہ ہے۔اگر نقشبندیہ کے اسباق اوراد زیادہ ہیں تو چشتیہ کے اس کی نسبت کم ہیں مگر چاروں سلا سل کا مقصدِ واحد اصلاح ہی ہے۔اپنے اپنے دور میں ہر طبقہ نے کامل طریقے سے عوام کی اصلاح کا کام بہت جانفشانی سے کیا ہے۔

---

(۱) خواجہ نقشبند اور طریقت نقشبندیہ، شمس الدین احمد، عثمان اینڈ سنز کتب،لاہور، طبع اول،۱۹۹۰ء، ص:۱۵۹)

فصل چہارم: ممدوح اور مذموم تصوف: مختصر جائزہ

دین اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسانی زندگی کے ہر شعبے اور ہر مرحلے کی رہنمائی کرتا ہے۔ ولادت سے لے کر موت تک جتنے اور جن جن مراحل سے انسان گزر سکتا ہے مثلاً عبادت و اطاعت، حکومت وسیاست، چلنا پھرنا، اُٹھنا بیٹھنا، خرید و فروخت، معاملات و اخلاقیات، غرض ہر شعبہ حیات کو اپنی گرفت میں رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کی رہنمائی کا سبب خود وحی الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر نازل فرمائی ہے۔ جب اس ضابطہ حیات میں تمام معاملات کا حل موجود ہے تو یہی وجہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور دستور العمل قابل قبول نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾[1]

(اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کا طالب ہو گا تو وہ مقبول نہ ہو گا اور وہ آخرت میں خسارے والوں میں سے ہو گا۔)

دین اسلام کی اس اولیت اور جامعیت کے پیش نظر یہ کہا جانا بے جا نہ ہو گا کہ یہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے مثالی دین ہے جس نے زندگی کے ہر معاملے کی کامل رہنمائی کی ہے، اور کسی شعبے کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ یہ رہنمائی جس طرح عبادات، عقائد، معاملات اور معاشرت کے زریں اُصولوں کی صورت کی ہے وہیں پر عملاً تصوف کے ذریعے کی بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کو ان چار چیزوں کے بعد پانچواں جز قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"عقائد، عبادات، معاملات و معاشرت کے بعد پانچواں جز تصوف ہے۔ جس کو شریعت میں اصلاح نفس کہتے ہیں۔"[2]

تصوف کے متعلق سابقہ بحث اور تعریفات کے نتیجے میں یہ بات تو واضح ہے کہ حقیقی تصوف قرآن و سنت ہی سے ماخوذ ہے اور اس کی بنیاد اور اساسی اجزائے ترکیبی بھی یہی چیزیں یعنی توحید، تبلیغ دین، اتباع شریعت اور خدمتِ خلق ہیں۔ اور حقیقی صوفیاء کی زندگی میں بغور ان چیزوں کا جائزہ لیا جاسکتا ہے کہ یہ واقعتاً موجود تھیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد

---

(۱) سورۃ آل عمران: ۳/۸۵

(۲) بصائر حکیم الامت، مولانا اشرف علی تھانوی، وعظ تفصیل الدین، زمزم پبلیشرز، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص: ۸۴

مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف بھی داخل ہو گیا جو تصوف ہی کے نام سے شامل کیا گیا۔ چونکہ اس تصوف کا تعلق عجم یا غیر اسلامی روایات سے تھا اس لئے اس کے اجزائے ترکیبی اور اس کی اصطلاحات بھی اسلامی تصوف کے اجزائے ترکیبی اور اس کی بنیادوں کی ضد تھیں، مثلاً شرک، حلول واتحاد، تجسیم، تناسخ ارواح، رہبانیت و تخریب دین، نفاق و مداہنت وغیرہ اس کی بنیاد اور اجزائے ترکیبی تھے یہی وجہ ہے کہ امت کے اساطین علماء وصوفیاء میں سے امام ابن تیمیہ، ابن قیم سے لے کر مولانا تھانویؒ اور مولانا حسین احمد مدنی تک تمام اکابرین نے اس غیر اسلامی اور مذموم تصوف کا رد کیا اور مسلمانوں کو اس کی حقیقت سے آگاہ بھی کیا۔

تصوف کے اجزاء:

تصوف کوئی علمی و تحقیقاتی فن نہیں بلکہ یہ ایک عملی اور تمرینی (مشقی) شعبہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حقیقی صوفیا جو متبع شریعت ہوتے تھے وہ مریدین کے قیل و قال کو پسند نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے عمل پر نظر رکھتے اور پھر اس کی بقدر ضرورت اصلاح فرماتے تھے اور کلام کی کثرت کی بجائے کام کی کثرت کو پسند کرتے تھے۔ صوفیاء کے مشہور شارح اور ترجمان خواجہ عزیز الحسن مجذوب[1] اس حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں:

کامیابی تو کام سے ہو گی　　نہ کے حسن کلام سے ہو گی
ذکر کے التزام سے ہو گی　　فکر کے اہتمام سے ہو گی[2]

لیکن یہ ضروری ہے کے عمل سے پہلے اس کا بقدر ضرورت علم بھی ہو تا کہ اعمال میں غلطی نہ ہو۔ معاشرے میں ہمیں جو تصوف کے خرابیاں نظر آرہی ہیں اور جو ماضی میں ظاہر ہوئیں ان سب کی وجہ جہالت تھی تصوف کو ایسے لوگ پیش کر رہے تھے جن کا علم سے کوئی واسطہ نہیں تھا یا تھا بھی تو واجبی سا جس کا ہونا یا نہ ہونا برابر تھا۔ یہی وہ بنیادی وجہ تھی جو مذموم و محمود تصوف کا باعث بنی۔ تصوف محمود تو اپنی ہیئت خالصہ کی صورت موجود ہی تھا۔ اس میں جب ایسے امور بھی شامل ہوئے جن کا اسلامی اصول و

---

(۱) خواجہ عزیز الحسن مجذوب، حضرت تھانویؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ الہ آباد یونیورسٹی کے گریجویٹ تھے اور ڈپٹی کلکٹر بھی رہ چکے تھے۔ حضرت تھانویؒ تھانویؒ کی صحبت میں رہ کر زندگی ہی بدل گئی جس کا مختلف مقامات پر خود اظہار کیا ہے۔ خواجہ صاحب باقی خوبیوں کے ساتھ ساتھ نہایت عمدہ شاعر بھی تھے۔ (ماہنامہ الفاروق کراچی، شمارہ: شعبان ۲۰۱۸ء، ص:۴۷)

(۲) کشکول مجذوب، خواجہ عزیز الحسن مجذوب، مکتبہ امدادیہ، ملتان، ۲۰۰۱ء، ص:۹۸

ضوابط سے کوئی تعلق نہیں بلکہ بالکل غیر اسلامی نظریات وعوامل تھے تو اس نے من حیث الکل تصوف کو آلودہ کرنے کی کوشش کی جو کافی حد تک کامیاب رہی لیکن رفتہ رفتہ اس کی حقیقت کو حقیقی صوفیا نے آشکارہ کیا اور اصلی تصوف کی طرف لوٹا دیا۔

اس حقیقت کا اندازہ اس اقتباس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جو پروفیسر یوسف سلیم چشتی[1] نے نقل کیا ہے جس میں وہ ایک غیر مسلم ای۔ کرمسکی۔[2]

(E KRYMSKY) کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ:

"صوفی جماعت کے افراد اپنے آپ کو سنت کا سچا محافظ کہتے تھے لیکن ایران میں یہ لقب ان لوگوں نے اختیار کیا تھا جن کے عقائد اسلام سے اس قدر بعید تھے کہ اگر حضور ﷺ انھیں دیکھتے تو جہنمی قرار دیتے۔

۸۶۴ عیسوی میں جب عبداللہ بن میمون القداح[3] نے اسماعیلی فرقے کی اصلاح کی تو اس جماعت کے تبلیغی ارکان سے کہا جب وہ مسلمانوں سے ملیں تو اپنے آپ کو صوفی ظاہر کریں، اور تصوف کی تبلیغ کریں جس کے نتیجے میں تصوف مقبول تو ہوا لیکن اس میں بڑی حد تک غیر اسلامی نظریات ورجحانات داخل کر دئے گئے۔ جن کا ظہور چوتھی صدی سے شروع ہو گیا۔"[4]

اس اقتباس سے بخوبی یہ بات سمجھ آسکتی ہے کہ تصوف فی نفسہ بری چیز نہیں تھی اور نہ ہی اس کی بنیاد میں ایسے نظریات تھے جو

---

(۱) پروفیسر چشتی معروف محقق، مورخ اور کلام اقبال کے شارح تھے۔ آپ کی پیدائش ۱۸۹۵ء اور وفات ۱۹۸۴ء میں ہوئی۔ تکمیل تعلیم کے بعد ایف سی کالج میں لیکچرر مقرر ہوئے۔ آپ نے اقبالؒ کی تمام اردو، فارسی کتابوں کی شرحیں لکھی ہیں۔ علاوہ ازیں، مذہب، فلسفہ، تصوف، تاریخ اور سوانح پر بھی کتابیں تحریر کیں۔ (تاریخ تصوف، یوسف سلیم چشتی، علماء اکیڈمی، لاہور، طبع اول، ۱۹۷۶ء، ص:۷)

(۲) ای۔ کرمسکی، معروف مستشرق ہیں جن کی تحقیق کا میدان تصوف اور اس میں ہونے والی تبدیلیاں ہیں اور ان عوامل کو ڈھونڈنا جن کی بناء پر تصوف اپنی اصلی ہیت کذائی سے بدل کر ایک نئی جہت اور شکل میں ڈھل گیا۔

(۳) میمون قداح کا پورا نام عبداللہ بن عمرو بن میمون القداح تھا۔ قداح اس کے دادا کا نام تھا جو اصلاً مجوسی تھے۔ مسلمانوں سے مل کر علیؓ کی نسل میں سے ہونے کا دعویٰ کیا اور باطنی طور پر اپنے خاص عزائم کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ روافض کی تعلیمات کو رواج دیا اور شراب کو مباح قرار دیا۔ بہت سی بدعات کو دین میں داخل کیا۔ (تاریخ اسلام، ووفیات مشاہیر والاعلام، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی، دار الکتب بیروت، طبع دوم، ۱۹۹۴ء، ۳۲۱/۲۴)

(۴) اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، سلیم یوسف چشتی، انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص:۲۸

اسلام کے بنیادی عقائد وعبادات اور معاملات سے ٹکراتے تھے بلکہ یہ بعد میں تصوف کے پھیلاؤ اور دیگر اقوام وملل سے میل جول نے عملاً وہ تبدیلیاں رونما کیں جو مطلوب نہ تھیں بلکہ مذموم تھیں۔

ممدوح تصوف:

یوں تو تصوف جو غیر اسلامی نظریات سے پاک ہو وہ عین مطلوب اور ممدوح ہی ہے لیکن صوفیا کے لٹریچر اور ان کے فکری ماخذوں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تصوف اصل میں اپنی ماہیت کے اعتبار سے اس شوق کا نام ہے جو ایک صوفی کے دل ودماغ میں اللہ تعالیٰ سے ملنے کے لئے اس شدت کے ساتھ موجزن ہوتا ہے کہ اس کی پوری عقلی، عملی اور جذباتی زندگی پر غالب آجاتا ہے۔ متصوف اسی ذات باری تعالیٰ کو اپنا مقصود حیات بنالیتا ہے۔ اور اس کی محبت کے وسائل کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہے۔ وہ ہمہ وقت اسی کے خیال میں گم ہوتا ہے۔ اسی کو یاد کرتا ہے زبان سے بھی عمل سے بھی اور ہر اس امر سے جس کا مخاطب اسے اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی توجہ وانابت اور مرکزِ محبت ہے جو انسان کی ایسی متاع ہے جو ہر حال میں اس سے مطلوب ہے۔ گویا وہ عملاً اللہ کی محبت کا متلاشی ہے جو تصوف کی روح ہے۔ اسی نکتہ کو ڈاکٹر امان اللہ یوں بیان کرتے ہیں:

> "ہر مذہب نے دو چیزیں پیش کی ہیں۔ پہلی یہ کہ میری اطاعت کروگے تو میں اس کی جزا دوں گا، یعنی جنت میں داخل کروں گا اور اگر میری نافرمانی کروگے تو دوزخ میں ڈالوں گا۔ دوسری چیز یہ کہ اگر اطاعت کے علاوہ تم مجھ سے محبت کروگے تو میں تم سے محبت کروں گا اور اس محبت کا ثمرہ یہ ہے کہ تم میں میری صفات منعکس ہو جائیں گی۔"(۱)

الغرض ممدوح تصوف سے مراد تزکیہ کی وہ عملی صورتیں جو دین اسلام شریعت محمدی میں مطلوب ہیں وہ ممدوح تصوف میں داخل ہیں اور عملی تصوف خود ان میں داخل ہے۔ اسی حقیقت کو مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بہت احسن انداز سے یوں بیان کیا:

> "منجملہ اعمال کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ اعمال صالحہ متعلق بجوارح ہے۔ یعنی ایسے اعمال جن کا تعلق اعضائے ظاہرہ سے ہے جن کو سب جانتے ہیں۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوۃ، دیگر طاعات واجبہ اور مندوبہ۔ اور دوسرا حصہ اعمال صالحہ متعلق بقلب ونفس ہے۔ مثلاً اخلاص، تواضع، شکر، صبر ورضا، توکل، خوف رجا وغیرہ۔ ان کو اختیار کرنا اور ان کی اضداد کا ازالہ کرنا یہی نصوص میں مامور بالتحصیل ہیں۔ اور ان کی اضداد مامور بازالہ ہیں۔ یعنی ان

---

(۱) تصوف قرآن وسنت کی روشنی میں، عبدالجبار، بن بلال، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص:۲۳۱

اعمال کی ضد کو ترک کرنے کا حکم ہے۔ اور ان اعمال کی غایت رضائے حق ہے جو تصوف کی روح اعظم ہے۔"[1]

ہے۔"[1]

مولانا تھانوی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ شرعی طور پر جن اعمال سے انسان کو واسطہ پڑتا ہے وہ دو قسم کے ہیں پہلی قسم کے اعمال وہ ہیں جن کا تعلق اعضا و جوارح سے ہے یا وہ اعمال ہیں جن کو ظاہری عبادات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہ عملاً انسان سے صادر ہوتی ہیں مثلاً عبادات بدنیہ، نماز، روزہ، حج، وغیرہ اور دوسری قسم کے وہ اعمال ہیں جن کا تعلق ظاہر سے نہیں بلکہ باطن سے ہے جن کی بظاہر عملی صورت نہیں ہے لیکن قلبی طور پر ان کا وجود ہے مثلاً عبادات میں اخلاص کا ہونا، باری تعالیٰ کا خوف وڈر، توکل علی اللہ، تواضع وعاجزی، وغیرہ یہ سارے اعمال قلب سے متعلق ہیں ان کا ظاہر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب شرعاً مطلوب چیز ان کو حاصل کرنا اور ان کے مخالف پائی جانے والی صفات سے بچنا ہے جس کا نتیجہ و مطمع اور مقصود رضائے الٰہی ہے بس اسی کا نام تصوف ہے جو محمود اور مطلوب تصوف ہے۔ یعنی مولانا تھانویؒ کی تعریف کا حاصل یہ ہوا کہ عبادات و اعمال کو ان کے اثر مرتب کے ساتھ اور نتیجے کی امید سے سرانجام دینا ہی حقیقی تصوف ہے۔

مذموم تصوف:

ما قبل میں ہم نے تصوف کے اساسی اجزا سے یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ تصوف اصلاً قرآن و سنت سے ماخوذ ہے اور اس کے اجزا ترکیبی بھی وہی ہیں جو شرعاً مطلوب و ممدوح ہیں۔ ان اجزائے ترکیبی سے مرکب تصوف ہی اصلی اور حقیقی تصوف ہے۔ اس کے مقابلے میں تصوف کی ایک ایسی شکل بھی معاشرے میں رائج رہی اور اب بھی کہیں کہیں ایسی شکل موجود ہے جس کا فی نفسہٖ تصوف کے اساسی اور حقیقی اجزائے ترکیبی سے کوئی تعلق نہیں بلکہ بظاہر وہ ان اصولوں کے بھی خلاف ہے لیکن وہ معاشرے میں رواج پا گیا اور ایک کثیر تعداد نے اسے ہی اصل تصوف سمجھ لیا یوں دو طبقے وجود میں آئے۔ اول الذکر تو وہ طبقہ تھا جس نے اسے ہی حقیقی تصوف سمجھ کر عملاً اپنا لیا اور اس کی تبلیغ و ترویج میں لگ گئے اور موخر الذکر طبقہ نے بھی اسے ہی تصوف کی واحد عملی صورت تصور کر کے اس کی تردید میں کلی طور پر تصوف کا انکار ہی کر دیا اور ایک بڑا لٹریچر آج بھی ایسا ملتا ہے جس میں تصوف کا کلی طور پر انکار اور اسے صوفیا کی بدعات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں تصورات ہی غلط ہیں۔ اول الذکر تو اس لئے کہ تصوف کے نمائندہ و بنیادی اجزا وہ نہیں ہیں جو سمجھ لئے گئے اور ثانیاً اس لئے کہ تصوف اپنی حقیقی روح کے اعتبار سے

---

(۱) تصوف ایک تعارف، اعجاز احمد اعظمی، مکتبہ ضیاء الکتب، یوپی، ۲۰۱۳ء، ص:۴۹

ایسی تمام برائیوں کو خود ہی ناپسند کرتا ہے جو اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں در اصل یہ اس کا خاصہ و حصہ نہیں تھیں بلکہ اس میں کہیں اور سے در آئی ہیں جن کو اپنے وجود کو مستحکم کرنے کے لئے جہلاء کے ایک ایسی جماعت میسر آگئی جس نے تصوف کی روح اور مقصد کو کبھی سمجھا ہی نہیں تھا۔ جن کے ہاں اصل چیز عقیدت تھی جس میں غلو نے انھیں تحقیق اور درایت کے دروازے پر جانے ہی نہ دیا نتیجہ پھر یوں ظاہر ہوا کہ تصوف کے نام پر نئے نئے عقائد و اعمال وجود میں آنے لگے جو شرعی اصولوں سے کوسوں دور تھے اور حقیقی صوفیا ان سے عملاً کنارہ کش تھے لیکن عوام متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی، یہی بنیادی سبب بنا تصوف کی اس مذموم صورت کے وجود کا جو معاشرے میں رائج ہونا شروع ہوئی۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی اس بابت لکھتے ہیں:

"قرامطہ [1] نے صوفیوں اور پیروں کے لباس میں غیر اسلامی عقائد کی تبلیغ کی اور اس طرح غیر اسلامی (مذموم) (مذموم) تصوف عالمِ وجود میں آیا جس میں تمام غیر اسلامی عقائد، مثلاً تثلیث، تجسیم، کفارہ حلول، الوہیت علی ،رجعت، بدا [2]، اتحاد، تناسخ ارواح، اور قدامت مادہ وغیرہ داخل ہیں۔ عوام بیچارے یہی سمجھے کہ یہی اصل تصوف ہے جو قرامطہ صوفیوں کی شکل میں پیش کر گئے۔" [3]

---

(۱) قرامطہ اصلاً اسماعیلی شیعہ ہی کی ایک قسم ہے۔ انہیں مختلف علاقوں میں مختلف ناموں سے جانا جاتا ہے۔ حلب و مصر میں انہیں اسماعیلی کہتے تھے۔ قم قم میں سبعی اور بغداد و غزنی میں قرمطی کہا جاتا ہے۔ اور یہ منسوب ہے حمدان بن اشعث کی طرف جو کوفہ میں رہتا تھا اور اسی سے قرامطہ کا آغاز ہوا۔ (الکامل فی التاریخ، علی بن محمد بن عبد الکریم ابو الحسن عز الدین ابن الاثیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۹۸۷ء، ۶/۱۱۸)

(۲) تثلیث عیسائیوں کے عقائد کا ایک لازمی جزو ہے۔ اس کا مطلب ہے ایک میں تین یا تین میں ایک یعنی حضرت عیسیٰ، باری تعالیٰ اور مریم علیہا السلام۔ تجسیم سے مراد کسی مجرد شے کو جسم دینا ہے۔ اس سے عام طور پر خدا کے مجسم ہونے کے عقیدے سے بولا جاتا ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ حلول سے مراد کسی چیز کا دوسری چیز میں اس طور پر مل جانا کہ ایک کے اطلاق سے دوسری سمجھ آجائے البتہ صوفیاء کے ہاں روح کا کسی اور جسم میں سما جانا حلول کہلاتا ہے۔ الوہیت علی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا ماننے کا عقیدہ ہے جو اہل تشیع کے فرقوں میں پایا جاتا ہے جیسا کہ طوسی، امالی شیخ صدوق میں تصریح موجود ہے۔ رجعت کا عقیدہ بھی اہل تشیع کا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ بعض صالحین مرنے کے بعد مہدی موعود کی مدد کے لئے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ بدا بھی اہل تشیع کا معروف عقیدہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلی رائے سے رجوع کرنا، ان کے ہاں معاذ اللہ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک فیصلہ کرے اور بعد میں اسے یہ لگے کہ یہ درست نہیں تو رجوع کرے، یہ بدا ہے۔ (اصول مذہب شیعۃ الاثنیٰ عشریہ للغفاری، ۲/۹۳۹)

(۳) اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، ص: ۳۳

یہ معاملہ تو عملاً تصوف کی روح کے خلاف تھا جسے رفتہ رفتہ ترویج ملتی گئی اور لوگ اس کے پیرو بنتے گئے جبکہ تصوف کی اصل سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا، مذموم تصوف کے نمائندوں نے اسی پر بس نہ کیا بلکہ عملاً جہاں درج بالا عقائد کو عوام الناس میں پھیلایا وہاں ہی کتب تصوف اور اساطین امت کی مختلف تصانیف میں ان عقائد کو دھوکے سے داخل بھی کر دیا جسے بعد کے آنے والوں نے صاحب کتاب کی رائے ہی سمجھا اور عقیدت نے تحقیق کے دروازے کی جانب جانے نہ دیا لہذا تصوف کی نئی شکل وجود میں آگئی اسی متعلق امام عبدالوہاب شعرانی[1] نے لکھا:

> "باطنیہ ملاحدہ[2] اور زنادقہ نے سب سے پہلے امام احمد بن حنبل اور پھر امام غزالی کی کتب میں اپنی طرف سے تدلیس کی، نیز اس فرقہ باطنیہ نے ایک کتاب جس میں انھوں نے اپنے عقائد کی تبلیغ کی تھی میری زندگی میں میری طرف منسوب کر دی تھی۔ اور میری انتہائی کوشش کے باجود تین سال تک یہ کتاب متداول رہی۔"[3]

اس اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مذموم تصوف یا تصوف کی یہ باطل صورت جو معاشرے میں رائج ہوئی تو اس کے پھیلاؤ میں جہاں جاہل عوام کا عمل تھا وہاں ان کتب کا بھی بڑا کردار تھا جو تصوف کے اعتبار سے یا مضامین تصوف کے اعتبار سے موسوم تھیں ان میں درج عقائد کو تصوف ہی کی بنیاد پر ایسے طبقے نے اپنی تبلیغ کا موضوع بنایا اور پھر عوام اس کا شکار ہوتے چلے گئے چنانچہ یہ کتب کسی نہ کسی بڑی شخصیت کے نام سے منسوب ہوتیں تو قبولیت عامہ کی وجہ سے اور شخصی وعلمی تفوق ومراتب کی بدولت تحقیق نہ کرنے نے اس کام کو اور بھی آسان بنا دیا اور گویا زہر کو تریاق کے نام پر بیچا جانے لگا اور ایک بڑا طبقہ اس کا خریدار بن گیا، جس کی بدولت ایک کثیر تعداد جہاں گمراہ ہوئی وہیں ایک طبقے نے اسے تصوف حقیقی سمجھ کر اسے ہی صوفیا کے عقائد کا حصہ بنا دیا جو کسی طور روا نہ تھا خود صوفیا اس کی تردید میں میدان میں آئے لیکن تب تک عوام اس کا شکار ہو چکے تھے۔ یہاں اسلامی تصوف میں

---

(۱) شیخ عبدالوہاب شعرانی ۲۹ رمضان ۸۹۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۷۳ھ میں وفات پائی۔ آپ ایک عظیم مصلح اور عالم دین تھے۔ آپ نے اپنی تصانیف میں معاشی اور معاشرتی بدحالی کو واضح کیا۔ آپ کی قابل ذکر تصانیف، لطائف المنن والاخلاق، لواقح الانوار، البحر المورود فی المواثیق ہیں۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۱۱/۷۴۱)

(۲) باطنیہ سے مراد وہ تمام فرقے ہیں جن کا کہنا یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات کے ظاہراً معانی کچھ اور ہیں اور باطناً کچھ اور ہیں۔ ملاحدہ سے مراد الحاد کے پیروکار یا مادہ پرست لوگوں کا گروہ ہے جنہیں دھریہ یا مادیت پرست بھی کہا جاتا ہے۔ زنادقہ ایک فرقے کا نام ہے جو دو خالقوں کو مانتا ہے، توحید پر ان کا ایمان نہیں ہے، یہ فرقہ ثنویت کا قائل ہے۔ (جامع اللغات، غلام سرور لاہور، مطبوعہ منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۰۸ء، ۱/۳۸۶)

(۳) الیواقیت والجواھر، عبدالوہاب شعرانی، نوریہ رضویہ پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص:۷

غیر اسلامی نظریات کی آمیزش سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے جس سے یہ معلوم ہو سکتا ہے عقائد میں کس طرح سے اس طبقے نے اپنے نظریات سمو دیئے، پروفیسر یوسف سلیم لکھتے ہیں:

"تصوف کے اس فرقے نے بہت سی روایات وضع کر کے مسلمانوں میں شائع کیں اور صوفیوں نے اپنی مجالس میں ان وضعی روایات کو مسلسل بیان کیا اور سامعین نے ان مقدس حضرات پر اعتماد کر کے ان کو قبول کر لیا مثلاً بیکتاشی[1] سلسلے میں یہ روایت بہت مقبول ہے کہ جنگ اُحد میں نبی ﷺ جب زخمی ہوئے اور جسم مبارک سے سے خون بہنے لگا تو جبرائیلؑ تشریف لائے اور آپ ﷺ سے فرمایا ناد علی والی دعا پڑھو، یعنی علی رضی اللہ عنہ کو مدد کے لئے پکارو جب آپ ﷺ نے یہ دعا پڑھی تو علی رضی اللہ عنہ فوراً آپ کی مدد کے لئے آئے اور کفار کو قتل کر دیا اور آپ ﷺ کو اور تمام مسلمانوں کو قتل ہونے سے بچالیا۔"[2]

الغرض خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذموم تصوف حقیقی تصوف کی ضد اور نقیض ہے اور اس کا تصوف کی فکری و عملی ہر دو صورتوں میں کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ مختلف نظریات اور عقائد کے پھیلاؤ کا اسلام کسی طور پر روادار نہیں ہے بلکہ ان عقائد کی بیخ کنی کرتا ہے۔ اور حقیقی تصوف کی بنیادیں ان مذموم عقائد سے پاک ہیں۔ چونکہ یہ تصوف ہی کہ نام پر در آئی تھیں اسی وجہ سے انھیں قبول کر لیا گیا کیونکہ ان کی ترویج و پھیلاؤ جن شخصیات نے کیا یا جن کے نام پر کیا وہ عملاً تصوف سے ہی وابستہ تھیں ان مذموم تصوف کے نمائندوں نے عوام کی جہالت اور عقیدت و غلو کا فائدہ اُٹھایا اور رفتہ رفتہ اپنے عقائد و اعمال ان میں پھیلا دیئے۔ چنانچہ ابن تیمیہ مذموم تصوف کے نمائندوں کے متعلق لکھتے ہیں:

"وقد انتسب إليهم طوائف من أهل البدع والزندقة ولكن عند المحققين من أهل التصوف ليسوا منهم"[3]

---

(۱) یہ ترکی کے درویشوں کا ایک شیعی سلسلہ ہے جو حاجی بکتاش ولی بن ابراہیم سے منسوب ہے۔ (دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور، ۷۰۲/۴)

(۲) اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، ص: ۳۴ (تخریج واقعہ: بحار الانوار، علامہ، مجلسی، محقق علی اکبر غفاری، بیروت، طبع دوم، ۱۹۸۳ء، ۷۳/۲۰)

(۳) فتاویٰ ابن تیمیہ الحنبلی، کتاب التصوف، ۱۱/۱۰، ۱۱

یعنی جعلی، جھوٹے اور زندیق بدعتی لوگ اپنے آپ کو صوفیاء کرام میں شمار کرتے ہیں لیکن محقق صوفیاء کے نزدیک وہ ان میں سے نہیں ہیں۔

آگے مزید لکھتے ہیں:

"وصارت الصوفية ثلاثة أصناف: صوفية الحقائق و صوفية الأرزاق، وصوفية الرسم"[1]

اس اعتبار سے صوفیاء کی تین قسمیں ہیں، حقائق سے آشنا صوفیا، محققین صوفیا، اور رسمی اور بدعتی صوفیاء۔

برصغیر پاک وہند میں موجود تیسرے طبقے کے سلسلوں کو علی ہجویریؒ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں بارہ کی تعداد میں تقسیم کیا ہے اور ان کی تصریح کے مطابق دو گروہ مردود اور دس مقبول ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

"حلولی اور حلاجی[2]، یہ دو گروہ مردود شمار کیے جاتے ہیں۔ بوجہ یہ جس تصوف کے نمائندہ ہیں وہ مذموم افعال و اعمال پر مشتمل ہے جس کی وجہ سے انھیں حقیقی صوفیا کے گروہ سے الگ شمار کیا جاتا ہے۔"[3]

حلولی گروہ:

"حلولی گروہ کے بانی کا نام ابی حلمان دمشقی ہے جس کا تعلق شام سے تھا۔ اہل تصوف میں سے بعض حضرات اسے صوفیا کے گروہ میں شمار کرتے ہیں لیکن اصلاً یہ تناسخ و حلول ارواح، امتزاج اور ملحدانہ نظریات کا حامل تھا۔ اسی وجہ سے انھیں بھی مذموم تصوف کے اصحاب میں شامل کیا گیا ہے۔"[4]

---

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ الحنبلی، کتاب التصوف، ۱۱/ ۱۰، ۱۱

(۲) حلولی گروہ سے مراد ابی حلمان محمد بن علی شلغمانی سے منسوب گروہ ہے جن کے عقائد میں یہ بات شامل تھی کہ معاذ اللہ انسانی جسم میں خدا تعالیٰ حلول کر جاتا ہے یا خدا بشر کی صورت میں انسان میں حلول کرتا ہے۔

حلاجی گروہ منصور یعنی حسین بن جعفر کی طرف منسوب ہے۔ حلاجی گروہ حلول اور اتحاد کا قائل گروہ سمجھا جاتا ہے۔ حسین بن منصور حلاج کو انا الحق کے قول کی وجہ سے مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا اور سزا بھی دی گئی۔ (الکامل، ابن اثیر، ۸/ ۲۱۸)

(۳) کشف المحجوب، علی بن عثمان الہجویری، تاجران کتب، لاہور، ۱۳۴۲ھ، ص: ۲۴۳

(۴) ایضاً، ص: ۳۴۴

حلاجی گروہ :

"حلاجی گروہ کی نسبت حسین بن منصور حلاج کی طرف کی جاتی ہے۔ اس گروہ سے مختلف قسم کے شعبدے، اور دیگر عجیب افعال منقول ہیں جن کا بظاہر دین و تصوف سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ البتہ منصور حلاج کے اتباع کرنے والوں اور ماننے والوں میں صرف ایک شخص جس کا نام فارس ہے وہ اس طریقہ کا قائل اور پھیلاؤ کا داعی ہے۔ باقی احباب منصور اس سے برات کرتے ہیں کہ یہ منصور سے منقول نہیں ہے اور نہ ہی حسین بن منصور اس کا قائل تھا اور نہ ہی اس نے کبھی اس طریق کی دعوت دی ہے۔ ابو جعفر صیدلانی[1] جو کہ منصور کے متبعین میں سے ہیں اور ان کے چار ہزار سے زائد مرید اور متبع تھے جو عراق اور دیگر علاقوں میں موجود تھے سب کے سب فارس کو ملعون سمجھتے تھے۔"[2]

محاسبیہ:

جس کی نسبت حارث بن اسد محاسبی[3] کی طرف ہے۔ اس گروہ کے خیال کے مطابق رضا، مقام نہیں بلکہ "حال" ہے جس پر صوفیا میں شدید اختلاف رہا۔ اہل خراسان نے ان کی تائید کی اور اہل عراق نے مخالفت کی۔ رضا، سے مراد دو صورتیں ہیں جنہیں کشف المحجوب میں نقل کیا گیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱. خدا کا بندہ سے راضی ہونا
۲. بندے کا خدا سے راضی ہونا

خدا کا راضی ہونا یہ ہے کہ وہ بندے کی خوش اعمالی پر ازراہ انعام و کرامت اسے اجر دے اور بندے کا راضی ہونا یہ ہے کہ وہ

---

(۱) حضرت ابو جعفر مصباح صیدلانی بلند پایہ محدث، عالم، فقیہہ تھے۔ آپ سید علی ہجویریؒ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ (خزینۃ الاولیاء، غلام سرور، ص:۲۳۳)

(۲) کشف المحجوب، علی بن عثمان الہجویری، تاجران کتب، لاہور، ۱۳۴۲ھ، ص:۳۴۳

(۳) ابو عبداللہ حارث بن اسد محاسبی بصرہ کے رہنے والے تھے۔ نہایت متقی، عالم اور صوفی تھے۔ ان کی وجہ شہرت ان کی اصطلاح حال بنی۔ آپ کی وفات ۲۴۳ھ میں بغداد میں ہوئی۔ (سفینۃ الاولیاء)

اللہ کے احکامات کے آگے سر تسلیم خم کرے۔[۱]

حکیمیہ:

یہ گروہ ابو عبید اللہ بن علی الحکیم کی جانب منسوب ہے۔ سب سے پہلے انہوں نے ولایت کا تصور نبوت کی طرح عہدہ بنا کر پیش کیا جسے بعد میں سب گروہوں نے قبول کر لیا۔ حکیم کا قول ہے کہ:

""تمام دنیا اولیاء میں تقسیم کر دی گئی ہے اور ہر علاقے کا انتظام وانصرام ایک ولی کے تحت ہوتا ہے۔" جبکہ یہ اصول شرعی نصوص کے مخالف ہے۔ جن میں یہ وارد ہے کہ قدرت کاملہ، ملکیت، اور بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔"[۲]

تستریہ:

یہ گروہ سہل بن عبد اللہ تستری کی جانب منسوب ہے اس گروہ نے تزکیہ نفس کے اُصول اپنی عقل ودانش سے ترتیب دیئے۔ یہ لوگ سزائے نفسی کے قائل تھے۔ یعنی ان کے ہاں ذکر اللہ کے ساتھ ساتھ مجاہدوں کے ذریعے سے نفس کے مخالف افعال کروا کر مریدوں کی اصلاح کی جاتی تھی جس میں بہت شدت تھی جو مطلوب شریعت نہ تھی۔

نوریہ:

اس گروہ کی نسبت ابو الحسن بن نوری[۳] کی جانب ہے۔

طیفوریہ:

جس کی نسبت عیسیٰ بن سروشان بسطامی کی طرف ہے۔ ان پر شوق ومستی کا بڑا غلبہ تھا جو سکر (نشے کی حالت) کو صحو (ہوش وحواس کی حالت) پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے سکر وصحو کی ابتدا و بنیاد، روایت سے ہوئی جس میں روسکو تو روؤ ورنہ رونے والوں کی شکل بنالو، کا حکم ہے بعد ازاں پھر یہ ریاکاری اور حقیقی سکر کی طرف مائل ہوئے جس کا تصوف سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اول کا بھی

---

(۱) کشف المحجوب، ص:۲۴۴

(۲) کشف المحجوب، علی بن عثمان الہجویری، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، طبع ۲۰۱۰ء، ص:۲۸۶

(۳) ابو الحسن نوری مشہور صوفیاء میں سے ہیں۔ آپ کا آبائی علاقہ افغانستان تھا جہاں سے ہجرت کر کے بغداد تشریف لے گئے۔ آپ کی ولادت ۸۴۰ھ میں وفات ۹۰۷ھ میں ہوئی۔ آپ سلسلہ نوریہ کے بانی ہیں۔ صاحب کشف المحجوب نے آپ کو راسخ بزرگوں میں شمار کیا ہے۔ (کشف المحجوب، سید علی ہجویری، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص:۲۰۶)

مجاہدے کے توسط سے ان کو حکم دیا تھا جس کی شکل وقت کے ساتھ ساتھ بگڑ گئی تھی۔ (۱)

خرازیہ:

اس گروہ کی نسبت ابوسعید خرازی سے تھی فنا کا تصور سب سے پہلے اسی گروہ نے پیش کیا۔ (۲)

سیاریہ:

یہ گروہ ابوالعباس سیاری سے منسوب ہے اس گروہ نے جمع تفریق کا صوفیانہ نظریہ پیش کیا۔ (۳)

خفیفیہ:

اس گروہ کی نسبت ابوعبداللہ بن خفیف کی جانب تھی جس نے حضور اور غیبت کا صوفیانہ نظریہ پیش کیا۔ (۴)

قصاریہ اور ملامتیہ:

یہ دونوں گروہ حمدون قصار سے منسوب تھے ان کے نزدیک مجمع عام میں قابل اعتراض کام کر کے اپنے نفس کو ذلیل کرنا تزکیہ نفس کے لیے ضروری ہے۔

اس دور میں تصوف نے ایک باقاعدہ تحریک کی شکل اختیار کر لی تھی۔ سلسلہ تصوف پر بہت کچھ لکھا جا چکا تھا جو چھوٹے چھوٹے رسالوں جن میں یا تو متقدمین مشائخ کے حالات درج تھے یا کسی خاص موضوع پر بحث کی گئی تھی۔ اس دور میں تصوف کی بہت سی اصطلاحات وضع ہو چکی تھیں، لیکن ان کا مفہوم ابھی تک متعین نہ تھا۔ الغرض حضرت عثمان بن علی ہجویریؒ اور دیگر صوفیا کے ہاں جو مذموم و محمود کی بحث تصوف میں شامل ہے اس کی تقسیم کی بنیادی وجہ وہ غیر شرعی افعال تھے جو نادانستہ اس علم کے اندر دین سمجھ کر داخل کر دیئے گئے تھے لہذا اس نوعیت کے تصوف کی مساعی ظاہر ہے قابل مذمت ہے۔ جبکہ جن صوفیا نے اپنی تعلیمات ان سے بچا کر اپنے متعلقین تک پہنچائی اور نصوص شرعیہ کے پابند رہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ مذموم افعال جو کہ منافی شریعت تھے یا ان افعال کی شریعت میں کوئی اصل نہیں تھی ان کی ہمہ وقت مذمت کی کے یہ شریعت اسلامیہ کا حصہ نہیں ہے اور نہ ہی ان افعال کا

---

(۱) کشف المحجوب، ص:۲۴۴

(۲) کشف المحجوب، ص:۳۲۳

(۳) ایضاً، ص:۳۱۹

(۴) ایضاً، ص:۳۲۲

اسلامی تصوف سے کوئی تعلق ہے۔ بلکہ ان لوگوں نے اس کے برعکس شرعی اصولوں کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے انسانیت کی اصلاح کی کوشش کی، انہوں نے محمود تصوف کی ترویج کی اور اس کے بانی مبانی ٹھہرائے گا۔[1]

تجزیہ:

تصوف کی تعریفات اور تفریعات سے یہ بات فہم نارسا میں بھی آسکتی ہے کہ تصوف ایک اصلاحی تحریک کا نام ہے جو دورِ نبوت کے بعد مختلف شکلوں میں موجود رہی ہے۔ مختلف ادوار میں اس کی اصلاحی شکلوں میں مختلف تبدیلیاں آتی رہیں لیکن چونکہ مآل ایک تھا اس لئے کوئی خاص فرق نہ آسکا اور دن بدن صوفیا لوگوں کی اصلاح کے لئے کمربستہ رہے۔ ان ادوار میں تصوف کی کامیابی اور اصلاح کا اثر انگیز ہونا اس بنا پر تھا کہ تصوف کا عملی ڈھانچہ قرآن وسنت کے بنیادی اصولوں پر قائم تھا۔ تصوف غلو فی الدین سے کوسوں دور تھا۔ صوفیا تصوف کی محنت کے ساتھ ساتھ علوم وفنون پر بھی توجہ دیتے اور قرآن وسنت کے مطابق لوگوں کی اصلاح کرتے تھے۔ اس طبقہ صوفیا نے تصوف کی جو عملی شکل پیش کی اسے ممدوح تصوف کہا جاتا ہے یعنی تصوف کی وہ قسم جو ماخوذ از قرآن وسنت کی تعلیمات سے ہو اور ان کا عصیر اور نچوڑ ہونہ کے ان کے سراسر خلاف ہو۔

صوفیا کے اس اصلاحی سلسلے میں بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ فکری اور عملی طور پر بھی بہت سی تبدیلیاں آئیں جنہوں نے تصوف کی وہ عملی شکل جو قرآن وسنت کا نچوڑ اور اس کا نتیجہ تھیں کو یکسر بدل دی اور اس کی جگہ مختلف قسم کے غیر شرعی اعمال نے لے لی جن کی اسلام اور اسلامی شریعت میں کوئی جگہ نہیں تھیں بلکہ وہ سراسر غیر مسلموں سے لئے گئے تھے لیکن حیرت انگیز طور پر مسلمان ان پر عمل پیرا تھے اور انھیں دین ہی کا جز سمجھتے تھے۔ محققین نے تصوف کی اس عملی صورت کو مذموم یعنی قرآن وسنت سے علیحدہ قسم شمار کیا ہے اور اس کے مختلف اسباب بیان کیے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

- دیگر اقوام (یعنی ہندومت، سکھ، عیسائیت جن کے ساتھ مختلف اوقات میں مسلمانوں کا میل جول رہا) سے طویل اختلاط کی وجہ سے
- ملاحدہ اور باطنیہ کی وجہ سے
- قرامطہ کے غیر شرعی افعال کی وجہ سے

---

(۱) صوفیائے نقشبند، ابوصالح قادری، دارلعلوم فیض اکبری، گجرات، طبع دوم، ۲۰۰۵ء، ص: ۱۲۴

- دینی اصول وضوابط سے عدم واقفیت۔
- بدعتی صوفیاء کی وجہ سے جن کی اقسام تفصیل سے ذکر کی گئی ہیں۔

باب دوم

ہندومت میں تصوف کی بنیادیں

فصل اول:

ہندومت کا مذہبی لٹریچر

فصل دوم:

ہندومت کا فلسفہ نجات

فصل سوم :

ہندومت اور اسلام: تصوفانہ تقابل

فصل اول: ہندومت کا مذہبی لٹریچر

دنیا میں موجود انسانیت کے افراد میں سے اکثر و بیشتر افراد کسی نہ کسی مذہب سے وابستہ ہیں۔ بعض ان میں سے ادیان کا انکار کرتے ہیں اور خود کو ملحد یا Athiest کہتے ہیں۔ جو افراد کسی نہ کسی مذہب سے وابستگی کا اظہار کرتے ہیں ان کے پاس اس اظہار کی سب سے بڑی وجہ ان کے مذہبی لٹریچر کا کسی نہ کسی درجے میں موجود ہونا ہے۔ مذہبی کتب میں ہر مذہب کی بنیادی معلومات، احکامات، رسوم ورواج مذکور ہوتے ہیں اگرچہ تحریف و تبدل کی وجہ سے اصلی حالت پر نہ بھی ہوں لیکن مطلقاً موجودگی سے انکار ممکن نہیں ہے۔

"کسی بھی مذہب کی بنیاد اور پہچان اس کا مذہبی لٹریچر ہوتا ہے۔ مذہبی لٹریچر یعنی مذہب کی بنیادی کتب ہی اس کا تعارف اور اُصول وضوابط بیان کرتے ہیں جن کی بنیاد پر اس کی حیثیت وحقانیت کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ مذہبی کتب کی بنا پر ہی یہ انفرادیت واضح ہوتی ہے کہ کسی مذہب کا مرکزی نکتہ فکر کیا ہے اس میں کس چیز کو بنیادی حیثیت حاصل ہے وہ انسانی ضرورتوں کو کس حد تک پورا کرتا ہے اس میں انسانیت کے متنوع مسائل کا حل کس قدر بیان کیا گیا ہے۔ اسلام اور عیسائیت کے بعد ہندومت دنیا کا تیسرا بڑا مذہب ہے ایک محتاط اندازے کے مطابق کم وبیش پچپن کروڑ افراد اس مذہب کے پیرو ہیں۔ چونکہ اس مذہب نے ہندوستان سے نشو ونما پائی اس لئے اس کے ماننے والے تقریباً تمام افراد ہی ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں۔"(۱)

"چین، امریکہ، یورپ، اور چند افریقی ریاستوں کے باشندے جو ہندو ہیں دراصل ان ہندو مہاجرین کی نسل سے ہیں جو تجارت کی غرض سے ہندوستان سے ہجرت کرکے گئے اور پھر وہیں آباد ہوگئے تھے۔ دنیا کے تمام مذاہب میں سب سے قدیم ترین مذہب "ہندومت" ہے۔ آج کے بہت سے فعال مذاہب تقریباً چھٹی صدی قبل مسیح میں یا بعد میں شروع ہوئے، جبکہ ہندومت کے کچھ مذہبی نظریات اور صورتیں تیسرے ہزاریئے قبل

---

(۱) ہندو دھرم اور اسلام کا تقابلی مطالعہ، حافظ شارق سلیم، قرطاس پبلیشر، کراچی، ۲۰۱۱ء، ص:۱۲

مسیح میں یا بعد میں شروع ہوئے۔ ہندومت میں تقریبا ہر اس مذہب کی کوئی نہ کوئی صورت یا انداز ملتا ہے جو قابل تصور یا فعال رہا ہو۔ یہ عموما "ہندوستان" کے لوگوں پر لاگو ہوتا ہے۔ اگرچہ اپنی پوری تاریخ میں بہت سے لوگ "ہندومت" میں داخل ہوئے مگر یہ بدھ مت، عیسائیت اور اسلام کی طرح کبھی ایک فعال تبلیغی مذہب نہ بن سکا۔"(۱)

مذہبی کتب:

مذاہب عالم میں ہندومت قدیم ترین مذہب ہے۔ اس کے مذہبی، سماجی، معاشرتی اور معاشی زندگی کے اصول وضوابط کا ماٰخذ کوئی خاص کتاب، مخصوص فرد یا جماعت کے افکار یا تعلیمات نہیں بلکہ ایک ادب ہے جو ہزار ہا سال کے طویل زمانے پر پھیلا ہوا، سینکڑوں افراد کے ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے۔ اس تمام مذہبی کُتب کو چھ عنوانات کے تحت رکھا جاسکتا ہے:

(۱) شروتی (۲) سمرتی (۳) اتہاس (۴) پران (۵) آگم (۶) درشن

شروتی کے لفظی معنی ہے "جسے سنا جائے"۔ عظیم رشی (۲) ابدی صداقتوں کو سنتے اور تجربہ کرتے تھے اور لوگوں کی فلاح و بہبود اور رہنمائی کی خاطر دوسرے لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ چاروں وید (سم ہتا)، برہمن، آرن یک (بن باسی مقالے) اور اپنشد شروتی میں شامل ہے۔ یہ سب نظم ونثر کا ادب مقدس خیال کیا جاتا ہے۔ چونکہ زمانہ قدیم میں ان کا لکھنا کفر خیال کیا جاتا تھا اس لیے کہ اس کی قرات ایک خاص لحن کیساتھ کی جاتی تھی، چونکہ تحریر میں لحن کو برقرار رکھا جاسکتا تھا، اس لیے برہمن اسے اپنے استادوں سے سن کر زبانی یاد کرتے تھے، اس لیے اس کا نام شروتی یعنی سنی ہوئی چیز پڑ گیا۔

سمرتی کا معنی ہے "جسے یاد کیا جائے"۔ شروتی کے بعد ان کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ سمرتیوں کی بنیاد ویدوں کی تعلیمات پر ہے۔ یہ مذہبی، سماجی اور معاشرتی فرائض اور ذمہ داریوں کی وضاحت اور تشریح کرتے ہیں۔ وہ قوانین، اصول وضوابط تشکیل دیتے ہیں۔ جو افراد، خاندانوں اور معاشروں کو روز مرہ زندگی میں رہنمائی دیتے ہیں۔ اتہاس یعنی "تواریخ" دو مشہور و معروف رزمیہ نظموں رامائن اور مہابھارت پر مشتمل ہے۔ ان میں نہایت دلچسپ کہانیاں شامل ہیں جن کے ذریعے ہندومت کی

---

(۱) مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، لیوس مور، نگارشات، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۶۲

(۲) عظیم رشی سے مراد وہ سات عظیم کردار ہیں جن کا تذکرہ ویدوں میں کیا جاتا ہے اور ان کی طاقت وقوت اور کردار کی بدولت ویدوں کے مختلف منڈل ان سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ یہ ویدی عہد کے راوی ہوتے ہیں۔ (منودھرم شاستری، ترجمہ: راشد رازی، لاہور، طبع ۲۰۰۶ء، ص: ۱۴۸)

بنیادی تعلیمات لوگوں کے اذہان پر اپنے انمٹ نقوش ثبت کرتی ہیں۔ فلسفیانہ بحثوں کو علامتوں اور استعاروں میں پیش کیا گیا ہے۔ فی زمانہ ہندوؤں کی مذہبی اور سماجی زندگی کے ماٰخذ یہی دو رزمیہ نظمیں ہیں۔(۱)

پران بھی اتہاسوں جیسے ہیں۔ انہیں ویدوں کے مذہب کو مقبول بنانے کی غرض سے تحریر کیا گیا ہے۔ پرانوں کا مقصد ویدوں کی تعلیمات کو اساطیر، کہانیوں اور رشیوں اور بادشاہوں کی علامتی کہانیوں کے توسط سے ایک ٹھوس شکل دینا ہے۔ وہ مذہب کو ایک ٹھوس شکل میں پیش کرتے ہیں۔ کل پران اٹھارہ ہیں جن میں بگھوت اور وشنو پران مقبول ترین ہیں۔ آگم بھی عوامی صحائف کی ایک قسم ہے۔ اگرچہ وہ اپنے اسناد ویدوں سے اخذ نہیں کرتے لیکن ان کی تعلیمات کی مخالفت بھی نہیں کرتے ہیں۔ ان میں دینیاتی مقالے اور پوجا کی عملی ہدایات شامل ہیں شیومت، وشنومت اور شکتی مت کے تینوں مرکزی فرقوں کی بنیاد آگموں کے عقائد پر ہے۔

درشن چھ ہیں۔ درشن کا لفظی معنی دیکھنا یا روشنی ہے۔ چھ درشن یہ ہیں:

۱. نیایہ (انصاف)
۲. ویشک (ہندومت میں روحانی فلسفے کا ایک نام ہے)
۳. سانکھیہ (ہندو فلسفے کا ایک طریقہ جو کپل کی تصنیف ہے)
۴. یوگ (ریاضت، عبادت)
۵. میماسا (فلسفے کا ہیرو جو میمانسک سے متعلق ہے)
۶. ویدانت (ہندو کتب وید کا آخری حصہ جس میں تصوف اور ذاتِ الٰہی کا بیان ہے)

ہر درشن صداقت کو دیکھنے کی ایک راہ پیش کرتا ہے۔ انہیں انداز زندگی خیال کیا جاتا ہے۔ مجموعی طور پر وید، اپنشد، رامائن، بھگوت گیتا اور چھ درشن ہی ہندومت کے سرچشمے اور بنیادی ماخذ تسلیم کئے جاتے ہیں۔

"آریہ سماج کے بانی اور انیسویں صدی کے ممتاز ہندو عالم، سوامی دیانند سرسوتی نے ہندومت کے ماٰخذ کو مستند اور غیر مستند کتابوں میں تقسیم کیا ہے۔ ہندومت کی مستند کتابوں کی دو طرح سے تقسیم کی ہے اول جو مستند ہوں یعنی ان کے لئے ذات کے اعتبار سے سند کی ضرورت نہ پڑے اور دوسری وہ کتابیں جن کے مستند ہونے

---

(۱) تقابل ادیان، مولانا یوسف خان، بیت العلوم، لاہور، طبع سوم، ۲۰۰۱ء، ص: ۱۳۲

کے لئے کسی خارجی شہادت کی ضرورت ہو جیسا کہ ویدوں کے علاوہ کی کتابیں جو تقریباً چودہ علوم پر مشتمل ہیں وہ مستند ہونے کے اعتبار سے ویدوں کی شہادت کی محتاج ہیں۔" (۱)

"شروتی اور ہندومت کے تمام دوسری کتابوں میں سم ہتای یعنی مجموعوں کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ جنہیں وید بھی کہا جاتا ہے۔ سنسکرت میں لفظ "وید" کے دو مصادر بتائے جاتے ہیں ایک "ود" جس کا معنی جاننا، ہونا، یا ودلر یعنی حاصل کرنا ہے اور دوسرا مصدر "وہ" بمعنی بچارنا اور غور کرنا ہے۔" (۲)

اسی طرح وید بھی جاننے، ہونے، حاصل کرنے یا غور و فکر کرنے کو کہا جاتا ہے۔ ویدی مضامین میں یہ تمام مفاہیم پائے جاتے ہیں، تاہم اصطلاحاً وید کے معنی "جاننا" لیے جاتے ہیں۔ وید ایشور کی طرف سے نازل کی گئی الہامی کتابیں تسلیم کی جاتی ہیں۔ اپنے ہی نور سے منور ہیں اور تمام دیگر علمی کتابوں کو ضیاء بخشتی ہیں۔ روایات کے مطابق پہلے ایک وید تھا بعد میں پراشٹر کے بیٹے دیاس نامی شخص نے لوگوں کی سہولت کے لیے اس کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ اب سم ہتا یعنی مجموعے (وید) کل چار تسلیم کیے جاتے ہیں:

۱. رگ وید
۲. سام وید
۳. یجر وید
۴. اتھر وید

ویدوں کو ضبط تحریر میں لانے کی ذامہ داری کشمیر کے ایک ممتاز برہمن "وساکرانے" اس خوف سے کہ کہیں لوگ اس کو بھول نہ جائیں، غالباً آٹھویں یا نویں صدی عیسوی میں قبول کی۔ وہ ایک ایسے ذمہ داری سے عہدہ بر آزما ہوئے جس سے، اس سے پہلے ہر شخص کتراتا تھا۔ (۳)

رگ وید:

"دس منڈلوں (کتابوں)، ایک ہزار سترہ اشلوکوں (نظموں) اور دس ہزار منتروں (اشعاروں) پر مشتمل رگ

---

(۱) رگ وید ایک مطالعہ، سوامی دیانند سرسوتی، ص:۱۸۷-۱۹۰

(۲) ایضاً، ص:۱۵

(۳) اقوام عالم کے ادیان و مذاہب، عبد القادر شیبہ، دار لسلام پبلیشرز، لاہور، طبع دوم، ۲۰۰۰ء، ص:۵۶

ویدبنی نوع انسان کے ہاں موجود کتابوں میں سب سے قدیم ترین کتاب اور ہندو مذہب کا اولین مصدر و سرچشمہ ہے۔ ان میں گیارہ نظموں کا بعد میں اضافہ کیا گیا ہے جنہیں "دال کھلبیہ" کہتے ہیں۔" (۱)

"رگ وید کے اشلوک یا نظمیں مختلف زبانوں کی تصنیف ہیں۔"(۲)

اور مختلف زمانوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان کا ادبی معیار بھی مختلف ہے۔ اور ایسی وزن پر ہے جس کو "رگ" کہا جاتا ہے جس کے ارکان غیر مواسی ہوتے ہیں اور اسی لیے ہی اس کا نام رگ وید رکھا گیا ہے۔ اس کو تین طریقوں سے پڑھا جاتا ہے جس میں ایک تو سادہ طریقہ ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ہر ہر لفظ کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے۔ تیسرا طریقہ جو سب سے افضل مانا جاتا ہے اور جس میں زیادہ ثواب ہے وہ یہ ہے کہ پہلے اس کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا پڑھا جائے اس طرح کہ ہر لفظ صحیح طرح سے ادا ہو۔ پھر اس جملے کو اس طرح دہرایا جائے کہ اس کے ساتھ آگے کا بغیر پڑھا ہوا جملہ بھی ملایا جائے۔ اس کے بعد ملائے گئے جملے کو تنہا پڑھا جائے۔ اور پھر اس جملے کو دہرایا جائے اور اگے کا ایک جملہ اس میں شامل کیا جائے اور اسی طرح خاتمے تک پڑھا جائے تاکہ ختم ہونے تک دو پڑھایاں ہو جائیں۔

"رگ وید میں آگ کی قربانیوں کے احکامات کے علاوہ کائنات میں غور فکر کی دعوت بھی دی گئی ہے۔ اکثر گھجنوں میں فصلوں اور مال مویشوں کی کی درازی عمر کی دعا بھی کی گئی ہے۔ اس بات پر تعجب کیا گیا ہے کہ ایک سرخ گائے کس طرح سفید دودھ دیتی ہے؟ سورج کے طلوع و غروب پر بھی تعجب کا اظہار کیا جاتا ہے اور یہ کہ مسلسل دریاؤں کے چمکتے پانی کے گرنے سے سمندر پھر بھی نہیں بھرتا؟ اس کے علاوہ رگ وید میں اندرا، اگنی، وشنو، برہاسپتی، پرتھوی، دیاس، سوریہ، اساس، واتو، وگریہ دیوتاؤں کی تعریف میں بھجن (۳) گائے گئے ہیں۔"

---

(۱) تاریخ قدیم ہندوستان، ص:۳۴

(۲) مثلاً سنسکرت کی پترمی، زند اکی پتیر می، لاطینی کی پتیر، یونانی کی پاتر اور سنسکرت دولاطینی کے دوداور انگریزی کے ٹو سے مماثل ہے۔ اس کے علاوہ "بیوہ" کے لیے دوسرے قدیم زبانون میں مستعمل الفاظ میں گہری مماثلت ہے مثلاً سنسکرت میں ودھدا، جرمن وٹ دی، لاطینی ویدادا، روسی وڈودا اور اطالی ویودو غیرہ ان تمام الفاظ کا معنی ہے بغیر شوہر والی (ویدک ہند، ص:۱۴)

(۳) ایسا گیت جس میں دیوی کی تعریف کی گئی ہو۔

یجروید:

یجروید مرتب وبار بط قسم کی نظم ہے۔ یہ ایک مشتق لفظ ہے جس کے معنی کانڈن (باب، ربط) کا مجموعہ ہے۔ رگ وید اور یجروید کے درمیان فرق یہ ہے کہ اسے اتصال اور روانی کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے جبکہ رگ وید کو اس طرح پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ آگ اور قربانی کے اعمال رگ وید کی طرح یجروید میں بھی بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے کئی بھجن رگ وید سے ماخوذ ہیں۔

سام وید:

سام کے لفظی معنی خوش الحانی ہے۔ سام وید میں قربانیوں کے علاوہ اوامر ونواہی کا بیان ہے اور اس کو گانے یا بھجنوں کے انداز میں پڑھا جاتا ہے۔ زیادہ تر اس کو قربانی کے موقع پر گایا جاتا ہے۔ تاریخی لحاظ سے سام وید کی اہمیت بہت کم ہے۔ ان تینوں ویدوں کو تری ودیا یعنی علوم ثلاثہ کا نام دیا جاتا ہے۔

اتھروید:

اس میں کل چھ ہزار منتر ہیں جو بیس ادھیاؤں میں تقسیم کئے گئے ہیں تقریباً ایک ہزار دو سو منتر رگ وید کی تعلیمات سے ماخوذ ہیں اس کا زیادہ تر حصہ سحر ونسوں اور جادو کے متعلق ہے۔ نظم کے لحاظ سے بھی یہ پہلے ویدوں سے مختلف ہے اور اس کی قسم کی نظم کو "بھار" کہتے ہیں یہ ناک سے آواز نکالنے کے انداز میں پڑھی جاتی ہے۔ آگ کی قربانیوں کے علاوہ اس میں میت اور میت کے لیے مختلف احکام بتائے گئے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک اتھروید کی موجودہ صورت بعد کی مرتب کردہ ہے اور نہ صرف یہ کہ رگ وید سے مختلف ہے بلکہ فکر کی بے حد ابتدائی حالت کو پیش کرتا ہے۔ رگ وید کا تعلق تمام تر اعلیٰ دیوتاؤں سے ہے جن کے بارے میں خیال یہ ہے کہ وہ اعلیٰ شائستہ و مقدس جماعت ہے۔ اس کے برعکس اتھروید میں شیطانی عالم سے فریاد کی جاتی ہے۔ اور عام لوگوں میں رائج جادو کے تصورات سے معمور ہے۔۔ دونوں یعنی رگ وید اور اتھروید مل کر اپنے مشمولات میں ایک دوسرے کو مکمل کرتے ہیں۔[1]

علوم اور مضامین کے اعتبار سے چاروں ویدوں کو یوں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱. رگ وید۔۔۔ حمد وثنا کا علم

---

(۱) ہسٹری آف انڈین فلاسفی، داس گپتا، ص:۱۸

۲. یجر وید۔۔۔ رسومات قربانی کا علم
۳. سام وید۔۔۔ علم سنگیت یا گائیکی کا علم
۴. اتھر وید۔۔۔ علم سحر و فسوں

چونکہ ویدوں کے پڑھنے کا طریقہ نہایت پیچیدہ اور مشکل رکھا گیا تھا، اور چونکہ ویدوں کا علم، اس کا پڑھنا اور پڑھانا معاشرے کے ایک مخصوص طبقے تک محدود تھا اس لیے ایک خیال یہ بھی ہے کہ زمانہ قدیم یعنی دواپر یگ [۱] میں تمام دینی اور دنیاوی رسومات کے مٹ جانے کے ساتھ وید بھی مٹ گئے تھے۔ [۲]

قدیم مذہبی روایات اور مذہبی علماء کے مطابق رشیوں پر ویدوں کا نزول ہوا تھا۔ [۳] جبکہ جدید اور مادیت پسند ہندوؤں کے نزدیک وید انسانی کاوش کا نتیجہ ہیں اور مختلف خاندانوں کے شاعر پنڈتوں نے انہیں تصنیف کیا ہے۔ وہ ان کو خدا کے الہامی کلام کی بجائے انسانی فکر اور طرز زندگی کے ماٰخذ کی حیثیت سے اہمیت دیتے ہیں۔

جواہر لال نہرو [۴] ویدوں کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"بہت سے ہندو ویدوں کو آسمانی صحیفہ سمجھتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ بڑی بدنصیبی ہے اس لیے کہ انہیں آسمانی صحیفہ سمجھ لینے کے بعد ہمارے لئے ان کی حقیقی اہمیت اس حیثیت سے ختم ہو جاتی ہے کہ وہ انسانی ذہن اور اس کی فکر کے ابتدائی نقوش ہیں۔ حقیقت میں وہ ذہن اور وہ فکر کتنی عجیب و غریب تھی۔ وید اصل میں ایک خاص زمانے کے علم کے مجموعے کا نام ہے۔ اس میں مختلف طرح کی چیزیں جمع ہیں۔۔۔۔ گیت، دعائیں، قربانی کے

---

(۱) دواپر یگ ہندوؤں کے مطابق اس زمانے کا نام ہے جس کے آغاز میں بھلائی و برائی اور دکھ سکھ کا تناسب برابر ہو جاتا ہے پھر رفتہ رفتہ برائی کا تناسب بھلائی اور دکھ کا تناسب سکھ کے مقابلے میں بڑھ جاتا ہے جس کے خاتمے کے لیے برہما کوئی اوتار بھیج دیتا ہے۔ رام کا ظہور بھی اسی زمانے میں ہوا تھا۔ (کتاب الہند، ص:۲۰۶،۲۰۵)

(۲) کتاب الہند، البیرونی، ص:۷۰

(۳) سوامی دیانند سرسوتی اور دوسرے قدیم و جدید علماء کے نزدیک چاروں ویدوں کا ظہور پرمیشور (برہما، وشنو اور شیوا کا مشترکہ نام) سے ہوا ہے۔ اور یہ کہ کائنات سے پہلے بھی وید موجود تھا۔

(۴) جواہر لال نہرو بھارت کے پہلے وزیر اعظم تھے۔ آپ ۱۴ نومبر ۱۸۸۹ء کو الٰہ آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کی وفات ۲۷ مئی ۱۹۶۴ء کو نئی دہلی میں ہوئی۔ انڈین نیشنل کانگریس سے وابستہ رہے۔

رسوم، سحر و افسوں اور حسین فطری شاعری، ان میں نہ عبادت اور نہ ہی پرستش ہے اور نہ دیوی دیوتاؤں کے مندر ہیں۔ ان صحیفوں میں زندگی کا جوش اور ولوولہ ابل رہا ہے۔ ویدک آرین لوگوں میں یہ جوش حیات اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ وہ روحانی مسائل کو ذرا بھی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ وہ صرف ایک مبہم تصور رکھتے تھے کہ موت کے بعد کس قسم کی زندگی ہے اور بس۔" (۱)

"وہ مزید لکھتے ہیں کہ پہلا ویدرک وید غالباً ان کتابوں میں جو نوع انسانی کے پاس موجود ہیں، سب سے پہلا اظہار خیال نظر آتا ہے۔ اس میں شاعری کا کیف ہے اور مسرت کا جوش جو حسن قدرت اور اسرار فطرت کو دیکھ کر پیدا ہوتا ہے۔ انہی ابتدائی گیتوں میں جیسا کہ ڈاکٹر میکنی گول نے کہا ہے: انسانی اولوالعزمی کی ابتدائی کہانی ہے، اس سفر کی کہانی جو انسان نے اپنی دنیا کی حقیقت اور انسانی زندگی کے بھیدوں کے انکشاف کے لیے شروع کیا تھا۔"(۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چاروں وید بالعموم اور رگ وید بالخصوص ایک طرف روحانیت پسند، حق و صداقت اور نجات کے متلاشی ہندوؤں کے لیے مشعل راہ ہے، اور ہندوستان کے مابعد الطعیاتی فلسفہ کی بنیاد ہے۔ تو دوسری طرف مادیت پسند مکتبہ فکر کے لوگ بھی اسی میں ابتدائی انسانی فکر اور طرز زندگی تلاش کرتے ہیں۔ مذہبی عقائد و رسومات کی لڑی اگر ویدی ادب میں پیوست نظر آتی ہیں تو لادینی معاشرت اور سماجی زندگی بھی ویدی ادب کا پرتو ہے۔ عصر جدید کا ہندو معاشرہ بھی اسی جدید و قدیم اور روحانیت پسند اور مادیت پسند عناصر کا امتزاج ہے۔ سیاسی طور پر اگر ہندوستان ایک سیکولر اور لادینی ریاست ہے، سیاسی اور اقتصادی پالیسیاں خالص مادی فوائد اور عالمی حالات کے زیر اثر تشکیل پاتی ہیں تو سماجی اور معاشرتی طور پر روزانہ ہزاروں ہندوؤں کو مذہبی فرائض کو ادا کرتے ہوئے دیکھا جاسکتا ہے۔ مذہبی رسوم اب بھی ان کی زندگی کا اہم حصہ ہے۔

برہمن:

سم ہتا کے بعد ہندومت کے بنیادی ماٰخذ برہمن نامی کتابیں ہیں، جو ادبی حیثیت سے ویدوں سے مختلف اور ممیز ہیں۔ یہ نثر میں ہیں اور عام لوگوں کے لیے ان میں مختلف رسوم کی تشریح ہے۔ جہاں ویدی ادب ہند میں آریاؤں کی ابتدائی دور کا آئینہ دار ہے،

---

(۱) تلاش ہند، جواہر لال نہرو، ص:۹۶،۹۵

(۲) تلاش ہند، جواہر لال نہرو، ص:۹۸

جس میں آریائی پجاری فتوحات کی خوشی سے سرشار اپنے دیوتاؤں کی تعریف میں بھجن گاتے ہیں، وہاں برہمن وار اس کے بعد اپنشد ادب آریاؤں کے اس عہد کی یادگار ہے جب وہ ہند میں سکونت اختیار کرتے ہیں۔ مذہبی، معاشرتی اور سماجی رسوم ورواج اور دستور واخلاق کے بارے میں سنجیدگی سے غور کرتے ہیں۔ برہمن ادب میں اس ابتدائی دور کے نقوش پائے جاتے ہیں۔ آریاؤں کی فطری دور سے عقلی دور میں داخل ہونے کا اظہار ہے۔ پروفیسر میکڈونل کے مطابق برہمن ادب ایسے زمانے کی روح کا مظہر ہے جب ساری عقلی جدوجہد قربانیوں، ان کے رسوم، ان کی قدر وقیمت اور ان کے ماٰخذ پر مرکوز تھی۔[۱]

ویدی بھجنوں کی تصنیف کے وقت، چونکہ قربانی کے رسوم بھی سادہ اور نامکمل تھے جو وقت کے ساتھ ساتھ پیچیدہ ہو گئے، تب برہمن ادب میں مختلف قربانیوں کے فرائض پروہتوں کے مختلف طبقوں میں تقسیم کئے گئے۔ اسی زمانے میں طبقاتی تقسیم اور ذات پات کے نظام کی بنیادیں استوار کی گئیں۔ برہمن دور کی تمام تر مذہبی تعلیمات قربانی اور اس کی رسوم، ایسے ہی ریاست کے مقدس اور علامتی نظام کی تشکیل کے اصولوں کی عکاسی کرتی نظر آتی ہیں۔، جس کی بنیادوں پر آرن یک، اپنشدوں اور تمام تر ہندی فلسفہ کی عمارت بنائی گئی ہے۔

آرن یک:

برہمن کی مزید ترقی آرن یک یا بن باسی تصانیف ہیں، یہ ان بوڑھوں کے لیے لکھی گئی تھیں جو بن باسی لے کر جنگلوں، بیابانون میں غوروکر زندگی گزارتے تھے اور مکمل رسوم اور قربانی کے عمل کو ادا کرنے سے معذور تھے۔ اس لیے کہ قربانی کے لوازمات اور ضروریات کا تصور اس وقت ممکن نہیں تھا۔ ان تصانیف میں ان مراقبوں اور علامات کا ذکر ہے جو قربانی کے ان رسوم کے قائم مقام سمجھی جاتی تھیں اور جن کے بارے میں خیال تھا کہ سنیاسی زندگی کے ان علامات اور مراقبے کو دوسرے رسوم پر فوقیت حاصل ہے۔ رفتہ رفتہ ان علامات نے ان قربانیوں اور رسوم کی جگہ لینا شروع کیا اور سادہ فطری رسومات کی بجائے فلسفیانہ خیالات قائم ہوتے چلے گئے۔ اس کی مثال برپد آرن یک [۲] کے اس عبارت میں ملتی ہے جس میں واقعی گھوڑے کی قربانی

---

(۱) داس گپتا بحوالہ ہسٹری آف انڈیا، ص:۱۸

(۲) آرن یک سنیاسیوں کے لیے ہدایت نامہ، یعنی جو لوگ غریب اور مفلس تھے انھوں نے اپنی روحانی تشنگی بجھانے کے لیے آبادیوں کو چھوڑ کر جنگلوں کا رخ کیا وہ تنہائی میں رہ کر زندگی کے مسائل اور مذہبی حقائق پر غوروخوض کیا کرتے، نئے لوگ جو آبادیوں کو خیر آباد کہتے وہ پہلے سے جنگل میں آباد مذہبی مفکرین کی شاگردگی اختیار کرتے جو اپنا علم نئے آنے والوں کو سکھاتے تھے۔ اس طرح ویدک ادب کا جو حصہ وجود میں آیا اسے ارن یک

(اشومیدھ یگیہ) کرنے کی بجائے صبح (اوشا) کو گھوڑے کا سر، سورج کو اس کی آنکھ اور ہوا کو اس کی زندگی تصور کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔[۱]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آرن یک دور میں قربانی کے پیچیدہ رسوم کی حقیقی ادائیگی پر فکر یا مراقبے اور سادہ طبعی پر فلسفیانہ اور مابعد الطبیعیاتی علامات کو ترجیح دی جاتی تھی۔ معروضی رسومات کی جگہ موضوعی فکر اور اس کی نشونما کو ترقی دی جانے لگی۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آرن یک کا زمانہ وہ تھا جس میں آزاد خیالی آہستہ آہستہ رسوم کی ان پابندیوں کو قطع کرتی رہی، جس نے ایک عرصے تک اس کو پابند کر رکھا تھا۔ یوں آرن یک نے قدیم ویدی دور میں رائج رسومات کو ترک کر کے آزاد خیالی، الحاد اور مادیت پسند مکتبہ فکر کے لیے راستہ ہموار کیا۔ اپنشدوں کی بنیاد بھی آرن یک تصانیف ہیں۔ جن سے ویدں میں موجود فلسفیانہ افکار کی احیا اور ان کو ترقی ملتی ہے اور اپنشد ہندی فلسفے کا ماخذ بن جاتے ہیں۔

اپنشد:

اپ نشد کا کلمہ سنسکرت زبان کے دو لفظوں سے مل کر بنا ہے۔ اَپ یعنی "نزدیک" اور شُد یعنی بیٹھنا۔ یعنی قریب بیٹھنا ہے۔ اپنشد سے مراد گرو، اور چیلوں، استاد اور شاگرد، پیرو اور مرید کا بحث و مباحثہ کے وقت ایک دوسرے کے قریب بیٹھنا ہے۔ جبکہ ایک دوسری لغوی تعریف میں ہے کہ: اپنشد کا لفظ دراصل تین لفظوں سے مل کر بنا ہے۔ "اپا" جس کے معنی قریب، "نی" جس کا مطلب ہے نیچے اور "شد" یعنی بیٹھنا گویا اپنشد کا مطلب ہے قریب ہو کر زمین پر بیٹھنا، جس طرح شاگرد اپنے استاد کے ساتھ بیٹھتے ہیں۔[۲]

اصطلاح میں اپنشد ہندوؤں کی ان کتابوں کو کہتے ہیں جنہیں مختلف، رشیوں، جوگیوں، اور سنتوں، نے پانچ سو سے لیکر آٹھ سو قبل مسیح میں مرتب کیا تھا۔ ان کے مرتب کرنے کی صورت کے بارے میں یہ رائے ہے کہ گرو اپنے ہونہار چیلوں کو خطبوں کی صورت میں وعظ کیا کرتے تھے جن کو مرتب کر کے ہی اپنشد کی تکمیل ہوئی ان خطبوں کی تعداد مشہور مصنف "داس گپتا" کی تحقیق

(جنگل میں تصنیف کردہ) کہا گیا ہے۔ (ارتھ شاستر، اچاریہ چانکیہ، قومی کونسل برائے اردو، نئی دہلی، طبع ۲۰۰۲ء، ص:۴۸)

(۱) داس گپتا بحوالہ ہسٹری آف انڈیا، ص:۲۰

(۲) بھگوت گیتا، رائے روشن لعل ایم اے، فکشن ہاؤس، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص:۲۷

کے مطابق ۱۱۲ تھی جبکہ چارلس اے مور کے مطابق ان کی تعداد ۲۰۰ تھی۔ (۱)

ہندومت میں اپنشد کی تعلیمات نظریاتی اور معاشرتی اعتبار سے ایک اہم تبدیلی سمجھی جاسکتی ہے۔ اپنشدی اصول اور ان کا فلسفہ ایک طرف ویدی معاشرے میں موجود طبقاتی تقسیم اور کشمکش کا آئینہ دار ہے دوسری طرف برہمنی ذہنیت اور ان کے وضع کردہ پیچیدہ رسوم سے بیزاری اور بغاوت کا اظہار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندی معاشرے میں ان کے دور رس اور دیرپا اثرات مرتب ہوئے ہندی معاشرے میں موجود ملحدانہ اور لادینی افکار، فلسفہ لاادریت، اور فلسفہ مادیت کی جڑیں اپنشدی اصولوں میں پیوست ہیں۔ اور بقول ول ڈیورنٹ، اپنشد ہزاروں سالوں سے مذہب اور فلسفے کا ٹکراؤ پیش کرتے ہیں۔ (۲)

اپنشد جن کا زمانہ ۸۰۰ قبل مسیح میں شروع ہوتا ہے ہندو آریائی فکر کی جانب بہت بڑا قدم ہے۔ اپنشد کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ یہ آرن یک کے ضمیمے ہیں اور آرن یک برہمنوں سے متعلق ہیں۔

اہم مضامین:

اپنشد میں مذہبی رسوم، شعائر سے الگ ہٹ کر ان میں کائنات اور اس سے انسان کے رشتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اُصولی طور پر اپنشدوں کی تعلیمات کی بے باکی، ویدی قربانیوں اور کرم مارگ سے انحراف، برہمنی ذہنیت کی بجائے غیر برہمنی رویئے کے اظہار پر مبنی ہے۔ اسی طرح اپنشد کے بعض قصوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ برہمن کھشتریوں کے پاس فلسفے کی تعلیم حاصل کرنے جایا کرتے تھے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کھشتریوں میں فلسفے کی تحقیق کی زبردست جستجو تھی۔ (۳)

ان مضامین کے علاوہ ایک رائے یہ ہے کہ اپنشد کے اندر غالب رجحان اور جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔ وہ وحدت الوجود کا نظریہ ہے۔ یہ حقیقت ویدک ادب کے برہمن حصہ میں ہی سامنے آگئی تھی کہ برہمن ہی ایک حقیقت ہے۔ جو کائنات کی سبھی چیزوں کے پیچھے ہے اور یہ کہ قربانی میں پڑھے جانے والوں منتروں میں ہی اس کا سب سے بڑا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن اپنشد کے اندر اس نظریہ میں کچھ کچھ مزید ارتقاء ہوا۔ اور اس کو ایک اعلیٰ مذہبی حقیقت کے طور سے بڑے شدومد کے ساتھ بیان کیا گیا۔ اپنشد میں برہمن کے قربانی کے ساتھ تعلق کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اسے بذات خود کائنات کی بنیادی حقیقت کے طور سے

---

(۱) داس گپتا بحوالہ ہسٹری آف انڈیا، ص:۴۶

(۲) ہندوستان، ول ڈیورانٹ، ص:۳۳

(۳) داس گپتا بحوالہ ہسٹری آف انڈیا، ص:۴۴

بیان کیا گیا۔ اپنشد کا ایک اہم موضوع برا ہمہ بھی ہے۔ جو تمام کائنات کی روح اعظم ہے۔ ساری کائنات پر مستولی ہے۔ مذکر ہے نا مونث، یہ وہ قوت عظیم ہے جو تمام طاقتوں پر غالب ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ نہ کسی کو بخش سکتی ہے نہ سزا دے سکتی ہے۔ اپنشد کی تعلیمات کے مطابق نجات کا زریعہ ریاضت ہے۔ اور یہ کہ مجاہدات کے ذریعے تمام نفسانی خواہشات کو کچل کر اپنی روح کو کائنات میں مدغم کیا جا سکتا ہے۔ اس میں نجات کے طریقے بھی بتائے گئے ہیں تناسخ بھی اس میں شامل ہے۔[۱] ڈاکٹر رادھا کرشن[۲] کے مطابق صداقتوں کی تلاش اپنشدوں کی تعلیمات کا مرکزی موضوع ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"صداقت سے مراد ایسا علم جو غلطیوں کو تباہ کر دے اور انسان کو صداقت تک رسائی حاصل کرنے کے قابل بنائے۔"[۳]

رامائن:

رامائن یعنی، رام کی مہمات، سنسکرت رزمیہ داستانوں میں سب سے پرانی ہے۔ ایک خیال کے مطابق یہ پانچ سو سال پرانی ہے۔ اس کو ہندو سادھو "ولمیکی" کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ ولمیکی نے اس کو اس وقت نظم کی صورت میں میں مرتب کیا جب رام کی بیوی سیتا جنگل میں اس کے ساتھ ٹھہری ہوئی تھی۔ اس کو موجودہ شکل ایک یا دو سو برس بعد ملی۔ قدیم رامائن کے علاوہ ایک اور رامائن جو نسبتاً جدید دور کی ہے۔ "ادھیاتم" رامائن کہلاتی ہے اس کا مصنف ویاس کو قرار دیا جاتا ہے۔ اس میں رام کو انسان کی بجائے ایک دیوتا بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ جو انسانیت کو دکھوں سے نجات دیتا ہے۔[۴]

اہم مضامین:

رامائن میں رام چندر کی زندگی اور کارنامے، رام اور سیتا کی محبت، راون کی سیتا کے ساتھ زیادتی، رام اور راون کی جنگ کو بیان کیا گیا ہے یہ سات کانڈوں یا سات حصوں میں تقسیم ہے۔

---

(۱) داس گپتا بحوالہ ہسٹری آف انڈیا، ص:۴۳

(۲) ڈاکٹر رادھا کرشن، بھارتی سیاستدان، فلسفی اور بھارت کے ممتاز مفکر تھے۔ آپ کی پیدائش ۵ ستمبر ۱۸۸۸ء اور وفات ۱۷ اپریل ۱۹۷۵ء کو ہوئی۔ آپ آزاد بھارت کے دوسرے نائب صدر تھے۔ اوکسفرڈ یونیورسٹی کے شعبہ اخلاقیات سے بھی وابستہ رہے۔ (دی لیجنڈ سرویلی رادھا کرشن، ۱۰/۱۱)

(۳) امولیہ رنجن، مہاتیر، فلسفہ مذاہب، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص:۱۶۳

(۴) ہندوازم تعارف و مطالعہ، عبدالحمید نعمانی، مکتبہ الہند، مراد آباد، یوپی، طبع ۲۰۰۹ء، ص:۴۳

۱. بال کانڈ
۲. ایودھیا کانڈ
۳. آرنیہ کانڈ
۴. کش کندھیہ کانڈ
۵. سندر کانڈ
۶. یدھ کانڈ
۷. اتر کانڈ

رامائن کی پوری داستان کا خلاصہ سلطنت کوشل کی راجدھانی ایودھیا، جسے سوریا ہنسی نے تعمیر کیا تھا۔ کی بادشاہت کے سلسلے میں دو بیویوں کے مختلف بیٹوں کے ولی عہد بننے کے اختلاف پر مبنی ہے۔ اور سیتا جو رام کی بیوی تھی اسے جنگل بدر کرنے کے متعلق ہے۔ داستان کے آخری حصے میں رام اور اس کے بھائیوں کی موت اور ہندو نظریات پر مرنے کا واقعہ نیز سیتا کی ایودھیا واپسی اور شہرت بھی رامائن کے اختتامی مضامین کا حصہ ہیں۔[۱]

بھگوت گیتا:

بھگوت گیتا مہابھارت کا وہ حصہ ہے جس میں شری کرشن[۲] نے ارجن کو دینیات، اخلاقیات، اور سماجی زندگی کا درس دیا جو ہندو معاشرے کے ہر فرد کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے۔ ہندوؤں کے ہاں گیتا کو وہ تقدس حاصل ہے کہ مندروں میں اس کی قسم کھائی جاتی ہے۔ نیز عملی زندگی میں گیتا کو ویدوں سے بھی برتر خیال کیا جاتا ہے۔ ہندو عالم کرپا مورتی کی کا کہنا ہے کہ:

گیتا سورج دیوتا کو سنائی گئی کیونکہ وہ کھشتری ہے[۳]، اور تمام کھشتری سورج دیوتا دسوان کی اولاد ہیں جو ان کا باپ ہے۔ یہ

---

(۱) مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، لیوس مور، مترجم: یاسر جواد، نگارشات پبلشرز، لاہور، طبع ۲۰۰۳ء، ص ۱۶۵، ۱۶۶

(۲) شری کرشن ہندومت کے مذہب کے آٹھویں اوتار ہیں۔ سنسکرت میں کرشن سیاہ کو کہتے ہیں۔ شری کرشن کو بھگتی کا معلم اعظم کہا جاتا ہے۔ بھگوت گیتا انہی کی تعلیمات کا خلاصہ ہے۔ (مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، لیوس مور، نگارشات پبلشرز، لاہور، طبع ۲۰۰۳ء، ص: ۱۵۹)

(۳) کھشتری، ہندوؤں کا ایک قبیلہ ہے جو جنگجو اور انتظامی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ ہندوستان میں ان کا مسکن راجپوتانہ، پنجاب، شمالی ہندوستان میں رہا ہے۔

انسانی سماج میں بیس لاکھ سال سے موجود ہے ۔ بھگوان کرشن نے اسے پانچ ہزار سال پہلے ارجن کو سنایا تھا ۔[۱] بھگوت گیتا ہندومت کا سب سے مقدس الہامی صحیفہ ہے۔ اٹھارہ ابواب اور سات سو شلوک پر مشتمل یہ کتاب دراصل مہابھارت کے باب ۲۳ تا ۴۰ کا حصہ ہے۔ بھگوت گیتا کے لفظی معنی نغماتِ حب یا محبت کے گیت کے ہیں۔ گیتا کے دنیا کی ہر معروف زبان میں تراجم ہو چکے ہیں۔ بھگوت گیتا وشنو بھگوان کے اوتار شری کرشن اور پانڈو خاندان کے بہادر جنگجو ارجن کے مابین مکالمے کی منظوم صورت ہے۔ گیتا کا پس منظر جنگ کا میدان ہے (جو در حقیقتاً زندگی کا استعارہ ہے)۔ جہاں ارجن جیسا بہادر سورما جب اپنے ہی اہل خانہ کو دولت اور اقتدار کی خاطر کشت و خون پر آمادہ دیکھتا ہے تو شدید باطنی کرب اور ذہنی کشمکش کا شکار ہو جاتا ہے۔ جنگ کی ہولناکی اور قتل عام کا سوچ کر وہ آبدیدہ ہو جاتا ہے، اور اپنے ہتھیار پھینک دیتا ہے۔ ایسے میں بھگوان کرشن غیب سے نمودار ہوتے ہیں اور پھر ارجن اور کرشن کے مابین مکالمے کا آغاز ہوتا ہے۔ جو اپنے آپ میں نہایت عمیق آفاقی پیغام لئے ہوئے ہیں۔

اہم مضامین:

گیتا کو ہندو ادب میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ مترجم گیتا یاسر جواد گیتا کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

> "گیتا اس دور کی کتاب ہے جب شمالی ہند پر آریوں کا تسلط قائم ہو چکا تھا۔ اور تفوق و برتری کے لیئے خود آریوں کے دو با اثر خاندانوں میں کش مکش ہو رہی تھی۔ یہ کتاب ہم کو کرشن جی جیسے مذہبی پیشوا کی زبان سے جنگ کے متعلق ہندوؤں کے فلسفیانہ افکار کا علم دیتی ہے۔"[۲]

صاحبان ساری گیتا کا نچوڑ اسی اشلوک میں ہے کہ:

> "آتما امر ہے۔ یہ کبھی فنا نہیں ہوتی۔ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔"[۳]

کھشتری کا دھرم یہ ہے کہ وہ دل و جان کے ساتھ یدھ میں حصہ لے اور دشمن پر فتح حاصل کرے یا خود مٹ جائے۔ دھرم یدھ نہ کرنا (مذہبی جنگ) یا میدان جنگ سے بھاگنا گناہ عظیم ہے۔ جو اسے سیدھا جہنم میں لے جاتا ہے۔ مہاتما گاندھی کا کہنا تھا کہ گیتا کہتی ہے کہ:

---

(۱) ہندو کا ہمدرد، مولانا امیر حمزہ، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص:۱۵۲

(۲) بھگوت گیتا، مترجم: یاسر جواد، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص:۲۵

(۳) ایضاً

"نتیجہ کی فکر چھوڑ اور عمل کرو۔ امید چھوڑو اور عمل بے لوث کرو۔ یہ گیتا کی ایک ناقابل فراموش نصیحت ہے۔ جو عمل چھوڑتا ہے وہ گرتا ہے۔ عمل کرتے ہوئے جو اس کے نتیجے سے بے نیاز ہوتا ہے اسے اوج نصیب ہوتی ہے۔"(۱)

گیتا کا خلاصہ تین حصے ہیں جنہیں تین راہیں کہا جاتا ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱. کرم
۲. جنان
۳. بھگتی

ان میں وجۂ حصریوں بیان کی جاسکتی ہے کہ سب سے پہلے راہ علم ہے جس سے انسان کو حقیقت جاننے میں مدد ملتی ہے۔ جو کہ کرم ہے دوسری جنان یعنی راہ عمل ہے۔ جس کے بارے میں گیتا کی تعلیم یہ ہے کہ بے لوث ہو کر عمل کرو۔ بھگتی (رام کی پوجا، عبادت) کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ انسان میں شدید تمنا پیدا کرتا ہے۔(۲)

پران:

پران بھی ہندومت کے مذہبی لٹریچر کا اہم مصدر اور جزو سمجھا جاتا ہے۔ پران کے معنی قدیم یا ابدی ہیں۔ پران سے مراد وہ مذہبی کتابیں ہیں جو رزمیہ نظموں کے بعد لکھی گئی تھیں۔ ان میں کائنات، اس کی ابتدا اور اس کی تاریخ پر مبنی معلومات ہیں۔ اس کے علاوہ بادشاہوں اور سپوتوں کے کارنامے، اور شجرہ نسب بھی موجود ہے اور اس پر تفصیلی بحث بھی کی گئی ہے۔ پرانوں کی کل تعداد اٹھارہ بتائی جاتی ہے۔ ان میں سے اکثر کے نام انسانوں، جانوروں، اور فرشتوں کے نام پر رکھے گئے ہیں۔ جس کا سبب یہ ہے کہ جس پران میں جس نوع کا حال بیان کیا گیا ہے اس کا نام اسی مناسبت سے رکھ دیا گیا ہے۔(۳) اٹھارہ پرانوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں:(۴)

---

(۱) بھگوت گیتا، مترجم: یاسر جواد، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۰ء، ۴/۴۱-۴۲

(۲) ایضاً، ص:۳۵

(۳) وشنو پران، بحوالہ بنسی لال جی، ہٹوال، انمول وچن سہ ماہی، پریم گیت والیم نمبر ۶، اگست، ۲۰۰۵ء، ص:۳۴

(۴) بھاگوات پران، بحوالہ بنسی لال جی، ہٹوال، انمول وچن سہ ماہی، پریم گیت والیم نمبر ۵، مئی، ۲۰۰۵ء، ص:۴۴

۱. آدمی پران
۲. میتا پران
۳. کرماپران
۴. وراہاپران
۵. نرسمہاپران
۶. وامن پران
۷. وایوپران
۸. نندا پران
۹. سکند پران
۱۰. آدتیہ پران
۱۱. سوماپران
۱۲. سامبایونی پران
۱۳. برہمانڈ پران
۱۴. مارکنڈیہ پران
۱۵. ت ہندوکاہمدرد، ارکشیہ پران
۱۶. وشنو پران
۱۷. برہما پران
۱۸. بھوشیہ پران

تجزیہ:

دنیا میں بہت سے مذاہب موجود ہیں اور ان کے ماننے والے بھی ایک بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ ہر مذہب اپنے خد وخال، اصولوں، قوانین، کے اعتبار سے دوسرے مذاہب سے مختلف ہے۔ اس کی بنیادی وجہ الہامی مذاہب میں توکتبِ مذہب ہے اور غیر الہامی مذاہب میں اس مذہب کے بانی کی تعلیمات جو مدون و مرتب شکل میں موجود ہوں۔ مذاہب عالم میں ہندومت قدیم ترین مذہب ہے۔ اس کے مذہبی، سماجی، معاشرتی اور معاشی زندگی کے اصول وضوابط کا ماخذ کوئی خاص کتاب، مخصوص فرد یا جماعت کے

افکار یا تعلیمات نہیں بلکہ ایک ادب ہے جو ہزار ہا سال کے طویل زمانے پر پھیلا ہوا، سینکڑوں افراد کے ذہنی کاوش کا نتیجہ ہے۔ اس تمام مذہبی کُتب کو چھ عنوانات کے تحت رکھا جاسکتا ہے جن کی ترتیب یوں ہے:

(۱) شروتی (۲) سمرتی (۳) اتہاس (۴) پران (۵) آگم (۶) درشن

اسی طرح دوسری تقسیم ہندومت کے مذہبی لٹریچر کی ویدوں کے اعتبار سے ہے جس میں مذہبی کتب کو وید کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اسی طرح وید بھی جاننے، ہونے، حاصل کرنے یا غور و فکر کرنے کو کہا جاتا ہے۔ ویدی مضامین میں یہ تمام مفاہیم پائے جاتے ہیں، تاہم اصطلاحاً "وید" کے معنی "جاننا" لیے جاتے ہیں،۔ وید ایشور کی طرف سے نازل کی گئی الہامی کتابیں تسلیم کی جاتی ہیں۔ اپنے ہی نور سے منور ہیں اور تمام دیگر علمی کتابوں کو ضیاء بخشتی ہیں، روایات کے مطابق پہلے ایک وید تھا بعد میں پراشر کے بیٹے دیاس نامی شخص نے لوگوں کی سہولت کے لیے اس کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ اب سم ہتا یعنی مجموعے (وید) کل چار تسلیم کیے جاتے ہیں:

- رگ وید
- سام وید
- یجر وید
- اتھر وید

ان ویدوں کو مدون اور ترتیب و تحریر میں لانے کی ذامہ داری کشمیر کے ایک ممتاز برہمن "وساکرانے" اس خوف سے کہ کہیں لوگ اس کو بھول نہ جائیں، آٹھویں یا نویں صدی عیسوی میں قبول کی۔ ان ویدوں میں اشعار، منتر، اشلوک اور قدیم زمانوں کی مختلف تہذیبوں کی حالت ہے۔ مختلف افراد و مخلوقات کی قربانیوں کے علاوہ کائنات مین غور و فکر کی دعوت بھی ملتی ہے۔ اتھر وید میں چھ ہزار منتر ہیں جو بیس ادھیاؤں میں تقسیم کئے گئے ہیں۔ تقریباً ایک ہزار دو سو منتر رگ وید کی تعلیمات سے ماخوذ ہیں اس کا زیادہ تر حصہ سحر و فسوں اور جادو کے متعلق ہے۔ اور باقی حصے میں مختلف مضامیں بیان کئے گئے ہیں۔

علوم اور مضامین کے اعتبار سے چاروں ویدوں کو یوں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

رگ وید۔۔۔ حمد و ثنا کا علم

یجر وید۔۔۔ رسومات قربانی کا علم

سام وید۔۔۔ علم سنگیت یا گائیکی کا علم

اتھر وید۔۔۔ علم سحر و فسوں

علاوہ ازیں یہ بھی ایک بہت اہم اصول تھا کہ ویدوں کو ہر شخص پڑھ بھی نہیں سکتا تھا بس مخصوص افراد ہی اس کو پڑھ اور پڑھا

سکتے تھے۔

فصل دوم: ہندومت کا فلسفہ نجات

نجات کا مفہوم:

لغوی اعتبار سے نجات کے متعدد معانی و مطالب ہیں۔ یہ لفظ نجات، نجو (ن۔ج۔و) سے مشتق ہے اور گرامر کے لحاظ سے یہ ثلاثی مجرد کے وزن پر، نجا، ینجو، نجاۃ، نجوا، ہے جبکہ زیادہ تر اس کا مصدر نجاۃ ہی مستعمل ہے۔ اور یہ درجہ ذیل معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

النجا: الخلاص من الشی: یعنی کسی چیز سے چھٹکارہ پانا، ونجوت من کذا، میں نے فلاں سے چھٹکارہ پایا۔

والصدق منجاۃ: اور سچائی نجات دینے والی ہے۔ وانجیت غیری، ونجیتہ، میں نے اپنے غیر کو بچالیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ﴾[1]

(کہ آج ہم تیرے بدن کو محفوظ رکھیں گے۔ اسی طرح قرآن حکیم میں ایک اور جگہ ارشاد ہے۔)

﴿وكذلک نُنجِي الْمُؤْمِنِينَ﴾[2]

(اور اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں۔)

ابو العباس سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ضمن میں روایت ہے کہ "إنا منجوک وأهلک" بے شک ہم تجھے اور تیرے اہل کو نجات دیں گے۔ یعنی تجھے اور اہل کو عذاب سے چھٹکارا دیں گے۔

والنجو والنجاة: ما ارتفع من الأرض فلم يعله السبيل

یعنی نجو اور نجات سے مراد بلند سطح زمین ہے جس تک پانی نہ پہنچ سکے۔

نجات کا ایک معنی تیز رفتار اونٹنی جو اپنے سوار کو نجات دے دے بھی آتا ہے، یعنی "الناجیۃ، والنجاۃ" اور ایسے اونٹ کو "بعیر

---

(۱) سورۃ التوبۃ: ۹۲

(۲) سورۃ الانبیا: ۸۸

ناج"یعنی تیز رفتار اونٹ کہتے ہیں۔[۱]

عقیدہ بعد الموت (آخرت) اور نجات:

دنیا میں کیے گئے اعمال کی بنیاد پر موت کے بعد سزا و جزا ملنے کے تصور کو عقیدہ بعد الموت یا عقیدہ آخرت کہا جاتا ہے۔ اپنے مفہوم کے اعتبار سے عقیدہ بعد الموت کا مطلب یہ سوال ہے کہ موت کے بعد کیا ہو گا؟ نوع عالم میں عقیدہ بعد الموت یعنی مرنے کے بعد کے متعلق عقیدے کی تین قسمیں رائج ہیں:

۱) جسم کے ساتھ روح کا بھی ہمیشہ کے لیے فنا ہو جانا

۲) اپنے اعمال کا اچھا یا برا ثمر حاصل کرنا

۳) اپنے اعمال کے مطابق دوسری صورت میں جنم لینا

پہلا عقیدہ گمراہی کی حد کو پہنچے ہوئے منکرین خدا کا ہے۔ دوسرا یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کا ہے۔ جبکہ تیسرا عقیدہ ہندوؤں کا ہے۔ جو تناسخ کے نام سے مشہور ہے۔

قیامت انسان کے اعمال کی سزا و جزا اور جنت و دوزخ کا تصور مختلف مذاہب میں مختلف ناموں کے ساتھ رائج ہے۔ اسلام اور ہندو دھرم میں بھی یہی عقیدہ بعد الموت کے متعلق تصورات مختلف ہیں۔ مسلمان اور ہنود اس بات پر متفق ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کا جسم فنا ہو جاتا ہے۔ بلکہ اسے دنیا میں کیے ہوئے اعمال کا بدلہ دیا جاتا ہے۔

لیکن یہ بدلہ کس طرح دیا جاتا ہے؟ یہ بدلہ کس معیار پر دیا جاتا ہے انسان کی نجات کے لیے کیا اعمال و شرائط درکار ہیں؟ اسکی بابت میں دونوں مذہب میں شدید اختلاف ہے۔

موت:

اصطلاح عام میں انسانی جسم سے روح کے نکلنے کو "موت" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔[۲] لیکن تمام مذاہب میں موت کو روح نکلنے کا نام نہیں ہے، کیونکہ موت واقع ہونے کے بعد صرف انسانی جسم کی حقیقت ختم ہو جاتی ہے جبکہ روح فنا نہیں ہوتی بلکہ یہ دوسرے جہاں میں منتقل ہو جاتی ہے۔ موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس سے کسی صاحب عقل کو انکار نہیں۔ دینا کی جتنی بھی مخلوقات

---

(۱) لسان العرب، ۱۵/۴۰۳

(۲) شرح العقائد النسفية، علامہ سعد الدین تفتازانی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص:۱۹۸

ہیں، اگر چہ کچھ زیادہ عرصہ رہتے ہیں۔ اور کچھ کم عرصہ، ان سب کو ایک دن اس دنیا سے کوچ کر جانا ہوتا ہے قرآن مجید نے اس بات کو انتہائی فصاحت کے ساتھ بیان کیا ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾[1]

(ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور تم سب ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے۔)

اسی کو بھگوت گیتا میں یوں بیان کیا گیا ہے:

جاتسی ھی دھروو مرتی دھروم جنسا[2]

ہر جنم لینے والے کی موت اور ہر مرنے والے کا جنم یقینی ہے۔

جنت (سورگ):

مذہبی عقائد کے مطابق جنت یا سورگ ایک خوبصورت اور دلکش مقام ہے جہاں مرنے کے بعد نیکوں اور نجات پانے والوں کے لیے کئی نعمتیں ہونگی۔

مذہب اور راہِ نجات:

عبادات و مناجات، اور مذہبی رسوم ورواج اور اپنے مذہب پر پابند رہنے کی دعا در حقیقت نجات ہی ہے۔ اگر کوئی مذہب اپنے پیروکاروں کو نجات دلانے کا دعویدار ہی نہ رہے تو پھر اس مذہب کی حیثیت سوائے اخلاقی نظام کے کچھ بھی نہیں رہتی اور وہ بھی اس بدلتے ہوئے وقت میں لوگوں کے ذہنوں سے اوجھل ہونا شروع ہو جاتا ہے یا پھر وہ پوری طرح مسخ ہو کر نئی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ چنانچہ مذہب اور انسان کی نجات ایسے دو امور ہیں جو ایک دوسرے وابستہ ہیں۔ جب مذہب خدا کی بابت تعلیم دیتا ہے تو ادھر اسکی رضا و ناراضی کے متعلق رہنمائی بھی کرتا ہے۔ رضائے الٰہی کے ضامن اعمال نیکی یا ثواب اور اس کے برخلاف بدی یا گناہ ہے۔ ثواب اور گناہ کے تصور سے ہی ہماری نجات کا تصور وابستہ ہے۔ دنیا کے ہر مذہب کی طرح ہندو دھرم اور اسلام نے نجات کے لئے طریقے بتائے ہیں۔ چونکہ نجات بھی دراصل عقیدہ بعد الموت کی ہی ایک کڑی ہے لہذا اس باب میں ہم عقیدہ بعد الموت کے ساتھ ان دونوں مذاہب میں نجات کے متعلق بھی جانیں گے۔

---

(۱) سورۃ الزمر، ۳۹/۵۷

(۲) بھگوت گیتا، دھیائے ۲، اشلوک ۳۷، مترجم: یاسر جواد، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۲ء

ہندو مذہب اور عقیدہ بعد الموت:

ہندو دھرم میں عقیدہ بعد الموت مختلف قسم کے ابہامات اور تضادات سے پُر ہے۔ ہندو مت میں جنت و دوزخ کا تصور بھی ہے اور تناسخ کرم اور سمسار کا نظریہ بھی۔ قیامت کا تصور بھی ہندو دھرم کے کچھ فرقوں میں رائج ہے لیکن اکثریت اسکی منکر ہے۔ جس عقیدے کو ہندو دھرم کے بنیادی عقائد میں شمار کیا جاتا ہے وہ تناسخ ہے۔ اس کے علاوہ سورگ اور نرگ کا تصور بھی اکثریت تسلیم کرتی ہے۔

موت:

اپنشد اور گیتا کی بیشتر تفاسیر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندو فلاسفہ کے نزدیک روح غیر فانی ہے۔ گیتا میں شری کرشن سے منسوب بیان کے مطابق روح ہمیشہ قائم رہتی ہے مگر اپنے اعمال کی بناء پر ہر جنم میں اجسام بدلتی رہتی ہے۔ وہ اسکی جاودانی اور ابدیت پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ: ''اس روح کو اسلحہ وغیرہ نہیں کاٹ سکتے! آگ اسے نہیں جلا سکتی۔ پانی اسے نمناک نہیں کر سکتا اور نہ ہی ہوا اِسے خشک کر سکتی ہے۔ یہ ناقابل تقسیم ہے۔ جس میں سوراخ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ناقابل آتش زنی ہے اسے جلایا نہیں جا سکتا۔ یہ ناقابل نمناک ہے اسے گیلا نہیں کیا جا سکتا۔

''بلاشبہ یہ روح عالمگیر، لازوال، مستحکم اور ابدی ہے۔''(۱)

''سب کے جسم میں یہ روح ناقابل ہلاک ہے۔ سو تمہیں ان سب کا غم نہیں کرنا چاہیے۔''(۲)

دیگر مذاہب کی طرح ہندو مت میں بھی روح قبض کرنے والی ایک مقدس ہستی یا دیوتا کا تصور ملتا ہے جسے ''یم راج'' کہا گیا ہے۔ یم راج خدا کے حکم سے دنیا میں انسانوں کی روح قبض کرتا ہے اور اسے دوسرے جہاں میں لے جاتا ہے۔ یعنی موت عطا کرتا ہے۔

موت کیا ہے؟ اس بارے میں ہندو مت کے مقدس صحائف کافی حد تک خاموش نظر آتے ہیں۔ تاہم اپنشد میں اس پر کچھ بحث کی گئی ہے۔ کٹھ اپنشد کے ایک مکالمے میں نچکیتا یم راج سے موت کی حقیقت دریافت کرتا ہے تو یم راج اس بارے میں کچھ نہیں بتاتا۔ اس مکالمے کا یہ مرکزی حصہ ملاحظہ کیجئے:

---

(۱) بھگوت گیتا، اھیائے ۲، اشلوک ۲۴/۲۳

(۲) ایضاً، ادھیائے ۲، اشلوک ۳۰

مرنے پر یہ شک اٹھا کرتا ہے کہ بعض کہتے ہیں آدمی کا وجود ہوتا ہے جبکہ بعض کہتے ہیں وہ نیست (فنا) ہو جاتا ہے۔ اے یم راج میں تجھ سے یہ جاننا چاہتا ہوں میری خواہشوں میں تیسری خواہش یہی ہے۔ (یم راج کہتا ہے) زمانہ قدیم میں دیوتاؤں کو بھی اس بارے میں شک ہوا تھا۔ یہ دھرم بہت دقیق ہے، آسانی سے سمجھ نہیں آتا۔ پس اے نچکیتا! کچھ اور طلب کر، اور اس پر اصرار نہ کر بلکہ اس بات کو چھوڑ دے۔

اے یم راج! تُو کہتا ہے کہ دیوتاؤں کو بھی اس بارے میں شک ہوا تھا۔ اور اسکا راز سمجھنا آسان نہیں ہے۔ مگر تجھ جیسا استاد اور اس جیسی طلب اور کوئی نہیں ہے۔ یم راج: ایسے بیٹے اور پوتے مانگ لے جن کی عمر سو سو برس ہو ڈھیر سارے مویشی، ہاتھی، اور سونا مانگ لے، وسیع زمین مانگ لے، اور خود جتنے برس چاہے جی لے، اس (طلب) کی برابر یہ مانگتا ہے تو دولت اور غیر فانی حیات مانگ لے، اے نچکیتا! تو زمین کا راجہ بن جا، میں تیری سب آرزوئیں پوری کرنے کو تیار ہوں۔

"جو خواہشات بھی اس دار فانی میں مشکل سے نصیب ہوتی ہیں، تو اپنی مرضی کے مطابق سب مانگ لے، یہ دیکھ کہ کتنی حسین عورتیں سواریوں میں بیٹھی ہیں اور باجے بجا رہی ہیں، آدمیوں کو یہ نصیب نہیں ہوتا۔ مگر میں تجھے دیتا ہوں، ان سے ڈر مت لے، لیکن اے نچکیتا! موت کے بارے میں مت پوچھ۔"(۱)

ان منتروں کے بعد موت کے متعلق یم راج کا کوئی واضح بیان نہیں ملتا۔ البتہ ویدوں کے مطالعے سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ موت ایک خوفناک امر کا نام ہے جس سے رشی پناہ مانگتے نظر آتے ہیں۔

"اے موت دور ہو جا! اپنی اسی راہ پر واپس چلی جا۔ نہ اس راستے سے جہاں دیوتا سفر کرتے ہیں۔ (اے موت) جو کہ سماعت و بصارت رکھتی ہے، تجھے میں کہتا ہوں سن لے! ہماری اولاد کو مت چھونا! ہمارے لوگوں کو مت مار۔"(۲)

"اے سورج دیوتا! چونکہ ہم موت کے قابو میں ہیں۔ براہ کرم ہماری عمریں طویل کر دے کہ ہم زندہ ہیں۔"(۳)

---

(۱) کٹھ اپنشد، ادھیائے ۱، ونیِ ۱، منتر ۲۰/۲۶

(۲) رگ وید، منڈل ۱۰، سوکت ۱۸، منتر ۱

(۳) رگ وید، منڈل ۱۰، سوکت ۴۷، منتر ۵

"طلوع ہوتا ہوا سورج ہمیں موت کے جال سے دور رکھے۔"(۱)

اپنشد اور ویدوں کے مطابق دل کی ایک سو ایک شریانیں ہیں جس سے روح نکلتی ہیں۔ البتہ ان سب میں سے صرف ایک مخصوص راستے سے روح نکلنے کو نجات کی علامت بتایا گیا ہے۔ باقی ایک سو ایک قسم کی اموات کیا ہیں؟ اس بارے میں صحائف خاموش ہیں۔

"دل کی ایک سو ایک شریانیں ہیں۔ ان میں سے ایک پیشانی کی چوٹی سے داخل ہوتی ہے۔ اس شریان سے نکلنے والی روح لافانیت کو پہنچ جاتی ہے۔ باقی (شریانوں) سے نکلنے میں دوسری حالت نصیب ہوتی ہے۔" (۲)

یہ تمام دوسری اموات سے جسے لوگ سو شمار کرتے ہیں پار ہو جائے۔

"ایک سو ایک اموات پر یہ شخص غالب ہو جائے۔" (۳)

مذکورہ جائزے سے ہم نے جانا کہ ویدوں اور ہندو دھرم کے مطابق موت ایک خوفناک امر ہے۔ روح کا جسم سے خارج ہونے کے ایک سو ایک طریقے ہین جن میں سے ایک راستہ نجات کا ہے اور باقی موت کے۔

چونکہ یہ سارا تصور انتہائی مبہم ہے اور اس کے کئی پہلو ہماری عقلی بصارت سے پوشیدہ ہیں، غالباً اسی سبب آج ہندوؤں میں موت کا تصور مکتی کے علاوہ کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔

عقیدہ تناسخ، روح، کرم اور سمسار:

عقیدہ تناسخ ہندو دھرم کا متفقہ عقیدہ ہے۔ سنسکرت میں تناسخ کو "آواگون" کہتے ہیں۔ یہ ہندو دھرم میں ایک ناقابل فہم تصور ہے جس کے مطابق اپنے پچھلے کرم یعنی گناہوں کے باعث بار بار جنم لینا ہے۔ جسے ہندو کرم کہتے ہیں۔ اعمال کی جزا و سزا کے سلسلے میں ہندوؤں کا عقیدہ اسی نظریہ کے گرد گھومتا ہے۔ جس کے مطابق حیوانات، نباتات، معذور و غریب وغیرہ سب پچھلے جنم میں غموں سے آزاد انسان اپنے پچھلے نیک کرموں کا ثمر حاصل کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص معذور ہے تو یہ دراصل اس کے پچھلے جنم کے برے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اور ایک شخص طاقتور اور صحت مند ہے تو یہ

---

(۱) اتھروید، کانڈ ۱۷، سوگت ۱، منتر ۳۰

(۲) چھاندوگیہ اپنشد، چھٹا کھڈ، منتر ۶

(۳) اتھروید، کانڈ ۷، سوگت ۲، منتر ۲۷

اس کے اچھے اعمال کا نتیجہ ہے جو اس نے پچھلے جنم میں کیے۔ سوامی دیانند سرسوتی مطالعۂ رگ وید باب ۱۸ میں عقیدہ تناسخ کی بابت تفصیل لکھتے ہیں کہ:

"جو جیو (ذی روح) پچھلے جنم میں جس قسم کے دھرم کے کام کیے ہوتا ہے۔ انہیں کے مطابق اگلے جنموں میں بہت سے اعلیٰ جسم حاصل کرتا ہے۔ اور اسی طرح جو پاپ (گناہ) کے کام کیے ہوتا ہے۔ وہ اگلے جنم میں انسان کا جسم نہیں پاتا۔ بلکہ حیوان وغیرہ کا جسم پاکر دکھ بھگتتا ہے۔ پچھلے جنم کے کیے ہوئے پاپ (گناہ) اور پن (نیکی) کے مطابق سزا یا جزا پانے والا جیو پچھلے جسم کو چھوڑ کر ہوا، پانی اور نباتات وغیرہ اشیاء میں داخل ہو کر اپنے پاپ اور پن کے مطابق کسی جون میں پڑتا ہے۔"(۱)

ہندو مت نجات (مکتی) پر بہت اہمیت دی گئی ہے۔ جس کے مطابق خدا انسان کے گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا اور نہ ہی بعد الموت اسکی روح کو گناہوں سے پاک کر سکتا ہے۔ اور چونکہ انسان کی روح اسی سے نکلی ہے اسی لیے انسانی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ اسکی روح خدا میں ضم ہو جائے۔ لیکن روح تب تک ضم نہیں ہوتی، جب تک کہ وہ گناہوں سے پاک نہ ہو۔ پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے روح کو تب تک جنم لینا ہوتا ہے جب تک کہ روح اپنے اعمال کا صلہ مختلف صورتوں میں بھگت کر پاک نہ ہو جائے اور سمسارہ کے چکر سے نجات نہ پالے۔

"عقیدہ تناسخ بدھ عہد کے بعد ساتویں صدی قبل مسیح میں عوام و خاص میں بہت تیزی سے مقبول ہوا۔ حالانکہ رگ وید میں حیات مابعد موت کے متعلق سورگ اور نرگ کے جو تصورات ملتے ہیں، وہ تناسخ سے بہت حد تک مختلف ہیں، لیکن رگ وید کی مداح آریائی قوم نے بھی اس عقیدے کو جلد ہی اپنا لیا۔ غالباً تناسخ کی اس مقبولیت کی وجہ یہ ہو گی کہ عقیدہ تناسخ مشرق مغرب میں رائج جنت و دوزخ کے قدیم روایتی خیالات سے کافی مختلف اور دلچسپ نظر آتا ہے۔ لیکن یہ بات بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ یہ عقیدہ اپنے منفی رجحان اور غیر منطقی بنیاد کے باعث باعقل انسانوں کے لئے محض بھوت پریت، پریوں کی کہانی یا افسانوی خیالات سے زیادہ کچھ اہمیت نہیں رکھ سکتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ تناسخ ایک اعتبار سے انسانی تخیل کی پیداوار ہے تو بہت سے ہنود مایوسی کا شکار ہو جائینگے لیکن یہ بات واضح ہے کہ اس تخیل کو مذہبی نظریات میں مرکزی مقام حاصل ہے۔ یہ نظریہ ہمیں گیتا

---

(۱) رگ وید ایک مطالعہ، سوامی دیانند سرسوتی، مترجم: نہال سنگھ، نگارشات پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص: ۹۸

اوراپنشد میں وضاحت کیساتھ ملتا ہے۔ جیسے ایک شخص بوسیدہ کپڑے اتار کر نئے کپڑے پہن لیتا ہے اسی طرح روح بھی پرانے اور بیکار مادی اجسام کو چھوڑ کر نئے جسموں میں آجاتی ہے۔" (۱)

ایسے ہی بھگوت گیتا کے باب ۸ میں ہے کہ:

برہما سے لیکر حشرات الارض وغیرہ سبھی کیلئے دنیا میں آواگون کا سلسلہ ہے جنم لینے اور مرنے اور بار بار اسی تسلسل میں چلتے رہنے والے ہیں۔ لیکن مجھے حاصل ہو کر اُس انسان کا دوبارہ جنم نہیں ہوتا۔

"وہ گہنگار (جیو) آسمان میں واپس لوٹ آتے ہیں جہاں سے گئے تھے۔ آسمان سے ہوا میں ہوا بن کر دھواں ہو جاتے ہیں۔ دھواں ہو کر بخارات بنتے ہیں۔ بخارات ہو کر بادل بنتے ہیں۔ بادل بن کر برستے ہیں۔ دھان جو، جڑی بوٹی، نباتات، تل وغیرہ کہ صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے نکلنا سخت مشکل ہے۔ جو جو اناج کھاتا ہے یا بیرج سینچتا ہے اسی کی شکل جیو اختیار کر لیتا ہے۔ اور جن کے اعمال اچھے ہوں وہ اچھی جِون (صورت) پاتے ہیں۔ مثلاً برہمن، کھشتری یا ویش کی۔ اور جن کے (اعمال) برے ہوتے ہیں وہ بُری جِوَن پاتے ہیں مثلاً کتے، سور یا چنڈال کی۔ جو جیوان دونوں راستوں پر چلنے کے لائق نہیں ہیں وہ کمینے ہیں جو چکر کھاتے رہتے ہیں۔" (۲)

"ہوشیار رہ! تجھے قدیم اور مخفی برہم کی حقیقت بتاتا ہوں اور بات کا کہ مرنے کے بعد جیو (جاندار) کا کیا حال ہوتا ہے۔ بعض جسم دھارن (یعنی اپنے گزشتہ اعمال اور علم کے مطابق بعض (حصول جسم) کیلئے رحم میں داخل ہوتی ہیں او بعض مقیم اشیاء پودوں وغیرہ میں۔ غرض کہ جیسا جیسا جسکا عمل ہوتا ہے ویسا ہی پھل ملتا ہے۔ جس طرح سنار سونے کا ٹکڑا لے کر زیادہ زیادہ نئی اور بہتر صورت بناتا ہے اسی طرح روح جسم کو چھوڑ کر اسے مردہ بنا کر کوئی اور نیا بہتر جسم بنالیتا ہے۔" (۳)

عقیدہ تناسخ عقل کے خلاف اور ایک غیر فطری عقیدہ ہے کیونکہ عقیدہ تناسخ کے مطابق حیوانات، نباتات وغیرہ انسان کی گزشتہ زندگی کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ جبکہ یہ سائنس کا مسلمہ نظریہ ہے کہ نباتات اور حیوانات انسانی وجود سے کروڑوں سال قبل

---

(۱) بھگوت گیتا، باب ۱۲، شلوک ۲۲

(۲) چھاندہ گیہ، ادھیائے ۱۰، کھڈ ۱۰، اشلوک ۶/۸

(۳) برہدار یک اپنشد، ادھیائے ۴، حصہ ۴، اشلوک ۴

موجود تھے انسانی بقاء کے لئے لازم ہے کہ یہ اشیاء پہلے سے دنیا میں موجود ہوں کیونکہ ان کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ حیوانات و نباتات انسان کے برے اعمال کے نتائج نہیں بلکہ خدا کی نعمتیں ہیں۔ گائے، بیل، گھوڑے، بھیڑ، بکری، پھول، پودے، نباتات وغیرہ خدا کی طرف سے انسانوں کیلئے نعمتیں ہیں اور ان بابرکت نعمتوں پر ہی انسانی زندگی کا دار و مدار ہے۔ جبکہ عقیدہ، تناسخ انہیں پچھلے جنم کی بداعمالیوں کا اجر قرار دیتا ہے جس سے ان بابرکت نعمتوں کی توہین و بے حرمتی ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ اس عقیدے کے ساتھ ہمیں انسانی زندگی کا دار و مدار بھی گناہوں کو ماننا پڑے گا کیونکہ عقیدہ کی رو سے گناہ نہ ہوتے تو یہ نعمتیں یعنی حیوانات و نباتات بھی ہرگز وجود میں نہ آتے۔

خدا تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ وہ قادر اور مختار کل ہے جس گناہگار کو چاہے معاف کر سکتا ہے۔ اور وہی خالق ہے لہذا اس کے لئے نئی روحیں پیدا کرنا محال نہیں۔ لیکن تناسخ کی رو سے خدا کی ذات ناقص ٹھہرتی ہے کہ خدا گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا، نہ انسان کی روح کو پاکیزہ کر سکتا ہے اور نہ نئی روح پیدا کر سکتا ہے۔ یہ تمام خیال خدا کی صفات کے منافی ہیں جنہیں عقل تسلیم نہیں کرتی۔

بہت سے پیغمبر، مصلحین، اور دیگر بہت سے عظیم لوگوں کو دنیا میں تکلیفیں پہنچی ہیں، اس عقیدے کی وجہ سے یہ عظیم لوگ بلکہ خود ہندو مت کے عظیم ہادی ورشی بھی گناہگار اور بدکار ٹھہرتے ہیں۔ کیونکہ بیشتر عظیم شخصیات کو اپنی زندگی میں اذیتیں، تکلیفیں برداشت کرنی پڑی ہیں اور بہت سے قتل بھی ہوئے۔ چنانچہ یہ تکلیفیں، اذیتیں اور قتل ان شخصیات کے پچھلے جنم کے برے اعمال کا نتیجہ ہوئے۔

انسانی عقل بھی یہی سوچنا گوارہ کرتی ہے کہ انسان اس دنیا میں پہلی بار آیا اور اس سے قبل وہ کبھی اس دنیا میں نہ آیا اور نہ اسکی روح نے نجات کیلئے ہزاروں جسم تبدیل کیے۔

پس مندرجہ بالا بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ عقیدہ تناسخ عقل و فطرت کے بالکل متضاد ہے۔ حیوان اور نباتات وغیرہ خدا کی نعمتیں ہیں نہ کہ گناہوں کے نتائج۔ انسان کے تمام اعمال کی سزا و جزا اسے جنت و دوزخ کی صورت میں دی جائیگی اور دنیا میں انسان کو جتنی بھی تکالیف یا معذوری سے دوچار ہونا پڑتا ہے در حقیقت وہ اسکی آزمائش ہوتی ہے۔

سورگ اور نرک، جنت دوزخ:

"ویدوں میں سزا جزا کے لیے نرک اور سورگ کا نظریہ موجود ہے جسے تمام مذاہب تسلیم کرتے ہیں۔ عقیدہ تناسخ کا ذکر ہمیں وید کے میں کہیں نہیں ملتا۔ علماء یورپ اور بہت سے ہندو علماء بھی اسے کسی رشی یا انسانی عقل کی پیداوار مانتے ہیں یا انکے نزدیک تناسخ بعث بعد الموت کی مسخ شدہ صورت ہے۔ یہ عقیدہ عقل، فطرت،

منطق اور سائنس کے بہت سے مسلمہ اصول اور خدائی صفات کے منافی ہے۔ وید کی تاریخ تقریباً دو ہزار قبل مسیح کی ہے جبکہ وہ صحائف جس میں تناسخ کا ذکر کیا گیا ہے وہ کافی بعد کے ہیں جب ہندوستان بیرونی حملوں کی زد میں تھا، عوام میں ناامیدی بھی بڑھتی جارہی تھی اور لوگ جنگلوں میں گوشہ نشین ہورہے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب ہندوؤں کے معاشرتی اور سیاسی قوانین کی بنیاد پڑرہی تھی۔ چنانچہ تناسخ کے معاملے پر اگر ہم وید کو دیکھیں تو وہ تناسخ کی بابت بالکل خاموش ہے اور اعمال کی جزا بطور تناسخ نہیں بلکہ جنت دوزخ کے تصور سے دیگر مذاہب مثلاً اسلام، عیسائیت اور یہودیت کے ساتھ ہے۔ جب انسان کو اس کے اعمال کا بدلہ مختلف صورتوں میں دیا جائے گا تو پھر جنت و دوزخ کس بنا پر عطا ہوگی؟ اس سوال کا جواب ہمیں بھگوت گیتا میں یوں ملتا ہے۔"(۱)

لامحدود لوگ سورگ لوک سے لطف اندوز ہونے کے بعد وہ دوبارہ انسانوں کی دنیا میں اپنے اعمال کے مطابق بھیج دیے جائینگے۔

یعنی انسان کے اعمال کی بنیاد پر اسے نرک میں عذاب یا سورگ میں نعمتوں سے نوازا جائیگا۔ پھر ایک عرصے بعد انہیں دوبارہ ان کے اعمال کے مطابق کسی صورت میں زمین پر بھیج دیا جائیگا، حتی کہ یہ چکر تب تک چلتا رہیگا جب تک روح گناہوں سے پاک ہو کر ایشور میں ضم نہ ہو جائے۔ بحر حال ہمارا مقصد یہاں یہ ہے کہ ہندوؤں میں جنت و دوزخ یعنی سورگ اور نرک کے تصور کا جائزہ لیا جائے۔

سورگ (جنت، بہشت):

عام معنوں میں سورگ سے مراد وہ مقام جہاں نیک اعمال کرنے والوں کو انکے اعمال کی جزا دی جائیگی۔ ہمیں ویدوں، اپنشد، گیتا اور منوشاستر میں سورگ کا تصور بالکل واضح ملتا ہے۔ قربانی (یگیہ) کرنے والوں کو بہت سے مقامات پر اسکی خوشخبری دی گئی ہے۔

"اتھروید میں کئی مقامات پر سورگ کیلئے سُکرتسیہ، سکرتام، دیویاکم وغیرہ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ البتہ ویدوں میں بیشتر مقامات پر جہاں سورگ کا ذکر ہے۔ اس سے پہلے لفظ لوک آیا ہے جس کے معنی مقام یا جہاں ہے۔ یعنی یہ کسی دوسر جہاں کا ذکر ہے جہاں تمام خواہشات پوری کی جائینگی اور انسان دلعزیز زندگی گزارے گا۔ اس

---

(۱) رگ وید، منڈل ۶، سوکت ۴۴، منتر ۲۳

سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ ویدوں کے مطابق سورگ یعنی جنت اس دنیا سے الگ کوئی دوسری جگہ ہے۔ اس کے علاوہ دیگر صحائف میں سورگ کے لیے مستعمل محاورے مثلاً سورگ مین جانا، داخل ہونا، نکلنا وغیرہ بھی اس امر کی تائید کرتے ہیں کہ نرک ایک خاص مقام کا نام ہے۔ البتہ وہ مقام کہاں ہے؟ اس بارے میں ہمیں یہ جاننا ضروری ہے کہ ویدوں کے مطابق کائنات میں کل تین جہاں ہیں۔ اول یہ دنیا جہاں ہم رہ رہے ہیں یعنی زمین دوم خلا جسے انترکش کہا گیا ہے اور سوم آسمان ہے جہاں برہما رہتا ہے۔ ویدوں کے ان منتروں سے بہشت کا مقام کے متعلق یہی معلوم ہوتا ہے کہ بہشت تیسرے مقام میں ہے۔ یہ آبِ حیات سوم رس بہشت میں تیسرے روشن عالم تین پردوں مین چھپا ہوا پایا گیا ہے۔"(۱)

"تیسرے لوک (عالم) میں جہاں ہزاروں نہریں بہتی ہیں، ناقابل شکست طاقتور اولاد پیدا کرنے کیلئے بھیجی گئیں چار مہربان دیویاں جن کا مقام بہشت کے نیچے ہے، گھی سے ٹپکتے ہوئے آبِ حیات کا تحفہ لائیں۔"(۲)

"ہمارے اوپر تیسرے سورگ میں (اشونتھا) درخت کھڑا ہے۔ دیوتاؤں کی نشست گاہ ہے۔ وہاں دیوتا کٹھ حاصل کرتے ہیں جو آبِ حیات کا چشمہ ہے۔ ہم اس دنیا میں آزاد ہوں اور آخرت میں بھی تیسرے مقام میں اپنے فرض سے سبکدوش ہوں۔"(۳)

ان منتروں سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ویدوں کے مطابق بہشت تیسرے آسمان میں ہے۔ اتھر وید کے مطابق تیسرے عالم میں واقع یہ بہشت تیز رفتار گھوڑے کی ایک ہزار دن کی مسافت پر ہے۔(۴)

سورگ کا منظر:

یہاں سے تیرے آسمان میں آئیر مدینگ نامی ایک چشمہ ہے۔ اور اس میں پیپل کا درخت ہے جس سے سورس بہتا ہے۔ وہاں آب حیات کا ایک ابدی چشمہ ہے جو کبھی نہیں سوکھتا۔

---

(۱) رگ وید، منڈل ۶، سوکت ۴۴، منتر ۲۳

(۲) رگ وید، منڈل ۹، سوکت ۷۴، منتر ۶

(۳) اتھر وید، کانڈ ۶، سوگت ۱۱۷، منتر ۳

(۴) اتھر وید، کانڈ ۱۰، سوکت ۸، منتر ۸۸، سوکت ۲، منتر ۳۸

"بہشت کی بلند چوٹی پر وہ کھڑا ہوتا ہے۔ وہ دیوتاؤں کے مقام کو پہچانتا ہے جو سخاوت کرتا ہے۔ پانی اور گھی کی نہریں اس کے لئے بہتی ہیں۔"(۱)

"اے سوم دیوتا! مجھے اس جہان میں غیر فانی بنا جہاں راجا سوت کا بیٹا رہتا ہے۔ جہاں وہ مدس آسمان پوشیدہ ہے اور جہاں تر و تازہ پانی ہے۔"(۲)

شہد کے ذائقہ والی ہزاروں نہریں تیسرے آسمان (بہشت) میں بہتی ہیں۔

جو تیرے پہلے مرحوم بزرگ اور در سرے رشتہ دار ہیں جو پہلے گزر چکے ہیں، انکے لیے گھی کی تیز چلتی ہوئی نہر ہزاروں نہروں کیساتھ چلے۔

"مجھے اس مقام پر پہنچا دے جہاں موت نہیں آتی، اس لازوال دنیا میں جہاں بہشت کی روشنی چمکتی ہے۔"(۳)

"مجھے مضبوط تمناؤں اور مشتاق خواہشات کے راج میں غیر فانی بنا۔ چاند کا چمکتا ہوا طبقہ جہاں خوراک اور فرحت ملتی ہے۔ یگیہ کرنے والا جزا اور انعام کے طور پر بہشت میں گھی سے بھری ہوئی نہریں اور اپنی مرادوں کو حاصل کریگا جہاں شہد اور گھی کی لازوال نہریں ہیں، اے اگنی! بہشت میں ہمیں وہاں دیوتاؤں کے درمیان کر دے۔"(۴)

"یقیناً آدمی وہاں جو چاہے گا حاصل کریگا۔ بیویاں اپنے شوہر سے چپکی رہیں گی۔ اور انکی آغوش میں لپٹی رہیں گی ۔ دونوں محبت کی فرحت حاصل کرینگے۔"(۵)

"جہاں وہ سات کرنیں چمکتی ہیں۔ وہیں میرے گھر اور خاندان کا بسیرا ہو۔"(۶)

---

(۱) رگ وید، منڈل ۱، سوگت ۱۲۵، منتر ۵

(۲) رگ وید، منڈل ۱، سوگت ۱۲۵، منتر ۸

(۳) رگ وید، منڈل ۹، سوکت ۱۱۳، منتر ۷

(۴) یجر وید، ادھیائے ۱۸، منتر ۶۵

(۵) رگ وید، منڈل ۱، سوکت ۱۰۵، منتر ۲

(۶) رگ وید، منڈل ۱، سوکت ۵، منتر ۹

اپسرا:

وید ہمیں سورگ میں شہد، دودھ، مکھن اور شراب کی نہروں کا بتاتا ہے اس کے علاوہ وید ک سورگ میں خوبصورت عورتوں کے متعلق بھی بتایا گیا ہے جنہیں ہندی اصطلاح میں "اپسرا" کہا گیا ہے۔ جس سے مرد حضرات اپنی خواہشات پوری کرینگے۔ چنانچہ ہندو روایات میں ہے کہ:

"ہزاروں اپسرائیں اسکے لیے جو کہ جنگ میں مارا جاتا ہے، دوڑ کر یہ کہتی ہوئی آتی ہیں کہ آپ میرے خاوند بن جائیں۔"(۱)

نیز ایک اور جگہ ہے:

"اے اگنی۔ ہم بربادی سے دور ہی رہے۔ تیسری جنت (سورگ) میں بلا کہ ہم دعوت وضیافت کے مزے لیں، وہاں صاف ستھری، پاکیزہ اور مقدس عورتیں ہوں۔"

"میں ان اپسراؤں کے لیے دعا کرتا ہوں جو نہایت لطف اور لذت دینے والی ہیں۔ وہ جو قمار بازی میں اعلیٰ لذت کی حامل ہیں۔"(۲)

سخاوت کرنے والے نے پہلے ایک خوشگوار مقام حاصل کیا، پھر اچھے لباس والی خوبصورت عورتیں اور نہایت تیز شراب کے جام ہوں گے۔

سورگ روحانی ہے یا جسمانی:

آریا سماج والوں کا عقیدہ ہے کہ سورگ (بہشت) کہیں اور نہیں بلکہ اسی دنیا میں لطف وراحت اٹھانے کا نام ہے۔ جبکہ ہم نے گزشتہ عنوان سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ویدوں کے مطابق بہشت دنیا سے الگ آسمان کے تیسرے حصے میں واقع ہے۔ البتہ یہ سورگ روحانی ہے یا جسمانی؟ اسکا لطف صرف روح کو حاصل ہو گا یا جسم کو بھی؟ اس بارے میں وید اس امر کی تائید کرتی ہے کہ سورگ روحانی کیفیت نہیں بلکہ جسمانی ہو گی۔

"ہمارے باپ اور ان کے پہلے جد، اجداد جو عالم برزخ میں داخل ہو چکے ہیں۔ انکے لیے اے ارواح کے لے

---

(۱) مہابھارت، باب ۱۲، اشلوک ۳۶۶۷

(۲) اتھروید، کانڈ ۲، سوکت ۲، منتر ۳، وکانڈ ۴، سوکت ۳۸، منتر ۴

جانے والے حتی المقدور اجسام بنا۔"[۱]

"وہاں جہاں ہمارے نیک دوست اپنے جسم کا روگ چھوڑ کر خوش ہیں۔ اور اعضاء کی کجی اور تنہائی سے آزاد ہیں۔ ہم انہیں بہشت میں دیکھیں گے۔"[۲]

جہاں ہمارے نیک دوست جسم کا روگ چھوڑ کر، اعمال کی جزا کے جسم سے لطف اٹھاتے ہیں۔ وہاں ہم اپنے والدین اور بچوں کو دیکھیں۔ سیدھا اوپر آسمان اور عالم بالا کو چڑھ کہ جس کو لوگ بہشت کہتے ہیں۔

"یقیناً قربانی کرنے والا آخرت میں اپنے مکمل جسم کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔"[۳]

اے اندر! یہ جسم فانی ہے جسے موت نے پکڑ رکھا ہے۔ اور غیر جسمانی روح کے رہنے کی جگہ ہے۔ جب تک یہ جسم کے ساتھ ایک ہو رہا ہے اس کو سکھ اور دکھ ہوتا رہیگا۔ جب تک یہ جسم کے ساتھ سکھ دکھ کا خاتمہ نہیں ہوتا "اور جب اسکا تعلق جسم سے ختم ہو جاتا ہے تب دکھ دور ہو جاتے ہیں۔"[۴]

مندرجہ بالا منتروں سے یہ بات تو واضح ہوتی ہے ویدک سورگ جسمانی ہو گی روحانی نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ یہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وید اور اپنشد کے مطابق سورگ میں جسم اس حالت میں نہیں ہو گا جیسا کہ ہمیں اس دنیا میں میسر ہے۔ جسم کے روگ، اعضاء کی کجی، کمزوری اور ضعف وغیرہ سے پاک ہونے سے مراد یہی ہے کہ یہاں ہمیں جو جسمانی مسائل کا اکثر سامنا ہوتا ہے وہ سورگ میں نہیں ہو گا۔ بلکہ وہ ہمارے اچھے اعمال کا صلہ ہو گا اس لیے اس میں کسی قسم کی تکلیف، درد، کمی کجی نہیں ہو گی کیونکہ وہاں ہمارے اجسام کثیف نہیں بلکہ لطیف ہونگے۔

جہنم، دوزخ:

برے اعمال کرنے والوں کی سزا کے لیے مقرر کی گئی جگہ کو نرک کہا جاتا ہے۔ یعنی جہاں بدکاروں کو انکی بداعمالی کا صلہ ملے گا۔ وید اور اپنشد میں برے اعمال کے انجام اور دھرم کے مخالفوں کے متعلق جو دعائیں ملتی ہیں اس میں نرک کا تصور بالکل واضح ہو جاتا

---

(۱) اتھروید، کانڈ ۱۸، سوکت ۲، منتر ۱۰

(۲) اتھروید، کانڈ ۶، سوکت ۱۲۰، منتر ۳، ترجمہ: رالف گرفتھ

(۳) شتھپتھ برہمن، کانڈ ۶، ادھیائے ۶، اکھنڈ ۱

(۴) برہدارنیک اپنشد، ادھیائے ۸، کھنڈ ۱۲، منتر ۱

ہے۔ اس کے علاوہ کئی منتروں میں ایسے لوک (جہان) کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ جہاں بدکاروں اور دھرم کے دشمنوں کو سخت سزا دی جائیگی۔ منوشاستر باب ۱۲ اشلوک ۸۷ سے ۹۰ میں نرک کے مختلف نوع کے اکیس طبقات کا ذکر ہے۔ وشنو پران کتاب دوئم کے چھٹے باب میں نرک کے اٹھائیس طبقات کا نام ہے۔ کہنے کو تو وید، پران اور منودھرم شاستر میں جتنے نام آئے ہیں انکی تعداد بہت ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ در حقیقت یہ سات طبقات ہیں باقی تمام نام مترداف ہیں۔ اور ان سب کا مقصد گنہگاروں کو سزا دینا ہے۔

"اے گوتم! وہ دنیا آگ ہے۔ سورج اسکا ایندھن ہے۔ کرنیں دھواں ہے دن شعلہ ہے۔ چاند انگارا ہے۔ تارے چنگاریاں ہے۔"(۱)

رگ وید منڈل کے ان منتروں میں دوزخ کا تصور انتہائی واضح انداز میں ہے:

"اے اندر اور سوم دیوتا! جلادو، برباد کردو، شیطان دشمن کو۔ انہیں (نرک کے) نچلے طبقے میں ڈال دو۔"(۲)

"گنہگاروں کے گرد اس طرح جوش مارے جس طرح آگ کے شعلوں میں پانی جوش مارتا ہے۔"(۳)

"بدکاروں کو نہایت گہری جگہ میں غرق کرو۔ وہاں انکو ایسی تاریکی میں ڈال دو جہاں سے وہ نکل نہ سکیں۔ تاکہ ان میں سے کوئی کبھی واپس نہ آئے۔ تم بدکار پر اپنا ہلاک کرنے والا بھالا آسمان اور زمین پر سے مارو۔ انہیں گہرائی میں غرق کرو جو ہمارے خلاف لڑتے ہیں لالچی لوگوں کو گہرائی میں غرق کرو، انہیں ایسے غرق کرو کہ وہ آواز بھی نہ نکال سکیں۔"(۴)

"ان کو خوفناک سانپ کے حوالے کر دیا انہیں دوزخ کی گود کے سپرد کر دو۔"(۵)

"ورن سے ڈرائے ہوئے میرے مخالف قریبی شریک اس عالم میں داخل ہو کہ جہاں روشنی نہیں نہایت گہری

---

(۱) چھاندگیہ اپنشد، ادھیاء۵، کھنڈ ۴، اشلوک

(۲) رگ وید، منڈل ۷، سوکت ۱۰۴، منتر ۱

(۳) ایضاً، منتر ۲

(۴) ایضاً، منتر ۵

(۵) ایضاً، منتر ۹

تاریکی ہو۔"[۱]

اسکے علاوہ ہمیں پرانوں میں "گرواداپران" میں گنہگاروں کی سزاؤں کے متعلق تفصیلی بیان ملتا ہے۔ جہاں بدکاروں کے لئے نچلے گڑھے، کانٹوں اور خونخوار شیروں اور زہریلے سانپوں کے عذاب کا ذکر ہے۔

بدکار کی روح کی جائیگی وہاں اسے یخ ٹھنڈی ہوائیں چبھوئی جائیگی۔ ایک مقام پر اسے کانٹوں سے پھاڑا جائیگا۔ دوسری جگہ اسے زہریلے سانپوں کے عذاب کا ذکر ہے۔

"بدکار کی روح کی جائیگی وہاں اسے یخ ٹھنڈی ہوائیں چبھوئی جائیگی۔ ایک مقام پر اسے کانٹوں سے پھاڑا جائیگا۔ دوسری جگہ اسے زہریلے سانپوں سے ڈسا جائیگا۔ پھر بدکار کو ایک جگہ خونخوار شیر، چیتوں اور کتوں سے مارا جائے گا۔ اور اسے بچھو سے ڈسا جائیگا اور اسے آگ میں جلایا جائیگا۔"[۲]

ان اشلوک کے آگے بھی گرودا پران کے اس باب میں ہمیں جہنم کے عذاب کے متعلق بہت تفصیل ملتی ہے۔ لیکن اسے یہاں نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔ ہم نے اپنی تحقیق کے لئے منوشاستر کے دو اقتباسات نقل کر کے عنوان کا خاتمہ کرینگے۔

"جو شخص شردھا کا کھانا کھا کر جوٹھا کھانا شودر کو دیتا ہے وہ بیوقوف اوندھا ہو کر کال سوتر نام والے نرک (کے طبقے) میں جاتا ہے۔"[۳]

"جو شخص شودر سے دھرم کی بات کرتا ہے اور اسے اپنے فرائض بتلاتا ہے وہ اسی کے ساتھ اسمبر تھ نامی نرک میں جاتا ہے۔"[۴]

ہندومت میں راہِ نجات (مکتی):

اس سے پہلے کہ ہم ہندو دھرم کے وسائل نجات پر بحث کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نجات کے لیے ہندوؤں کے ہاں استعمال ہونے والا لفظ مکتی اور موکش کے مفہوم کو سمجھ لیں۔ مکتی اور موکش دونوں سنسکرت کے لفظ ہیں جو اپنے مفہوم میں آزاد

---

(۱) اتھروید، کانڈ ۱۰، سوکت ۳، منتر ۹

(۲) گرداپران، باب ۲، اشلوک ۵/۶

(۳) منوشاستر، باب ۳، اشلوک ۲۴۹

(۴) منوشاشتر، باب ۴، اشلوک ۸

کرنے یا چھوٹ جانے سے متعلقہ ہیں۔ نجات کے بارے میں ہمیں ویدوں میں کوئی واضح ذکر نہیں ملتا، البتہ پران، اپنشد اور گیتا میں اس کی کئی تفصیل مل جاتی ہے۔ اگرچہ یہ لفظ ہمیں سارے وید میں کہیں نہیں ملتا لیکن اس کے دیگر مشتقات ویدوں میں جابجا ملتے ہیں جس کے معنی چھوٹنے کے ہیں۔ بحر حال تمام ہندی مذاہب کا مرکزی مسئلہ نجات (مکتی) حاصل کرنا ہے۔ نجات کے حصول کے لیے ہندو دھرم تین راستے بتاتا ہے۔ یہ تین راستے یوگا اور مارگ بھی کہلاتے ہیں۔

۱. راہ عمل
۲. راہ علم
۳. راہ ریاضت

کرماراگ راہ عمل:

کرم کے معنی عمل کے ہیں۔ ویدوں نے جس کرم کی دعوت دی وہ پر خلوص قربانی (یگیہ) ہے۔ لیکن بھگوت گیتا میں شری کرشن نے پر جوش انداز میں جس کرم کی تعلیم دی ہے اس سے مراد سماجی فرائض کو بے غرضانہ سرانجام دینا ہے۔ بد قسمتی سے ہندوؤں کے مذہب میں راہِ نجات بھی طبقاتی نظام کی زد میں ہے۔ ہندووں کے نزدیک بہشت کا حصول اپنے دھرم یعنی طبقاتی ذمہ داری ادا کرنا ہی ہے۔ چنانچہ مکتی کے لیے راہِ عمل سے مراد یہ ہے کہ اپنے دھرم پر ڈٹ کر عمل کیا جائے۔ یعنی مکتی حاصل کرنے کا طریقہ دیگر مذاہب کی طرح نیک اعمال نہیں بلکہ اپنے طبقے کے متعین فرائض کی ادائیگی ہے۔ لہذا اس راہ سے مراد کوئی خاص عمل نہیں بلکہ ہر ذات کے لیے اسکا مخصوص عمل ہے جس سے وہ نجات پا سکتا ہے۔ یعنی ہندومت کی تقسیم جن طبقات میں منقسم ہے خاص انہی طبقات کی متعین تعلیمات اور احکام پر ہی نجات کا مدار ہے۔ برہمن کی نجات کی راہِ عمل مذہبی ذمہ داری ادا کرنا ہے۔ کھشتری کی راہِ عمل خیرات دینے اور جنگ میں لڑنا، ویش کی نجات زراعت و تجارت اور شودر کی نجات مندرجہ بالا ذاتوں کی خدمت کرنے میں مضمر ہے برہمن کے نجات کا ذریعہ (یگیہ) قربانی ہے۔ چنانچہ وید میں ہے۔

عزت کے خواہشمند عالم جزا حاصل کریں اپنی ریاضت اور پختہ عمل سے۔[1] جو مشقت کر کے نذر پکاتا ہے اسے
اس رستہ پہ چڑھا جو بہشت کو جاتا ہے۔

ایک اور جگہ ہے:

---

(۱) اتھروید، کانڈا، سوکت ا، منتر ۱۷

"بکری کا پکا ہوا چاول (یعنی پلاؤ) دوزخ کو دور کر کے بہشت میں مقام دیتا ہے۔"(۱)

"جو خیرات دی ہے۔ جو عمل کیا ہے، اور جو برہمنوں کو اجرت دی ہے وہ ہمیں دیوتاؤں کے درمیان بہشت دیں۔"(۲)

غرضیکہ ویدوں کے اکثر منتروں سے ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ چاول، کھیر اور دیگر قسم کی نذر (یگیہ) پکانے سے مکتی مل سکتی ہے۔ یجر وید سے نقل مندرجہ بالا آخری منتر سے یہی مراد ہے کہ جب یگیہ کرے تو بہشت کا خیال دل میں رکھے۔

برہمن کے لئے راہ نجات:

"البتہ ان مذہبی فرائض سے مکتی اس اعلیٰ طبقے یعنی برہمن کے لیے ممکن ہے جس کا دھرم مذہبی فرائض کی ادائیگی کرنا ہے۔ باقی طبقات کے لیے انکا اپنا دھرم ہی مکتی کا ذریعہ ہے۔ شودر طبقہ کے لیے یگیہ یا دوسرے مزہبی رسوم نہیں بلکہ برہمن اور اعلیٰ ذاتوں کی خدمت ہی ہے، دیگر تمام اعمال شودر کے لیے بے سود ہیں۔"(۳)

"بہشت اور اس دنیا کی تلاش دونوں کے لیے شودر برہمن کی خدمت کرے۔"(۴)

کھشتری کے لئے راہ نجات:

کھشتری طبقے کے لیے انکا دھرم ہی بہشت کے حصول کا ذریعہ ہے یعنی جنگ۔ چنانچہ بھگوت گیتا میں جنا کرشن، ارجن سے کہتے ہیں۔

"اگر دھرم کے لحاظ سے غور کیا جائے تو تجھے تردد نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ دھرم کی ہی رو سے کھشتری کا جنگ سے بڑھ کر اور کوئی دھرم نہیں ہے اے ارجن! ایسے (جنگ کے) موقع قسمت والے کو ہی ملتے ہیں، اتفاق سے ہی ممکن ہوا کہ بہشت کا کھلا ہوا دروازہ ملا ہے۔"(۵)

---

(۱) اتھر وید، کانڈ ۹، سوکت ۵، منتر ۱۸

(۲) یجر وید، ادھیائے ۱۸، منتر ۶۴

(۳) منو دھرم شاستر، باب ۹، اشلوک ۲۳۴، ۲۳۵

(۴) منو دھرم شاستر، باب ۱۰، اشلوک ۱۲۲

(۵) گیتا، ادھیائے ۲، اشلوک ۱۳۱، ۱۳۲

اس کے بعد شری کرشن جنگ سے نہ بھاگنے کی تلقین کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"اگر تو لڑائی میں مارا جائیگا تو بہشت میں جائیگا اور اگر فتح حاصل کریگا تو زمین کی حکمرانی کا مزہ اٹھائے گا۔"(۱)

عورتوں کے لئے راہ نجات:

عورتوں کے لیے نجات کا یہی عمل کار آمد ہے کہ وہ صرف خاوند کی خدمت کرے منو دھرم شاست میں ہے۔

"عورتوں کو مرد سے الگ رہ کر عبادت اور دیگر مذہبی فرائض ادا کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ عورت صرف شوہر کی خدمت سے بہشت میں بزرگی پاتی ہے۔"(۲)

یعنی عمل لحاظ سے نجات (مکتی) کا ایک واحد ذریعہ یہی ہے کہ اپنے اپنے طبقے کی ذمہ داری نبھائے چاہے وہ اچھی ہو یا بری۔ اسی راہِ عمل کے بارے میں گیتا میں شری کرشن سے منسوب اس حکم سے مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔

"انسان اپنے اپنے دھرم سے ہی فلاح پاتا ہے جو کہ سب کا اصل مقصود ہے۔ اپنا دھرم بھلے خراب ہو دوسرے کے دھرم سے بہتر ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ پیدائش سے مقرر شدہ عمل سے گناہ نہیں ہوتا۔ اپنے دھرم کا عمل عیب سے پر ہو تو بھی اسے نہیں چھوڑنا چاہیے کیونکہ عیب تو پیدائش سے ہی ہوتا ہے۔ جس طرح آگ دھوئیں پر فطرتاً ہے۔"(۳)

پس راہِ عمل سے مقصود وہ ہے کہ دیوتاؤں کی قربانیاں دی جائیں اور جو اس کے اہل نہیں ہی وہ جس ذات سے تعلق رکھتا ہے بلا چوں چراں اس کے اعمال انجام دے اور یہی اس کے لیے مکتی کا ذریعہ ہے۔

تجزیہ:

اسلام ایک کامل و اکمل دین ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے توسط سے تمام قسم کے معاملات کی تفصیل و ترتیب اور اہم امور کی توضیح بھی کر دی ہے۔ اس لئے جہاں اسلام زندہ امور جو زندگی اور معاشرے سے متعلق ہیں ان میں رہنمائی کرتا ہے وہیں اسلام ایک ان دیکھی زندگی جو بعد از مرگ پیش آئے گی اس کو بھی تفصیل سے بیان کرتا ہے تاکہ کوئی

---

(۱) گیتا، ادھیائے ۲، اشلوک ۳۷

(۲) منو دھرم شاستر، باب ۵، اشلوک ۱۵۵

(۳) گیتا، ادھیائے ۱۸، اشلوک ۴۶ تا ۴۸

خفانہ رہے۔ نیز یہاں کے اعمال کی ترغیب بھی اسی لافانی اور ان دیکھی زندگی کے خوشنما نتیجے کی صورت ہی انسان کو ابھارتی ہے تاکہ وہ اس مآل اور نتیجے کو ان اعمال کے توسط سے حاصل کر سکے۔ لہذا ایک مسلمان کے لئے نجات کا تصور کچھ اس طرح سے واضح ہے کہ وہ اس دنیا میں نیک اعمال سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرے تو بعد از مرگ اللہ تعالیٰ اس کو دائمیٔ نعمتوں سے نوازیں گے جو اس کے لئے انعام اور نجات کا نتیجہ ہے۔

ہندومت میں نجات کا تصور مختلف ہے۔ یہ تو واضح اور بدیہی بات ہے کہ موت سے کسی کو مفر اور انکار نہیں ہے البتہ اس کے تصور اور نتائج کو مختلف بنادیا گیا ہے۔ ہندومت میں بھی موت کا تصور موجود ہے اور روح قبض کرنے کا تصور بھی ہے۔ ہندومت میں بھی روح قبض کرنے والی ایک مقدس ہستی یا دیوتا کا تصور ملتا ہے جسے "یم راج" کہا گیا ہے۔ یم راج[1] خدا کے حکم سے دنیا میں انسانوں کی روح قبض کرتا ہے اور اسے دوسرے جہاں میں لے جاتا ہے۔ یعنی موت عطا کرتا ہے۔ موت کا عملا تصور کیا ہے؟ اس بارے میں ہندومت کے مقدس صحائف کافی حد تک خاموش نظر آتے ہیں۔ البتہ موت کے بعد ان کے ہاں، جنت جہنم کی طرح نرک اور سورگ، یعنی ہندوؤں کی جنت اور جہنم ہے یم راج جو ان کی روح کو قبض کرتا ہے وہ اعمال کے اعتبار سے مقام کا تعین کرتا ہے، نیز اگر عمل اچھے ہوں تو نجات کا ایک تصور دوسرے جنم میں پیدا ہونا ہے جسے عملِ تناسخ کہا جاتا ہے۔ سوامی دیانند کے مطابق یہ عمل تناسخ انسان کے اعمال کی بدولت نتائج مرتب کرتا ہے۔ یعنی جو جیو (ذی روح) پچھلے جنم میں جس قسم کے دھرم کے کام کیے ہوتا ہے۔ انہیں کے مطابق اگلے جنموں میں بہت سے اعلیٰ جسم حاصل کرتا ہے۔ اور اسی طرح جو پاپ (گناہ) کے کام کیے ہوتا ہے۔ وہ اگلے جنم میں انسان کا جسم نہیں پاتا۔ بلکہ حیوان وغیرہ کا جسم پاکر دکھ جھیلتا ہے۔ پچھلے جنم کے کیے ہوئے پاپ (گناہ) اور پن (نیکی) کے مطابق سزا یا جزا پانے والا جیو پچھلے جسم کو چھوڑ کر ہوا، پانی اور نباتات وغیرہ اشیاء میں داخل ہو کر اپنے پاپ اور پن کے مطابق کسی جانور کا جسم پالیتا ہے۔ ہندومت میں نجات کا تصور طبقاتی مراتب پر بھی مقرر ہے یعنی برہمن کی نجات کا طریقہ کار مختلف ہے اور کھشتری کی نجات کا طریقہ اور عمل میدان جنگ میں جنگ کرنا ہے۔

---

(۱) یم راج ہندوؤں کے عقیدے میں عذاب دینے والے دیوتا کو کہتے ہیں یا بعض دوسرے محققین نے روح کو لے جانے والے دیوتا پر بھی اس کا اطلاق کیا ہے۔ (ہندو دھرم ایک مطالعہ، فاروق حسین، مکتبہ اسلامیہ، دہلی، طبع ۱۹۸۱ء، ص:۸۶)

فصل سوم: ہندومت اور اسلام: تصوفانہ تقابل

تعارف:

"انسانی اعمال و افعال کے پس پشت سوچ و فکر اور ارادے کی قوت کار فرما ہوتی ہے یہی ارادے کی قوت ہر دین و مذہب اور معاشرے کے اجتماعی فلسفہ، حکمت نظری اور حکمت عملی کی راہ و روشن کو متعین کرتی ہے۔ حکمت نظری عالم ہستی کو اس طرح پہچاننے کا نام ہے کہ جیسے وہ ہے جبکہ حکمت عملی زندگی کی راہ جو متعین ہونی چاہیے اسی کے فہم و ادراک کا نام ہے۔ حکمت نظری اور حکمت عملی کے نتیجے میں جو اجتماعی فلسفہ وجود میں آتا ہے زندگی کی جو راہ و روشن متعین ہوتی ہے اس کا اظہار عبادات، اخلاقیات اور رسوم و رواج کی صورت میں ہوتا ہے اس لئے کسی بھی مذہب اور اس کے نتیجے میں تشکیل پانے والے معاشرے کی رسوم و رواج کا جائزہ لینے کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ ان رسوم و رواج کے پس پشت کار فرما قوت کو مد نظر رکھا جائے، پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ افراد کا تصور کائنات، طرز جہاں بینی، مسلمہ حقائق کے بارے میں عقائد و ایمانیات کیا تب ہی ان کی معاشرتی زندگی سے کماحقہ واقفیت حاصل کی جاسکتی ہے۔ لہذا برصغیر پاک و ہند میں اسلام اور ہندومت کی بنیاد پر تشکیل پانے والے معاشروں سے واقف ہونے کیلئے سب سے اہم اور ضروری ہے کہ کائنات، خالق و مخلوق اور اس کے مابین رشتے و تعلق، زندگی اور موت کے بارے میں ان بنیادی تصورات اور عقائد کا جائزہ لے کر ان کا موازنہ کیا جائے جن کی روشنی میں معاشرتی اقدار، اہداف و مقاصد اور ان کے سوم و رواج کی تشکیل ہوتی ہے۔"[1]

ہندومت اور تصوف کے نظریات:

ہندو مذہب میں عبادت اور ریاضت کے طریقوں میں بعض ایسے ہیں جن کی عملی ہیئت کو دیکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ عملی تصوف میں جو معمولات کئی عرصے سے شامل ہیں وہ قریب قریب عملاً ہی ہندومت کے اندر بھی موجود ہیں اور اب بھی وہ لوگ یعنی ہندو مذہب کے ماننے والے ان کو بطور اصلاح دین اور عملی دین کے عمل میں لاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس مماثلت اور تقابل کو دیکھتے ہوئے بعض مغربی مفکرین اور دیگر مشرقی محققین کی آراء تصوف کی بابت مختلف ہوئیں۔ مغربی مفکرین کے ایک گروہ جن

---

(۱) تمدن ہند پر اسلامی اثرات، تاراچند، ڈاکٹر، مترجم: مسعود احمد، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص: ۹۹

میں "فان کریمر" گولڈ زیہر، ڈوزی، اور مشرق میں سے محقق ابو ریحان البیرونی، شامل ہیں ان کے رائے کے مطابق تصوف کے بیشتر نظریات ایسے ہیں جو ہندومت سے لئے گئے ہیں۔ مثلاً تصوف کا معروف نظریہ "وحدت الوجود" بہت حد تک اپنی عملی شکل کے اعتبار سے ویدانت کے زیر اثر وجود میں آیا۔ ایسے ہی ریاضت و نفس کشی کی روایت ہندی اپانشد کی تعلیمات سے ماخوذ ہیں۔

بعض دوسرے محققین کی آراء اس بابت تھوڑی مختلف ہیں وہ اس بات کے قائل ہیں کہ تصوف جہاں پر ہندومت سے عملی طور پر متاثر ہوا وہیں فکری طور پر بھی صوفیا نے تصوف میں ہندومت کے تاثر سے کافی حد تک تصوف کی ہیئت کو بدل دیا اسی بابت ان آراء کو نقل کرتے ہوئے ڈاکٹر ظہیر احمد [1] لکھتے ہیں:

"تصوف پر ہندومت نے دو طرح سے اثرات ڈالے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔"[2]

۱. طریقہ اشراق بذریعہ ریاضت
۲. مختلف رسوم کی عملا مقارنت کی وجہ سے

"اپنشد کی تعلیمات کے مطابق استغراق یا دھیان گیان کا طریقہ یہ ہے کہ ایک گوشہ تنہائی میں دوزانو بیٹھ کر منہ، ناک، کان اور آنکھوں کو بند کر کے آہستہ آہستہ سانس لیا جائے۔ اگرچہ ابتدا میں صوفیا عبادت و ریاضت میں مشغولیت بہت رکھتے تھے لیکن اس وقت یہ ریاضت زیادہ تر فرائض و نوافل کے ادا کرنے تک محدود تھی جیسا کہ کہا جاتا ہے رابعہ بصری ساری رات نمازیں پڑھتی تھیں اور دوسرے صوفیا بھی قائم اللیل اور صائم النہار ہوتے تھے اور کھانے پینے میں نہایت سادگی رکھتے تھے لیکن بعد میں ان میں فرائض و نوافل کے علاوہ ریاضت اور نفس کشی بھی رائج ہو گئی تھی۔ چنانچہ سلسلہ مولویہ [3] میں مرید کرنے سے پہلے طالب ارادت کو یہ حکم دیتے تھے کہ چالیس روز تک جانوروں کی خدمت کرے، چالیس روز فقراء کے بیت الخلاء صاف کرے، چالیس روز ان کے لئے پانی بھرے، چالیس روز ان کے لئے چارپائیاں بچھائے، چالیس روز ان کے لئے لکڑیاں کاٹ کر لائے

---

(۱) ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبہ فارسی سے منسلک رہے۔ آپ ۵۰ سے زائد کتب کے مصنف ہیں جن میں شاعری، ادب، تصوف، فارسی اور اقبالیات کو موضوع بنایا۔

(۲) تصوف اور تصورات صوفیاء، ظہیر احمد صدیقی، گنج شکر پرنٹر، لاہور، طبع اول، ۲۰۱۶ء، ص:۹

(۳) مولانا جلال الدین رومی کے سلسلہ کے لوگوں کو سلسلہ مولویہ کہا جاتا ہے۔

چالیس روز ان کے لئے کھانا پکائے، چالیس روز بازار سے سودا سلف لائے ،اور چالیس روز ان درویشوں کی خدمت کرے، نیز چالیس روز چوکیداری بھی کرے تب کہیں وہ مرید بننے کے لائق ہوتا تھا۔اس تمام سلسلے کے بعد اسے غسل کرا کے توبہ کروائی جاتی اور پھر حلقہ ارادت میں داخل کیا جاتا تھا۔ ابو الحسن خرقانی کا قول ہے کہ مجاہدہ چالیس سال کا ہے، سالک دس سال مجاہدہ کرے تاکہ اس کی زبان سچی ہو جائے۔ دس سال مجاہدہ کرے تاکہ سالک کا ہاتھ سچا ہو جائے۔ دس سال مجاہدہ کرے تاکہ اس کی زبان سچی ہو جائے، دس سال مجاہدہ کرے تاکہ اس کا دل سچا ہو جائے۔"[1]

ہندومت کی اصلاحی تحریک:

بھکتی تحریک کی ابتداء بارہویں صدی میں جنوبی ہند میں ہوئی تھی۔ اس کے بانی سوامی رامانج، مادھو، آنند تیرتھ، وشنو سوامی اور باسو تھے۔ بھکتی تحریک کے بانیوں نے خدا اور انسان سے پریم کا پرچار بڑے خلوص سے کیا تھا۔ کبیر، رائے داس، وھنا، سائیں، دادو اور دوسرے بھگت سماجی اصلاح کی سچے دل سے خواہاں تھے۔ قدیم زمانے سے ہی ہندومت کے متبعین کی تعداد بے شمار رہی ہے اور لوگوں نے اس مذہب میں عبادت کے مختلف طریقے اپنائے ہیں۔ ہندومت واحد ایسا مذہب ہے جس میں دیوی دیوتاوں کی تعداد بھی بہت زیادہ رہی ہے اور ہر گوشہ حیات کے لیے الگ الگ دیوی دیوتا مقرر کر لیے گئے ہیں۔ ہندو مذہب اگرچہ کافی قدیم مذہب ہے مگر اس میں تصوف کی روایت بہت زیادہ پرانی نہیں ہے۔ پندرہویں اور سولہویں صدی عیسوی میں اس کا آغاز ہوتا ہے جس کو بھکتی کے نام سے جانا گیا۔ جس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ لوگ شنکر اچاریہ کے فلسفے سے تنگ آ چکے تھے۔ یہ لوگ ان تمام باتوں سے متفق نہیں تھے اس لیے لوگوں کا رجحان بھکتی کی طرف ہو گیا۔

۲۔ ہندومت کے ورن سسٹم [2] نے بھکتی کے لیے راہیں ہموار کیں۔ چاروں طبقات میں سے برہمن اور چھتریہ طبقات کے

---

(۱) تذکرۃ الاولیاء، عطار، حصہ دوم، ص:۲۰۴

(۲) ورنا کا نظام دریائے گنگا کے اوپری حصوں میں وید عہد کے آخر (۶۰۰-۱۰۰۰ ق م) کے آخر میں قائم ہوا تھا جب آریوں نے زرعی معاشرے کو مکمل کیا۔ اس نظام میں براہمن کو اعلیٰ ترین صفائی، اچھوتوں کا ناپاک ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ ہندومت میں ذات پات کے نظام کی تشکیل کی اساس ہے۔

لوگ ویشیہ اور شودروں پر ظلم و ستم کرتے تھے اور ان سے تمام کام کرائے جاتے تھے۔ بڑے طبقات کے لوگ ان کو اچھوت سمجھتے تھے جس کی وجہ سے نچلے طبقات والوں کو بہت سی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

۳۔ بھکتی کے مقبول عام ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ جب نچلے طبقات بڑے طبقات کے ظلم و ستم سے عاجز آ گئے تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا جس کی وجہ سے ہندو مبلغین اور ان کے آچاریہ حضرات کو بڑی تشویش ہوئی تو انہوں نے اس کو روکنے کے لیے بھکتی کا سہارا لینا شروع کیا۔

۴۔ بھکتی کے وجود میں آنے کی ایک بہت بڑی وجہ مسلمان بھی رہے ہیں۔ اسلام میں موجود انسان دوستی، مساوات، بھائی چارہ، ایک خدا کی عبادت اور آپسی پیار محبت نے لوگوں کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ یا تو وہ اسلام قبول کر لیں گے یا پھر اس کی جگہ کوئی ایسا نظام قائم کیا جائے جس سے ہندومت میں لوگوں کا یقین قائم رہے۔ بھکتی سنسکرت کے لفظ بھج سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں وقف کرنا اور اپنے آپ کو خدا سے منسلک کرنا۔ ہندو فلسفے اور نظریے کے مطابق مکتی حاصل کرنے کیے لیے بھکتی ایک سب سے اہم ذریعہ ہے اور عہد وسطیٰ کے ہندوستان کی ایک اہم تحریک بھی ہے۔ اس نے انسان کو خدا کے لیے وقف کرنے پر زور دیا مگر بعد میں آہستہ آہستہ اس پر اسلام اور صوفیا کے اثرات مرتب ہونے شروع ہو گئے جس کی وجہ سے اب موجودہ دور میں اس کے بہت سے اصول تبدیل ہو چکے ہیں۔ اے ایل سریواستو کے مطابق بدھ مت کے زوال کے بعد سے لے کر اب تک ہمارے یہاں بھکتی جیسی زوردار اور دم دار کوئی بھی تحریک نظر نہیں آتی۔ در اصل بھکتی ان مساعی و کوششوں کا نام ہے جو ہندومت کو سدھارنے اور مکتی حاصل کرنے کے لیے کی گئیں۔[۱]

وحدت الوجود اور ہندومت:

عام خیال ہے کہ نظریہ وحدت الوجود دو جگہوں سے اسلام میں داخل ہوا، ایک یونان سے اور دوسرا ہندوستان سے۔ یہ نظریہ علمی اور فلسفی رنگ میں یونان اور اخلاقی رنگ میں ہندوستان سے تصوف میں آیا لیکن مسلم وحدت الوجود کے بارے میں ہمیشہ سے اس بات کے قائل رہے ہیں کہ خدا خدا ہے اور مخلوق مخلوق ہے۔ ہندومت میں وحدت الوجود سے ملتے جلتے نظریات تناسخ اور حلول و اتحاد کی صورت ملتے ہیں اور ہندوؤں کے نظریات انہی زاویوں پر وابستہ ہیں۔ کچھ صوفیا جیسے عزیز الدین نسفی، مصنف انسان کامل

---

(۱) ہندوستانی مذاہب ایک مطالعہ، ڈاکٹر رضی احمد، مکتبہ الحسنات، دہلی، ۲۰۱۴ء، ص: ۲۴۴

کے ہاں ان نظریات (تناسخ و حلول) کے اثرات ملتے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ صوفیا کی ایک بڑی تعداد نے عقیدہ وحدت الوجود کو پیش کرتے ہوئے حلول و اتحاد کے اس ہندوانہ نظریہ کی یکسر نفی کی ہے۔

شیخ شبستری [۱] نے صاف طور پر حلول اور اتحاد کے تصورات کو رد کیا وہ کہتے ہیں:

حلول اتحاد ایں جا محال است　　کہ در وحدت و دوئی عین ضلال است

"یعنی انسان میں خدا کا حلول کرنا ذات باری تعالیٰ کا بندہ کی ذات میں پیوست ہو جانا ناممکن ہے۔ اس لئے یہ وحدت میں دوئی دو ہونا عین گمراہی ہے۔"[۲]

"تصور وحدت الوجود نویں دسویں صدی میں تصوف میں داخل ہوا وحدت الوجود سے مراد یہ ہے کہ حقیقی وجود ایک ہی ذات ہے جو واجب الوجود ہے قدیم ہے عین العیون ہے، علت العلل ہے۔ باقی موجودات کا وجود عارضی ہے۔ فلاسفہ بھی ایک حد تک اسی نظریہ کے قائل ہیں فرق صرف یہ ہے کہ فلاسفہ استدلال و برہان کے ذریعے وجود کی وحدت کو ثابت کرتے ہیں اور صوفیا کشف و شہود کے واسطے سے اسے حق سمجھتے ہیں۔ مشہور فلسفی ابن سینا[۳] نے کہا تھا: جو کچھ ابو سعید (صوفی) دیکھتے ہیں میں جانتا ہوں۔ اور ابو سعید نے کہا تھا جو کچھ ابن سینا جانتے ہیں میں دیکھتا ہوں۔"[۴]

رہبانیت کا تصور:

تصوف میں ترک دنیا کا تصور اصلاً تو رہبانیت یا مسیحیت کے حوالے سے آیا اور ہندومت کے جوگیانہ پن (یعنی ان کے سنیاسی اور پنڈت ترک دنیا کر کے جنگلوں بیابانوں میں مختلف قسم کی ریاضتیں کرتے جیسا کہ جوگی کیا کرتے تھے) نے برصغیر میں اسے

---

(۱) ان کا نام شیخ محمود، لقب سعد الدین، نجم الدین والد عبد الکریم بن یحیی شبستری ہے۔ متوفیٰ ۷۴۰ھ ہیں۔ ایران کے اکابرین تصوف میں سے تھے۔ مثنوی گلشن راز وجہ شہرت بنی۔ (کنز الحقائق، محمود بن عبد الکریم شبستری، مکتبہ الحسن، تہران، طبع ۱۹۷۸ء، ص:۱۳)

(۲) گلشن راز، محمد علی فروغی، سیر حکمت در اروپا، شبستری، لاہور، ۲۰۰۲ء، ۱/ ۲۰۶

(۳) ابن سینا کا اصل نام علی الحسین بن عبد اللہ بن الحسن علی بن سینا ہے۔ یہ دنیائے اسلام کے ممتاز طبیب، فلسفی اور مفکر ہیں۔ آپ کا دور ۹۸۰ تا ۱۰۳۷ پر مشتمل رہا۔ آپ کا لقب شیخ الرئیس ہے۔ اسلام کے عظیم ترین مفکرین اور اطباء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ان کی مشہور کتابوں میں کتاب شفاء یا بی اور طبی قوانین ہیں۔ (ابن سینا ہمدان کا تاریخ ساز عبقری، مائیکل ہیملٹن مورگن، مترجم: ناصر فاروق، فرائیڈے سپیشل، ۷ فروری ۲۰۲۰ء)

(۴) تصوف اور تصورات صوفیاء، ظہیر احمد صدیقی، گنج شکر پرنٹر، لاہور، طبع اول، ۲۰۱۶ء، ص:۱۳

تقویت دی ورنہ اسلام اپنی آفاقی تعلیمات کے اعتبار سے اس تصور کو یکسر رد کرتا ہے۔ قرآن مقدس میں ہے کہ:

﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ﴾[۱]

(رہبانیت انہوں نے یعنی عیسائیوں نے گھڑلی ہم نے تو حکم نہیں دیا۔)

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

((لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ))[۲]

(یعنی اسلام میں رہبانیت (ترک دنیا) کی کوئی گنجائش نہیں۔)

اس قرآنی اصول اور آپ ﷺ کے واضح حکم سے دو باتیں سمجھ آتی ہیں۔ ایک یہ کہ ہم نے ان پر اس رہبانیت کو فرض نہیں کیا تھا بلکہ جو چیز ان پر فرض کی تھی وہ یہ تھی کہ وہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اور دوسرا مطلب یہ کہ یہ رہبانیت ہماری فرض کی ہوئی نہ تھی بلکہ اللہ کی خوشنودی کی طلب میں انہوں نے اسے خود اپنے اوپر فرض کر لیا تھا۔ دونوں صورتوں میں یہ آیت اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ رہبانیت ایک غیر اسلامی چیز ہے اور یہ کبھی دین حق میں شامل نہیں رہی ہے۔ یہ بات ہے جو نبی ﷺ نے فرمائی ہے کہ: لَا رَهبَانيّة فی الإسْلام "اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں"۔ ایک اور حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا:

((رَهْبَانِيَّةُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ اَلْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ))[۳]

(اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔)

یعنی اس امت کے لیے روحانی ترقی کا راستہ ترک دنیا نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں جہاد ہے، اور یہ امت فتنوں سے ڈر کر جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف نہیں بھاگتی بلکہ راہ خدا میں جہاد کر کے ان کا مقابلہ کرتی ہے۔ بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت ہے کہ:

صحابہ میں سے ایک صاحب نے کہا میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی ناغہ نہ کروں گا، تیسرے نے کہا میں کبھی شادی نہ کروں گا اور عورت سے کوئی واسطہ نہ رکھوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۱) سورۃ الحدید: ۵۷/ ۲۷

(۲) مسند أحمد، احمد بن حنبل، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۳ء، ۴/ ۲۳۱

(۳) ایضاً، ۲/ ۲۴۱

ان کی یہ باتیں سنیں تو فرمایا:

((أَما وَاللهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ للهِ وَأَتْقَاكُم لَهُ لكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصلِّي وَأَرْقُد، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي))[۱]

(خدا کی قسم میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرتا اور اس سے تقویٰ کرتا ہوں۔ مگر میرا طریقہ یہ ہے کہ روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا، راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جس کو میرا طریقہ پسند نہ ہو اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔)

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

((لَا تُشَدِّدُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَيُشَدَّدَ عَلَيْكُمْ، فَإِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ، فَتِلْكَ بَقَايَاهُمْ فِي الصَّوَامِعِ وَالدِّيَارِ))[۲]

(اپنے اوپر سختی نہ کرو کہ اللہ تم پر سختی کرے۔ ایک گروہ نے یہی تشدد اختیار کیا تھا تو اللہ نے بھی پھر اسے سخت پکڑا۔ دیکھ لو، وہ ان کے بقایا راہب خانوں اور کنیسوں میں موجود ہیں۔)

عبادت وریاضت کا تصور:

ہندو مذہب کی تعلیمات کے مطابق نجات حاصل کرنے کے لیے ہندو دور جنگلوں اور غاروں میں رہتے اپنے جسم کو ریاضتوں سے طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے۔ جس سے مقصود ان کے ہاں ریاضت کے ذریعے لامتناہی اور مخفی طاقتوں کا حصول ہے۔ ارتھ شاستر[۳] کے مصنف کوتلیہ چانکیہ کے مطابق ہندوؤں میں ریاضت کے اعتبار سے بلا تفریق کوشش جاری رکھی جاتی ہے۔

"گرمی، سردی، بارش اور ریتلی زمینوں پر ننگے بدن رہنا اپنی ریاضتوں کا مقدس عمل سمجھتے جہاں یہ اپنے آپ کو

---

(۱) صحيح البخاري، محمد بن اسماعیل البخاری، رقم الحدیث:۵۰۶۳، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۱ء، ۱/ ۳۴۲

(۲) سنن أبو داؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص:۲۳۳

(۳) ارتھ شاستر، کوتلیہ چانکیہ کی بہت معروف کتاب ہے جس میں ہندستان کے قدیم تہذیب وتمدن کے ہر پہلو کو موضوع سخن بنا کر بحث کی ہے علوم و فنون، معیشت، رسوم ورواج، الغرض ہر موضوع پر سیر حاصل بحث موجود ہے۔ اکثر محقق اس بات پر متفق ہیں کہ یہ کتاب ۳۰۰ سے ۳۱۱ق، م میں تصنیف کی گئی۔ (مقدمہ ارتھ شاستر)

دیوانہ وار تکلیفیں پہنچا کر انگاروں پر لوٹ کر، گرم سورج میں ننگے بدن بیٹھ کر، کانٹوں کے بستر پر لیٹ کر، درخت کی شاخوں پر گھنٹوں لٹک کر اور اپنے ہاتھوں کو بے حرکت بنا کر، یا سر سے اونچا لے جا کر اتنے طویل عرصے تک رکھتے تا کہ وہ بے حس ہو جائیں اور سوکھ کر کانٹا بن جائیں۔۔ان جسمانی اعضاء کی ریاضتوں کے ساتھ ہندومت میں دماغی اور روحانی مشقتوں کو بھی نجات کا ان کے ہاں یہ ایک اہم نجات کا ذریعہ سمجھا جاتا چنانچہ ہندو تنہا شہر سے باہر غور و فکر میں مصروف رہتے اور ان میں سے بہت سے جھونپڑیوں میں اپنے گرو کی رہنمائی میں گروپ بنا کر بھی رہتے۔ان میں سے کچھ گروپ بھیک پر گزارہ کرتے ہوئے سیاحت کرتے ان میں سے کچھ مادرزاد برہنہ رہتے اور کچھ لنگوٹی باندھ لیتے۔ بھارت کے طول و عرض میں اس قسم کے چٹادھاری یا ننگ دھڑنگ اور خاکستر میلے سادھوؤں کی ایک بڑی تعداد جنگلوں، دریاؤں اور پہاڑوں میں کثرت سے پائی جاتی ہے، اور عام ہندو معاشرے میں ان کی پوجا تک کی جاتی ہے۔"(۱)

"روحانی قوت اور ضبط نفس کے حصول کی خاطر ریاضت کا اہم طریقہ "یوگا" ایجاد کیا گیا جس پر ہندومت، بدھ مت اور جین مت کے پیروکار بھی عمل کرتے ہیں اس طریقہ ریاضت میں یوگی اتنی دیر تک سانس روک لیتے ہیں کہ موت کا شبہ ہونے لگتا ہے دل کی حرکت کا اس پر اثر نہیں ہوتا۔ سردی گرمی ان پر اثر انداز نہیں ہوتی یوگی طویل ترین فاقے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ ارتھ شاستر کے نامہ نگار کا اس طرز ریاضت پر تبصرہ کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں کہ یہ ساری باتیں مغربی علم الاجسام کے ماہرین کے لیے تو حیران کن ہو سکتی ہے لیکن مسلمان صوفیاء کے لیے چنداں حیران کن نہیں، کیونکہ اسلامی تصوف کے بہت سے سلسلوں بالخصوص نقشبندی کے سلسلے فنافی اللہ یا فنافی الشیخ یا ذکر قلب کے اوراد میں حبس دم کے کئے طریقے ہیں جن پر صوفیاء عامل ہوتے ہیں۔"(۲)

یوگا عبادت کا ایک بھیانک نظارہ سادھوؤں اور یوگیوں کا دہکتے ہوئے شعلہ نشاں انگاروں پر ننگے قدم چلنا اور بغیر جلے سالم نکل آنا، تیز دھار نوکیلے خنجر سے ایک گال سے دوسرے گال تک اور ناک کے دونوں حصوں تک اور دونوں ہونٹوں کے آر پار خنجر

---

(۱) مقدمہ ارتھ شاستر، مصنف: کوتلیہ چانکیہ، ترجمہ: سلیم اختر، قومی کونسل برائے اردو، نئی دہلی، ۱۹۹۹ء، ص:۹۹

(۲) ایضاً، ص:۱۲۹

اتار دینا اور اس طرح گھنٹوں کھڑے رہنا، تازہ کانٹوں اور نوکیلے کیلوں کے بستر پر لیٹے رہنا یا رات دن دونوں پیروں یا ایک پیر کے سہارے کھڑے رہنا یا ایک ٹانگ اور ایک ہاتھ کو اس طویل عرصہ تک بے مصروف بنا دیا کہ وہ سوکھ جائے یا مسلسل الٹے لٹکے رہنا، ساری عمر ہر موسم اور بارش میں برہنہ رہنا، تمام عمر سنیاسی یعنی کنوارا رہنا یا اپنے تمام اہل خانہ سے الگ ہو کر بلند پہاڑوں کے غاروں میں گیان کرنا وغیرہ بھی یوگا عبادت کے مختلف طریقے ہیں۔ اسے ہندو یوگی ہندو دھرم یا ویدانت یعنی تصوف کے مظاہر قرار دیتے ہیں۔

"ہندو مت اور بدھ مت میں جنتر منتر اور جادو کے ذریعے عبادت کا طریقہ بھی رائج ہے، عبادت کا یہ طریقہ اختیار کرنے والوں کو "تانترک" فرقہ کہتے ہیں یہ لوگ جادوئی منتر جیسے آدم منی: پدمنی اور یوگا کے انداز میں گیان دھیان کو نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ قدیم وید لٹریچر بتاتا ہے کہ سادھو اور ان کے بعض طبقات جادو اور سفلی عملیات پر مہارت حاصل کرنے کے عمل دھرایا کرتے تھے اس فرقہ میں تیز بے ہوش کرنے والی شرابوں کا پینا، گوشت اور مچھلی کھانا، جنسی افعال کا بڑھ چڑھ کر کرنا، غلاظتوں کو غذا بنانا مذہبی رسموں کے نام پر قتل کرنا جیسی قبیح اور مکروہ حرکات بھی عبادت سمجھی جاتی ہیں۔"(۱)

ہندو بزرگوں کے لئے مافوق الفطرت اختیارات:

"جس طرح مسلمانوں کے غوث، قطب، نجیب، ابدال، ولی۔ فقیر اور درویش وغیرہ مختلف مراتب اور مناصب کے بزرگ سمجھے جاتے ہیں، جنہیں مافوق الفطرت قوت اور اختیارات حاصل ہوتے ہیں اسی طرح ہندوؤں میں رشی، منی، مہاتما، اوتار، سادھو، سنیاسی، یوگی، گیانی، شاستری اور چتھر ویدی وغیرہ مختلف مراتب اور مناصب کے بزرگ سمجھے جاتے ہیں جنہیں مافوق الفطرت قوت اور اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کی مقدس کتابوں کے مطابق یہ بزرگ ماضی، حال اور مستقبل کو دیکھ سکتے ہیں، جنت میں دوڑتے ہوئے جاسکتے ہیں، دیوتاؤں کے دربار میں ان کا بڑے اعزاز سے استقبال کیا جاتا ہے۔ یہ اتنی زبردست جادوئی طاقت کے حامل ہوتے ہیں کہ اگر چاہیں تو پہاڑوں کو اٹھا کر سمندر میں پھینک دیں، یہ ایک نگاہ سے دشمنوں کو جلا کر خاکستر کر سکتے ہیں، تمام فصلوں کو برباد کرسکتے ہیں، اگر خوش ہو جائیں تو پورے شہر کو تباہی سے بچالیتے ہیں، دولت میں

---

(۱) مقدمہ ارتھ شاستر، ص:۱۱۷

زبردست اضافہ کرسکتے ہیں، قحط سالی سے بچاسکتے ہیں، دشمنوں کے حملے روک سکتے ہیں۔" (۱)

منی وہ مقدس انسان ہیں جو کوئی کپڑا نہیں پہنتے، ہوا کو بطور لباس استعمال کرتے ہیں، جن کی غذا ان کی خاموشی ہے، وہ ہوا میں اڑ سکتے ہیں اور پرندوں سے اوپر جاسکتے ہیں، یہ منی تمام انسانوں کے اندر پوشیدہ خیالوں کو جانتے ہیں کیونکہ انہوں نے وہ شراب پی ہوئی ہے جو عام انسانوں کے لیے زہر ہے۔

"شیو جی کے بیٹے لارڈ گنیش کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وہ کسی بھی مشکل کو آسان کرسکتے ہیں اگر چاہیں تو کسی کے لیے بھی مشکل پیدا کرسکتے ہیں اس لیے بچہ جب پڑھنے کی عمر کو پہنچتا ہے تو سب سے پہلے اسے گنیش کی پوجا کرنا ہی سکھایا جاتا ہے۔" (۲)

ہندومت اور تصور کرامات:

"ہندوؤں کی مقدس کتب میں اپنے بزرگوں سے منسوب بہت سی کرامات کا تذکرہ ملتا ہے ہم یہاں چند مثالوں پر ہی اکتفا کریں گے ہندوؤں کی مذہبی کتاب رامائن میں رام اور راون کا طویل قصہ دیا گیا ہے کہ رام اپنی بیوی سیتا کے ساتھ جنگلات میں زندگی بسر کر رہا تھا کہ لنکا کا راجہ راون اس کی بیوی اغوا کر کے لے گیا اور اس نے ہنومان (بندروں کے شہنشاہ) کی مدد سے خونی جنگ کے بعد اپنی بیوی واپس حاصل کرلی لیکن مقدس قوانین کے تحت اسے بعد میں الگ کر دیا گیا۔ سیتا یہ غم برداشت نہ کرسکی اور اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے لیے آگ میں کود گئی، اگنی دیوتا جو مقدس آگ کے مالک ہیں انہوں نے آگ کو حکم دیا کہ بجھ جائے اور سیتا کو نہ جلائے اس طرح سیتا دہکتی آگ سے سالم نکل آئی اور اپنے بے داغ کردار کا ثبوت فراہم کر دیا۔" (۳)

"محبت کے دیوتا (کاما) اور اس کی دیوی (رتی) اور ان دونوں دیوی دیوتاؤں کے دوست خاص طور سے موسم بہار کے خدا جب باہم کھیلتے تو "کامادیوتا" اپنے پھولوں کے تیروں سے "شیو دیوتا" پر بارش کرتے اور شیو دیوتا اپنی تیسری آنکھ سے ان تیروں پر نگاہ ڈالتے تو یہ تیر بجھی ہوئی خاک کی شکل میں تباہ ہو جاتے اور وہ ہر قسم کے

---

(۱) مقدمہ ارتھ شاستر، مصنف: کوتلیہ چانکیہ، ترجمہ: سلیم اختر، قومی کونسل برائے اردو، نئی دہلی، ۱۹۹۹ء، ص: ۱۰۰

(۲) ایضاً، ص: ۹۸

(۳) ایضاً، ص: ۱۰۱-۱۰۲

نقصان سے محفوظ رہتا کیونکہ وہ جسمانی شکل سے آزاد تھا۔"[۱]

نتیجہ تقابل:

ہندومت اور تصوف میں ان مماثل معمولات کے پائے جانے کے بعد اور بعض ایسی چیزوں کے جو آج بھی دونوں ادیان میں معمول بہا ہیں کے اعتبار سے تصوف کی موجودہ عملی صورت کو جس میں بہت سی کوتاہیاں پائی جاتی ہیں دیکھتے ہوئے ان کے متعلق دو قسم کی آرا پائی جاتی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی رائے:

"اسلام ایک آفاقی دین ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے اُصول وضوابط بھی آفاقی بنیادوں پر مشتمل ہوں۔نہ کہ ماحول کے رویے اور مختلف عہد کے رواجات اس کی تشکیل کریں۔کیونکہ رواج ورسم بہر حال تبدیل ہی ہو جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہندومت کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ مسلمانوں کے ایک بڑے فرقے "اہل تصوف" کے عقائد اور تعلیمات ہندو مذھب سے کس قدر متاثر ہیں عقیدہ وحدۃ الوجود اور حلول یکساں۔عبادت اور ریاضت کے طریقے یکساں۔بزرگوں کے مافوق الفطرت اختیارات یکساں اور بزرگوں کی کرامات کا سلسلہ بھی یکساں۔اگر کوئی فرق ہے تو وہ ہے صرف ناموں کا۔تمام معاملات میں ہم آہنگی اور یکسانیت پالینے کے بعد ہمارے لیے ہندوستان کی تاریخ میں ایسی مثالیں باعث تعجب نہیں رہتیں کہ ہندو لوگ، مسلمان پیروں فقیروں کے مرید کیوں بن گئے اور مسلمان ہندو سادھوؤں اور جوگیوں کے گیان دھیان میں کیوں حصہ لینے لگے۔اس اختلاط کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت جس اسلام پر آج عمل پیرا ہے اس پر کتاب وسنت کی بجائے ہندو مذھب کے نقوش کہیں زیادہ گہرے اور نمایاں ہے۔"[۲]

یہی وجہ ہے کہ جو چیزیں ہم ہندومت میں قابل اعتراض سمجھتے اور دیکھتے ہیں وہی جب اسلام کے لبادے میں سامنے آتی ہے تو بھلا کیونکر درست اور قابل قبول ہوسکتی ہے۔اگر علت ایک ہی ہے تو دونوں جگہ حکم بھی یکساں ہونا چاہیے۔اس سلسلہ میں چند صوفیوں کی مثالیں ملاحظہ کیجیے۔

---

(۱)مقدمہ ارتھ شاستر، مصنف: کوتلیہ چانکیہ، ترجمہ: سلیم اختر، قومی کونسل برائے اردو، نئی دہلی، ۱۹۹۹ء، ص:۹۰

(۲)اسلامی تصوف میں غیر اسلامی تصوف کی آمیزش، پروفیسر یوسف سلیم چشتی، انجمن خدام القرآن، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص:۳۱

"زُبدۃ العارفین قدوۃ السالکین حافظ غلام قادر اپنے زمانے کے قطب الاقطاب اور غوث الاغواث اور محبوب خدا تھے جن کا فیض روحانی ہر عام وخاص کے لیے اب تک جاری ہے یہی وجہ تھی کہ ہندو، سکھ، عیسائی، ہر قوم اور فرقہ کے لوگ آپ سے فیض روحانی حاصل کرتے تھے، آپ کے عرس میں تمام فرقوں کے لوگ حاضر ہوتے تھے آپ کے تمام مریدین باصفا فیض روحانی سے مالامال اور پابند شرع شریف ہیں۔"(۱)

"اسماعیلیہ فرقہ کے پیر شمس الدین صاحب(۲) کشمیر تشریف لائے تو تقیہ کرکے اپنے آپ کو یہاں کے باشندوں کے رنگ میں رنگ لیا ایک دن ہندو دسہرے (ہندوؤں کا ایک تہوار) کی خوشی میں گربار قص کررہے تھے پیر صاحب بھی اس رقص میں شریک ہوگئے اور اٹھائیس، گربا گیت(۳) تصنیف فرمائے۔ پیر صدر الدین صاحب (اسماعیلی) نے ہندوستان میں آکر اپنا ہندووانہ نام "ساہ دیو" (بڑا درویش) رکھ لیا اور لوگوں کو بتایا کہ وہ وشنو کا دسواں اوتار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکل میں ظاہر ہوچکا ہے، اس کے پیرو صوفیوں کی زبان میں محمد اور علی کی تعریف کے بھجن گایا کرتے تھے۔"(۴)

دوسری رائے:

دوسری رائے اس بابت یہ ہے کہ تصوف فی نفسہ کوئی قبیح عمل نہیں ہے بلکہ شرعاً مطلوب اور مستحسن ہے کیونکہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب تزکیہ کے حوالے سے واضح ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم معلم تھے وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزکی بھی تھے۔ دعوت الی اللہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تزکیہ نفس پر بھی بھرپور توجہ دیتے تھے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور دیگر اقوام و ملل کے ساتھ بڑھتے ہوئے روابط نے اصل تصوف کی ہیئت کو تو نہیں بدلا البتہ اس میں اپنا رنگ ضرور چڑھایا جس کی وجہ سے مقصود سے وسائل کو زیادہ سمجھا جانے لگا اور وسائل بھی روز افزوں بدلتے ہی چلے گئے یوں تصوف نے ایک دوسرا رنگ اختیار کرلیا جو غیر مطلوب تھا۔

گویا کہ ابتدائی تصوف اسلام کی اصل روح سے قریب تر ہے اور اس میں بہت سی قابل ذکر شخصیات کے نام آتے ہیں جنہوں

---

(۱) رياض السالكين شرح صحيفة الساجدين، سید علی خان حسینی، موسسۃ النشر الاسلامی، ۲۰۰۱ء، ص:۲۷۲

(۲) شمس الدین محمد، اسماعیلیہ فرقے میں سے نزاریہ کے بڑے راہنماؤں میں سے ہیں اور اسماعیلیوں کی شاخ مومنیہ کے بانی ہیں۔

(۳) گربا گیت، راجھستان، گجرات اور مالوا ریاستوں میں رائج لوک رقص، بھنگڑے کی طرح ہے جسے مخصوص اشعار کے ساتھ گایا جاتا ہے۔

(۴) اسلامی تصوف میں غیر اسلامی تصوف کی آمیزش، ص:۳۳

اسلام کی تبلیغ میں نہایت گراں قدر خدمات انجام دیں جیسے امام غزالی اور معین الدین چشتیؒ وغیرہ۔

صوفیاء کرام کو دی جانے والی عزت و مقام سے متاثر ہو کر کاذب صوفیا بھی نمودار ہوتے رہے اور تصوف نے بہت سے مفاد پرست افراد کو بھی اپنی جانب راغب کر لیا جنہوں نے درویشی اور صوفیت کے نام کا استحصال کیا اور اس کا تصور مکدر کرنے میں کردار ادا کیا۔ انکی وجہ سے نا صرف یہ کہ تصوف میں مختلف مسلم و غیر مسلم فلسفیوں کے خیالات کی آمیزش ہوتی گئی بلکہ بہت سے افکار دیگر مذاہب سے بھی شامل ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ داتا گنج بخش ،ابو سلمان، منصور بن حلاج، کے اسلام منافی تصوف کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "میں نہیں جانتا فارسی کون ہے اور ابو سلمان[۱] کون اور انہوں نے کیا کیا اور کیا کہا۔ لیکن جو شخص تحقیق اور توحید کے خلاف چلتا ہے، اس کو دین میں کچھ نصیب نہیں ہوتا اور جب دین جو اصل ہے مضبوط نہ ہو تو تصوف جو اس کی شاخ ہے کس طرح مفید ہو سکتا ہے۔"[۲]

الغرض ان دونوں آرا کا جائزہ لیا جائے اور تجزیہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی تصوف میں ہندو مت کی بعض رسوم اور بعض اصطلاحات در آئی ہیں اور یہاں کے وہ صوفیا کی کوتاہیوں اور شرعی اصولوں سے عدم واقفیت اور ایسے لوگوں کا تصوف کو پھیلانا جو خود ان بنیادی شرعی اصولوں سے واقف نہیں ہیں کی وجہ سے یہ تاثر سامنے آیا وگرنہ بذات خود تصوف تزکیہ نفس کا نام ہے جس سے کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ اگر آج بھی دور اول کے صوفیا کی طرز پر تطہیر تصوف ہو جائے تو یہ نظریات نکل سکتے ہیں۔

اسلام اور ہندو مت کے مذکورہ بالا تصوف کے اعتبار سے تقابل کے علاوہ بنیادی طور پر مندرجہ ذیل اُصولوں میں تفصیلی تقابل ملاحظہ کیجئے۔

---

(۱) ابو سلمان بن عبد الرحمٰن معروف اہل تصوف کے گروہ میں سے ہیں۔ صوفیاء آپ کی بہت تعظیم کرتے تھے۔ آپ ریاضت اور مجاہدوں کے اعتبار سے بہت معروف تھے۔ آپ کا معروف قول اتحاد کے متعلق تھا کہ کائنات کی کوئی چیز بندے اور خدا کے درمیان حائل نہیں ہو سکتی۔ (کشف المحجوب، سید علی ہجویری، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص:۱۷۵)

(۲) آب کوثر، شیخ محمد اکرام، ادارۃ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص:۳۳۲

ہندومت کے تکوینی نظریات:

ہندومت کے تکوینی نظریات کے مطابق تخلیق کائنات کو کہیں بھینٹ کا صلہ سمجھا جاتا ہے یعنی یہ قوت (پروش) یا ذات مطلق خود بھینٹ چڑھ جاتا ہے اور اسی کے اعضاء سے کائنات کے مختلف حصے وجود میں آتے ہیں۔ اس نظریے کے مطابق ہی ہندو معاشرہ میں ذات پات کی تقسیم عمل میں آئی ہے جس کے مطابق برہمن برہما کے منہ سے، کھشتری اس کے بازوؤں سے، ویش اس کے رانوں اور شودر اس کے پاؤں سے پیدا ہوئے ہیں ایک دوسرے نظریے کے مطابق کائنات کو فنی تخلیق کا نتیجہ تصور کیا جاتا ہے، عین اس کو ایک بنیاد، ستوں اور ڈھانچے پر ایک خاص انداز میں پھیلایا گیا ہے۔ ایک اور نظریے کے مطابق ابتداء میں زندگی اور موت دونوں معدوم تھے۔

> "ایک تاریک خلاء تھا جس میں ذاتِ واحد خاموش اور ساکت تھی۔ پھر اس کے اندر ایک چاہ اٹھی جو ہستی اور نیستی کا بندھن اور کل آفرینش کی علت العلل تھی۔ ان تمام تکوینی نظریات میں "بیضہ زرین" کے نظریے کو زیادہ اہمیت حاصل ہوئی جس میں بتایا جاتا ہے کہ وجود الٰہی نے سب سے پہلے سمندر پیدا کئے جن پر بیضہ زرین تیرتا پھیرتا تھا۔ تب وہی وجود الٰہی اس میں داخل ہو گیا اور اس میں اولین مخلوق بن کر پیدا ہوا۔ اور برہما کہلایا۔ پھر برہمانے دیوتا، بہشت، آسمان، آفتاب، ماہتاب، کائنات اور انسان پیدا کئے۔"(۱)
>
> "رگ وید کے ایک اشلوک میں کہا گیا ہے کہ برہمانے آب حیات (سوم رس) پی کر مدہوشی کے عالم میں اس کائنات کی تخلیق کی ہے۔"(۲)

ان تمام تکوینی نظریات سے وجودی رجحان کا اظہار ہوتا ہے، اس لئے کہ تخلیق مبدأ اول کے کائنات میں متبدل ہو جانے یا ماوراء کے محیط کل ہو جانے یا غیر مشہود کے مشہود ہو جانے سے عبارت ہے۔ گویا کائنات مبدأ اول یا مبدأ ذات کے وجود ہی کا ایک حصہ ہے اور مبدأ ذات اس تمام کائنات یا مخلوقات میں پنہاں ہے۔ اسی نظریے کے مطابق کائنات کا ہر ذرہ خود ہی خالق اور معبود کا درجہ رکھتا ہے، آسمان و زمین آفتاب و ماہتاب، شجر و حجر تمام قابل پرستش ہیں۔ ان تکوینی نظریات کی بناء پر

---

(۱) رگ وید، منڈل ۸، اشلوک ۱۲، منتر ۹، بحوالہ سوامی دیانند سرسوتی، رگ وید ایک مطالعہ، مترجم: نہال سنگھ، نگارشات پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص: ۲۳۱

(۲) ایضاً، اشلوک ۴، منتر ۱۰

ہندوؤں میں مظاہر پرستی، شجر پرستی، حیوان پرستی کا رواج رہا ہے۔ اور اسی کے مطابق ہی مذہبی اور معاشرتی رسوم کی تشکیل ہوئی ہے مثلاً اگنی ہوتر، یگیہ اور ارتھی وغیرہ کے رسومات میں آگ کے دیوتا کی پرستش کی جاتی ہے۔ عبادات، رسومات اور زندگی کا مقصد ہی ان گنت دیوتاؤں کو خوش کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے عبادات اور رسومات میں وحدت، یگانگت اور اجتماعیت کی بجائے کثرت، تنوع اور انفرادیت کا رجحان پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ کھانے پینے اور دوسرے معاشرتی رسوم ورواج انفرادیت کے حامل ہیں۔

اسلامی تصور کائنات:

اسلام کائنات کا جو تصور پیش کرتا ہے اس کے مطابق کائنات ایک حکیمانہ مشیت سے وجود میں آئی ہے اور نظام بستی خیر اور جود ورحمت، نیز مخلوقات کو اپنے شایان شان کمالات تک پہنچانے کی بنیاد پر استوار ہے۔ اسلامی تصور کائنات یہ ہے کہ کائنات کا صرف اور صرف ایک ہی محور اور مرکز ہے، تمام کائنات، بشمول انسان اسی محور اور مرکز کی طرف رجوع کرنے والے ہیں جیسا کہ قرآن میں آیا ہے:

﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيهِ رَاجِعُونَ﴾[۱]

(یعنی ہماری زندگی اور موت، رنج وغم، سود وزیاں جو کچھ بھی ہے سب کچھ اللہ کیلئے ہے ورہم سب کو بالآخر مرنا اور اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ مخلوقات جہاں ایک ہم آہنگ نظام کے تحت ایک ہی مرکز کی طرف ارتقائی منازل طے کر رہی ہیں وہاں کسی بھی مخلوق کی خلقت عبث، بے ہودہ اور بے مقصد نہیں ہے۔)[۲]

"کائنات ایسے قطعی نظاموں کے تحت چل رہی ہے جنہیں سنن الٰہی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور سنن الٰہی میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہے تمام کائنات میں انسان کو ایک خاص شرف وبزرگی حاصل ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے کاندھوں پر ایک خاص ذمہ داری کا بوجھ بھی ہے۔ وہ اپنی تکمیل وتربیت اور معاشرے کی اصلاح کا ذمہ دار ہے۔ تمام کائنات انسان کیلئے مسخر کی گئی ہے۔ جبکہ انسان کی تخلیق کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ وہ صرف اسی ذات کی بندگی کرے گا۔"[۳]

---

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۱۵۶

(۲) سورۃ آلِ عمران: ۳/ ۱۵

(۳) سورۃ آل عمران: ۳/ ۱۹۰، ۱۹۱، سورۃ المؤمنون: ۲۳/ ۱۱۵

"اسلامی تصور کائنات دراصل تصور توحید ہی ہے جس کے مطابق کائنات کا خالق ذات وصفات میں یکتا، وحدہ لا شریک ہے۔ جبکہ تمام کائنات کی حیثیت ایک مخلوق، ایک اکائی اور ایک وحدت جیسی ہے جس میں خالق کائنا ت اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ سنت الٰہی کی صورت میں یعنی ایک کلی اصول اور قانون کی صورت میں جاری وسا ری ہے جس پیڑ میں جو تغیر و تبدیلی واقع ہو جاتی ہے وہ ان سنن الٰہی کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ انسان کو اچھے اور برے اعمال پر جہاں آخرت میں جزا یا سزا دی جائے گی وہاں یہ اس دنیا میں تاثیر اور مکافات سے خالی نہیں ہوں گے۔ توحید الٰہی پر مبنی تصور کائنات ہی اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ اسلامی عقائد، عبادات، رسومات اور اخلاقیا ت میں یہی توحیدی اصول کارفرما ہے۔ تمام کائنات مجموعی طور پر ایک حقیقی اکائی ہے اور اس کے مختلف حصوں کے درمیان ایک عضویاتی ربط قائم ہے اس لئے عالم کو "انسان کبیر" جبکہ انسان کو "عالم صغیر" کے نام سے مو سوم کیا جاتا ہے لہذا اسلامی تصور کائنات کے مطابق یہ تمام کائنات ایک اکائی، اور عضویاتی ربط سے مربوط ہے۔ اسلامی تعلیمات کے نتیجے میں جو معاشرہ تشکیل پاتا ہے اس کی مثال بھی جسم واحد کی طرح ہے کہ جسم کے اگر ایک حصے میں تکلیف ہو تو سارا جسم اس کے دکھ درد میں شریک ہوتا ہے۔"[1]

اسلام کی تمام تر عبادات اور رسومات میں توحیدی اصول کارفرما ہے۔ مثلاً نماز پڑھتے ہوئے تمام دنیا کے مسلمان ایک طرف یعنی قبلہ روخ ہو کر وحدت اور یگانگت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ حج کے موقع پر لاکھوں کی تعداد میں زائرین ایک ہی قسم کا لباس، ایک ہی قسم کے مناسک حج میں مصروفِ عمل رہ کر جسدِ واحد کا عملی نمونہ پیش کرتے ہیں۔ کائنات کے اسلامی تصور کا دوسرا پہلو نظام بستی کا خیر اور جُود و رحمت پر مبنی ہونا ہے اس کے مطابق کائنات کا ہر ذرہ، نظام شمسی سے لے کر ایٹم کے چھوٹے ذرے تک، تمام مخلوق ہر لحہ خالق کے حکم پر کاربند ہے۔ اپنی ذات میں یہ تمام مخلوقات نہ فیض رساں اور نہ ہی ضرر رساں ہیں۔ نفع و نقصان اور صفات میں یہ خالق مخلوقات کے حکم کی محتاج ہیں صرف ایک ہی ذات ہے جو تمام مخلوقات کا خالق، ذات وصفات میں یکتا ہے اور بے مثال ہے۔ اس لئے اسلام میں صرف اسی ذات کی عبادت کا حکم دیا جاتا ہے۔ تمام عبادات، اخلاقیات اور معاشرتی رسوم ورواج اک مقصد، محور اور مرکز اسی ذات کی رضا کی جستجو ہوتی ہے۔

اسلام میں توحید اور ہندوؤں میں کثرت پرستی اسی طرز جہاں بینی پر مبنی ہے چونکہ تمام مخلوقات، سورج، چاند ستارے اور

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الادب، باب رحمة الناس والبهائم، ۲/۴۵۳

سیارے ہوا، آگ اور پانی اپنی ذمہ داری کی تکمیل میں اللہ تعالیٰ کے حکم اور اجازت کے محتاج ہیں اس لئے اسلام میں ان مظاہر قدرت کی پرستش سے منع کیا گیا ہے۔ جبکہ ہندومت میں وجودی نظریات کے مطابق یہ تمام مظاہر قدرت مبدأ ذات کے وجود کے حس ہیں، مبدأ ذات ان ہی مظاہر قدرت میں پنہاں ہے اس لئے ہندومت میں سورج، چاند، ستاروں، سیاروں، ہوا آگ اور پانی کو دیوتامان کر ان کی پرستش کی جاتی ہے۔ ہندومت میں چونکہ ابتدا اور مرجع ایک نہیں زیادہ ہیں اس لئے کثرت پرستی کی تلقین کی جاتی ہے جبکہ اسلام میں مبدأ اور مرجع صرف اور صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس لئے صرف اس کی پرستش کی جاتی ہے۔ اسلام چونکہ نام ہی خیر اور سلامتی کا ہے اس لئے اسلامی تعلیمات کے مطابق انسان کا وجود نہ صرف تمام بنی نوع انسان بلکہ حیوانات، نباتات اور جمادات کیلئے باعث خیر اور سلامتی ہے۔ اسلامی عبادات نماز، روزہ، زکواۃ اور حج میں اسی خیر اور سلامتی کی تربیت دی جاتی ہے۔

اسلام کے اساسی عقائد:

تصور کائنات کے ساتھ ساتھ مسلمہ حقائق اور عقاائد و ایمانیات بھی اہداف زندگی اور رسوم رواج کی تشکیل میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں جو کہ کسی بھی تصور کائنات اور طرز جہان بینی کا لازم نتیجہ ہوتا ہے ان مسلمہ حقائق پر عقیدہ و ایمان، لامحدود اور جاوداں اشیاء کی معرفت کلی قوانین اور آفاقی حقائق کا ادراک انسان اور دوسرے حیوانات کے درمیان امتیاز اور انسان کی انفرادی واجتماعی زندگی کیلئے اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسلام میں یہ عقائد و ایمانیات توحید، رسالت اور آخرت یعنی حیات مابعد الممات پر محیط ہیں یہ عقیدہ کہ خالق کائنات اللہ تعالیٰ ذات وصفات اور عبادات میں ایک، یکتا اور بے مثال ہے وہ بے نیاز، بے مثل اور تمام موجودات کا خالق ومبداء اور علت اولیٰ ہے۔ کائنات اپنے تمام تر نظاموں، روایات، عقل واسباب اور معلومات ومسببات کے باوجود اسی کا فعل اور اسی کے ارادے کا نتیجہ ہے۔ جس طرح موجودات عالم اپنی ذات میں مستقل نہیں ہیں اور سب اسی کے ذریعے قائم ہیں اور اسی سے وابستہ ہیں اور وہ قرآن کی اصطلاح میں پوری کائنات کیلئے "قیوم" ہے اسی طرح تاثیر اور علت کے اعتبار سے بھی مستقل نہیں ہے۔

لہذا اللہ تعالیٰ کا جس طرح اپنی ذات کے لحاظ سے کوئی شریک نہیں ہے اسی طرح اس کا اپنی فاعلیت کے اعتبار سے بھی شریک نہیں ہے۔ ہر فاعل اور سبب کی حقیقت تاثیر اور فاعلیت نیز اس کا وجود اسی سے ہے اور اسی پر قائم ہے۔ ایک وجود یا مخلوق کو کوئی بھی اختیار سونپ دینا، چاہے انسان ہو یا غیر انسان فاعلیت اور استقلال کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس وجود کو شریک ٹھہرانے کے مترادف ہونے کے ساتھ ساتھ ذات میں بھی استقلال کو بھی لزوم بخشتا ہے جو کہ توحید افعالی، توحید صفاتی اور توحید ذاتی کے بھی منافی ہے قرآن میں ارشاد ہے:

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا﴾[۱]

(حمد اس اللہ کی جس نے اولاد نہیں بنائی اور کائنات پر حکومت کرنے میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اسی طرح کائنات کا نظام سنبھالنے کے اعتبار سے ناتوانی کی بناء پر کوئی اس کا مددگار بھی نہیں ہے۔ اسے اس طرح بزرگ و برتر جانو جس طرح اس کی ذات پاک کے لائق ہو۔)

"ذات وصفات اور افعال میں وحدہ لاشریک ہونے کی بناء عبادت و پرستش بھی صرف اسی ذات کی ہوتی ہے۔ اسلام میں عبادت کے مفہوم اور درجات پر کسی قدر تفصیلی بحث آئندہ سطور میں کی جائے گی، تاہم مختصر یہ کہ عبادت تقدیس اور تنزیہ پر ایسے اعمال بجالانے کو کہا جاتا ہے کہ انہیں غیر اللہ کیلئے انجام دیا جائے تو انجام دینے والا مکمل طور پر اہل توحید کی صف اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام کی نظر میں عبادت و پرستش کسی بھی قسم کی جہت کا انتخاب آئیڈیل اپنانے اور اپنا روحانی قبلہ قرار دینے سے بھی عبارت ہے جو شخص اپنی حیوانی خواہشات کو اپنی راہ میں روحانی قبلہ قرار دیتا ہے وہ اسی کی پرستش کرتا ہے۔"[۲]

اسی طرح جو انسان کسی ایسے فرد اور ذات کے امر و فرمان کی اطاعت کرتا ہے جس کی اطاعت کا حکم اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا اور اس کے سامنے تسلیم محض ہو جاتا ہے تو یہ بھی اسی کی عبادت و پرستش ہے۔ اس لئے اسلام میں توحید اور عبادت سے مراد یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو تنہا و یکتا ماننا اور اسی کی اطاعت کرنا اور اس کے مقابلے میں ہر دوسرے قبلہ آئیڈیل اور طریق زندگی کی نفی کرنا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی اطاعت نہ کرنا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کیلئے خم وراست ہونا اسی کیلئے قیام کرنا اسی کیلئے جینا اور مرنا ہے جیسا کہ ابراہیمؑ نے کہا ہے:

﴿إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾[۳]

(میں نے اپنا دل اور چہرہ قلب کو ایسی حقیقت کی جانب موڑ دیا ہے جس نے اعلیٰ اور پست کائنات کو وجود بخشا اور

---

(۱) سورۃ بنی اسرائیل: ۱۷/ ۱۱۱

(۲) تمدن ہند پر اسلامی اثرات، ص: ۲۰۳

(۳) سورۃ الانعام: ۶/ ۷۹

میں ہر گز مشرکین میں سے نہیں ہوں۔)

اور یہ کہ:

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾[1]

(بے شک میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا و مرنا اللہ کیلئے ہے جو مختلف جہانوں کا رب ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی چیز کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں حق کے سامنے تسلیم ہونے والوں میں سے ہوں۔)

عقائد و ایمانیات کا دوسرا حصہ رسالت پر مشتمل ہے جس میں انبیاء کرام کتابوں اور فرشتوں پر ایمان لانا لازمی ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق رسالت اس نظام کو کہا جاتا ہے جو خالق کائنات نے مخلوق کی ہدایت اور رہنمائی کیلئے وضع کیا ہے انبیائے کرام کی پہلی صفت بشریت بتائی گئی ہے جو کہ دوسرے انسانوں کی طرح بشری ضروریات رکھتے ہیں تاہم وہ معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں اور ان کی بعثت کا بنیادی مقصد اللہ تعالی کا پیغام انسانوں تک پہنچانا ہوتا ہے ان کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے۔ کتابیں وہ احکامات اور پیغامات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً انسان کی ہدایت وراہنمائی کیلئے بھیجی ہیں۔ آخری کتاب قرآن کریم ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ پر نازل کی ہے۔ ملائکہ یا فرشتے وہ نورانی اور غیر مادی مخلوق ہیں جو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہوتے ہیں خالق و مخلوقات کے درمیان پیام رسانی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ ملائکہ یا فرشتوں میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے روگردانی کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی ہے۔ اسلامی تصور کائنات کے اصولوں میں سے ایک اہم اصول جو دین اسلام کے ایمانی و اعتقادی ارکان میں سے ایک رکن ہے، جاوداں زندگی اور اخروی حیات پر ایمان بھی ہے جس کو اصول "معاد" اور حیات مابعد الممات کے نام سے بیان کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں سینکڑوں آیات ایسی ہیں جن میں کسی نہ کسی طرح موت کے بعد والے عالم اور روز قیامت، حشر و نشر کی کیفیت، میزان، حساب بہشت، جہنم، حیات جاودانی اور بعد از موت کے باقی مسائل کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔ ان قرآنی آیات سے دو نکات کی وضاحت ہوتی ہے۔

اول یہ کہ حیات انسانی بلکہ دنیا کی زندگی دو ادوار میں تقسیم کی گئی ہے ہر دور کو ایک روز کہا جاتا ہے ایک وہ روز یا دور جو اول اور ابتداء ہے، جس نے ختم ہو جانا ہے یعنی آخرت دنیاوی زندگی کا دور اس طرح قرآن میں بعض مقامات پر حیات دنیوی کو "اولیٰ" اور حیات اخروی کو "آخرت" کہا گیا ہے۔

---

(۱) سورۃ الانعام: ۶/ ۱۶۲

دوم یہ کہ اس وقت انسان حیات کے پہلے دور کو طے کر رہا ہے اور دوسرے دور تک پہنچا نہیں ہے، وہ دور اس سے پوشیدہ ہے۔ اس لئے انسان کی سعادت اس میں ہے کہ وہ دوسرے دور پر ایمان لے آئے۔ اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ انسان اور اس کے اعمال و افعال موت کے ساتھ معدوم نہیں ہوں گے، یہ باقی رہیں گے اور روز آخر میں ان کا حساب ہو گا۔ مزید یہ کہ دنیوی اور اخروی زندگیاں دونوں حقیقی اور واقعی ہیں دونوں زندگیوں میں انسان خود سے اور اپنی متعلقہ چیزوں سے آگاہ ہے۔ دونوں زندگیوں میں لذت و تکلیف، خوشی و غمی اور سعادت و شقاوت ہے۔ جبلت و سرشت خواہ انسانی ہو یا حیوانی دونوں جگہ کار فرما ہے، دونوں زندگیوں میں انسان کیلئے عمل حرکت کی سمت بدل کر مقدر کو تبدیل کر سکنے کا امکان ہے لیکن آخرت میں نہیں یہاں پر موت وحیات کی امیزش ہے، مگر آخرت میں صرف زندگی کار فرما ہے۔ دنیا میں اسباب و علل اور خاصی زمانی شرائط کی حکمرانی ہے، مگر آخرت میں صرف ملکوتی الٰہی اور ارادہ الٰہی کا ظہور ہے۔ انسان کا ادراک، اس کا شعور اور آگاہی آخرت میں دنیا کی نسبت زیادہ ہو گی، پردے اور حجاب آخرت میں اُٹھا دیئے جائیں گے، اور انسان اپنی باطن بین نگاہوں سے حقائق کا اِدراک کر سکے گا، اور حقیقت سے آشنا ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس پسِ پردہ حقیقت کو خالق کائنات نے مختلف انداز سے بیان کیا ہے مختلف مقامات پر مختلف انداز کے دلائل، عقلی، و نقلی، تمثیلی، اور معنوی انداز سے دعوت فکر دی ہے تاکہ انسانیت اس پر غور و فکر کرنے کے بعد درست راستہ اختیار کرے، کہیں یوں نہ ہو کہ وہاں کفِ افسوس ملتے ہوئے اس حقیقت کے جھٹلانے کی سزا پائے اور پھر اس حقیقت کے مصداق ہو جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے:

﴿فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ﴾[1]

(ہم نے اب پردے تجھ سے اٹھا لئے ہیں پس آج تیری نظر خوب تیز ہے۔)

مختصر یہ کہ توحید، رسالت اور آخرت وہ بنیادی عقائد اور ایمانیات ہیں جو اسلامی معاشرہ، رسوم ورواج اور اجتماعی و انفرادی زندگی میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں اہداف زندگی اور راہ روش کا تعین انہی مسلمہ حقائق اور عقائد کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ تمام افعال و کردار اور رسوم ورواج کے محور و مرکز بھی یہی عقائد ہی ہوتے ہیں۔

ہندومت میں تصورِ اِلٰہ ورسالت:

"ہندومت میں عقائد اور ایمانیات کا سلسلہ متنوع، متضاد اور نہایت پیچیدہ ہے۔ عقائد کا بنیادی عنصر وہ تکوینی

---

(۱) سورۃ ق: ۵۰/ ۲۲

نظریات ہیں جن کے مطابق مبدأ ذات، تمام علتوں کی علت، تمام کائنات میں پنہاں، موجود اور اس کا حصہ ہے چونکہ مبداء ذات، علت العلل ایک ہے۔ اس لئے اس کو پریمشور، اوم، ایشور اور برہما کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جو توحید کی ایک ناقص شکل ہے۔ منوشاستر میں "منو" کی ذات بیک وقت مخلوق بھی ہے اور خالق بھی۔ منو کو برہما نے پیدا کیا پھر منو نے سخت ریاضتیں کر کے دس مہارشی پیدا کئے۔ یوں لغت کے اعتبار سے دیوتا سے مراد نورانی مخلوق ہے۔ تاہم ویدوں، اپنشدوں، مہابھارت اور رامائن میں دیوتاؤں کا جو تصور پیش کیا گیا ہے اس کے مطابق نہ صرف یہ کہ دیوتا مادی جسم رکھتے ہیں بلکہ تولید و تولد کے سلسلے کے ساتھ بھی منسلک ہوتے ہیں۔

مہابھارت میں پانڈوں کے بھائی "کرن" کو سورج دیوتا کا "بیٹا" کہا گیا۔" (۱)

"اس کے علاوہ رگ وید میں دیوتاؤں کی تعداد تین ہزار تین سو چالیس، بتائی گئی۔"(۲)

دیوتاؤں کی یہ کثرت "شرک فی الذات" کا عقیدہ ہے، روح، مادہ آکاش اور زمانہ کو خدا کے برابر ازلی اور ابدی تسلیم کرنا "شرک در عبادت" ہے کثرت پرستی کے ساتھ ساتھ عقیدہ تثلیث بھی ہندوؤں کے ایمانیات کا بنیادی حصہ ہے جس میں برہما، وشنو اور شیو کی پرستش کی جاتی ہے۔ ہندومت میں تصور رسالت بھی مبہم اور دھندلا سا ہے جس میں "رشیوں" کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اصطلاح میں رشی رسول، نبی اور مصلح تمام معنوں میں یکساں استعمال ہوتا ہے۔ رشی ہندوؤں کے قوانین وضوابط کا سرچشمہ اور دھرم کے ارکان وستون تسلیم کئے جاتے ہیں۔ رشی حقیقت مین نارائن ہوتا ہے جو دنیا میں آتے وقت انسان کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس کی بعثت کا مقصد دنیا پر چھائی ہوئی شر کا خاتمہ اور گمراہ دنیا کو پھر سے صحیح راستے پر ڈالنا ہوتا ہے رشی براہ راست سومبھو یا قائم بالذات سے رہنمائی لیتے ہیں، درمیان میں کسی واسطے، فرشتے یا ملائکہ کی ضرورت نہیں ہوتی ہے جیسا کہ منوشاستر میں لکھا ہے کہ:

"عظیم رشی دھیان میں بیٹھے منو کے پاس پہنچے اور اس کی شایان شان پوجا کے بعد کہنے لگے۔ اے بھگوان چار ذاتوں اور ان کے ملاپ سے پیدا ہونے والی (دوغلی) ذاتوں کے متعلق مقدس احکامات صحت اور ترتیب کے

---

(۱)) من دھرم شاستر، منوشاسر، مترجم: ارشد رازی، نگاشات پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ۳۳/۳۴

(۲) ایضاً، ۱/۱۱

ساتھ بیان فرمااور سر فراز کر۔"[۱]

"ہندو مت کے بنیادی ماخذ وید ہیں جن کے شاعر یا مصنف "رشی"[۲] کہلاتے ہیں، جس کا لغوی معنی "منتر دیکھنے والا" ہے۔" [۳]

"ایک رشی کے مکمل کلام کو "سوکت" کہا جاتا ہے، جبکہ جس دیوتا سے کوئی تمنا پوری ہونے کی آرزو کر کے رشی نے اس کی تعریف کی وہ اس منتر کا "دیوتا" کہلاتا ہے۔ مثلاً رگ وید کے پہلے منتر میں "اگنی" دوسرے میں "وایو" تیسرے میں "آسون" اور چوتھے میں "اندرا" دیوتا کی تعریف کی گئی ہے۔"[۴]

رشیوں نے الہامی ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کیا، جیسا کہ ایک رشی "سوما" مشروب کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب میں سوما پی لیتا ہوں تو بھجن میرے ذہن میں یوں آتا ہے جیسا کہ گائے اپنے پیارے بچھڑے کے پاس آتی ہے۔ اس کے علاوہ ویدوں کے کئی منتر ایسے ہیں جن میں رشیوں کا یہ دعویٰ موجود ہے کہ یہ ان کے بنائے ہوئے ہیں۔ مثلاً رگ وید، منڈلا سوکت ۹۵، منتر ا میں کہا گیا ہے کہ:

"ہم قابل تعریف اگنی کیلئے اپنی عقل سے اس منتر کو بناتے ہیں جیسے بڑھئی رتھ بناتا ہے۔ ہندو مت کے بنیادی ماخذ ویدوں کے مصنفین کے بارے میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ ایک نظریہ ہے کہ چاروں وید برہما کے چاروں منہ سے نکلے ہوئے ہیں شرقی منہ سے رگ وید، جنوبی منہ سے یجر وید، مغربی منہ سے سام وید جبکہ شمالی منہ سے اتھر وید نکلا ہے۔ دوسرے نظریے کے مطابق چاروں وید چار رشیوں، اگنی، وایو، انگرا اور ادینہ پر الہام کئے گئے ہیں اگنی پر رگ وید، وایو پر یجر وید، اور ادینہ پر سام وید لاہام ہوئے جبکہ اتھر وید کو چاند سے منسوب کیا جاتا ہے۔"[۵]

---

(۱) من دھرم شاستر، منوشاسر، مترجم: ارشد رازی، ۱/ ۱۲

(۲) ویدوں کے راوی یا مصنف رشی کہلاتے ہیں۔

(۳) ایضاً، ۱/ ۱۳

(۴) ایضاً، ۱/ ۱۴

(۵) رگ وید، منڈل ۱، سوکت ۹۵، منتر ۱

تیسرا نظریہ ہے کہ وید ۳۱۳ رشیوں کا کلام ہے تمام علمائے یورپ، روشن خیال ہندو علاء سوامی و دیکانند، پنڈت ناتھ دت، اباش، چندر دت اور سامشرمی سائن اچاریہ اس نظریے کے حامی ہیں۔ (۱)

تجزیہ:

تصوف کی سابقہ ابحاث میں ہم اس کی ابتدائی عملی صورت کے متعلق جان چکے ہیں کے اپنی ابتدائی شکل کے اعتبار سے تصوف اور صوفیا کے اعمال مستحسن تھے۔ صوفیا کے پیش نظر لوگوں کی اصلاح کا جذبہ تھا اور ان کا ہتھیار قرآن وسنت کی تعلیم اور اخلاق و کردار تھا جس نے معاشرے کی نیو ہی بدل ڈالی تھی۔ لیکن اپنے ارتقائی سفر کی وجہ سے تصوف جب ہندوستان پہنچا تو بہت سی دیگر تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ تصوف کی اعتقادی اور عملی شکل بھی بدل گئی، یہی وجہ ہے کہ اس مماثلت اور تقابل کو دیکھتے ہوئے بعض مغربی مفکرین اور دیگر مشرقی محققین کی آراء تصوف کی بابت مختلف ہوئیں۔ مغربی مفکرین کے ایک گروہ جن میں "فان کریمر" گولڈ زیہر، ڈوزی، اور مشرق میں سے محقق ابوریحان البیرونی، شامل ہیں ان کے رائے کے مطابق تصوف کے بیشتر نظریات ایسے ہیں جو ہندومت سے لئے گئے ہیں۔ مثلاً تصوف کا معروف نظریہ "وحدت الوجود" بہت حد تک اپنی عملی شکل کے اعتبار سے ویدانت کے زیر اثر وجود میں آیا۔ ایسے ہی ریاضت و نفس کشی کی روایت ہندی اپانشد کی تعلیمات سے ماخوذ ہیں۔ بعض دوسرے محققین کی آرا اس بابت تھوڑی مختلف ہے وہ اس بات کے قائل ہیں کہ تصوف جہاں پر ہندومت سے عملی طور پر متاثر ہوا وہیں فکری طور پر بھی صوفیا نے تصوف میں ہندومت کے تاثر سے کافی حد تک تصوف کی ہیئت کو بدل دیا۔ یعنی وہ افعال وعقائد اور اعمال جن کا کسی طور بھی اسلام سے کوئی واسطہ نہیں تھا وہ بھی اسلام کے سائے میں اسلامی نام سے موسوم ہونے لگے اور اسی نام سے جانے گئے۔ ہندومت کے وہ عقائد جو صرف ان کا ہی خاصہ سمجھے جاتے تھے وہ نام بدل کر مسلمانوں میں تصوف کی صورت میں عملاً دہرائے جانے لگے جن میں، وحدت الوجود، حلول، تجسیم، اور بزرگوں کی مافوق الفطرت طاقتوں کا ہونا اور ان کی کثیر کرامات کا وقوع پذیر ہونا ہے۔ ان تمام اختلاطی تبدیلیوں نے تصوف کی ہیئت ہی بدل دی۔ اسلام ایک آفاقی دین ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے اُصول وضوابط بھی آفاقی بنیادوں پر مشتمل ہوں۔ نہ کہ ماحول کے رویے اور مختلف عہد کے رواجات اس کی تشکیل کریں۔ کیونکہ رواج ورسم بہر حال تبدیل ہی ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندومت کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ مسلمانوں کے ایک بڑے فرقے 'اہل تصوف'' کے عقائد اور تعلیمات ہندو مذھب سے کس قدر متاثر ہیں۔ الغرض یہ بنیادی وجوہات ہیں جن کی بنا

---

(۱) ہندو دھرم اور اسلام کا تقابلی مطالعہ، حافظ شارق سلیم، قرطاس پبلیشر، کراچی، ۲۰۱۱ء، ص: ۳۲

پر غیر رسمی اور غیر اسلامی چیزیں اصلاح کے عنوان سے مسلم معاشرے میں نمو پاتی رہیں۔

باب سوم

اسلامی تصوف پر ہندومت کے اثرات

فصل اول:

اسلامی عقائد پر ہندومت کے اثرات

فصل دوم:

اسلامی عبادات پر ہندومت کے اثرات

فصل سوم:

ثقافت اسلامیہ پر ہندومت کے اثرات

فصل اول: اسلامی عقائد پر ہندومت کے اثرات

تمہید:

اسلام ایک آفاقی دین ہے اور اس کی تعلیمات بھی آفاقی بنیادوں پر مشتمل ہیں یہ ایسا مذہب نہیں کہ جس کو حالات زمانہ یا گردش دوراں تبدیل کر سکے۔ جب کہ دیگر مذاہب کو یہ اعزاز حاصل نہیں۔ ان کے اصول وضوابط مختلف ادوار میں مختلف عوامل کی بدولت بدلتے رہے جس کی وجہ سے وہ اپنی اصل حالت کھو بیٹھے اور تبدیلی در تبدیلی نے ان اصولوں کو نئے انداز سے مرتب کر دیا جو ابتدا کے بالکل ہی متضاد تھے۔ اس کی بنیادی وجہ مذہبی مآخذ کا مختلف اور کمزور ہونا ہے اسلام کی بنیاد وحی پر ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾[1]

(بیشک یہ ذکر (قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔)

یہ بات بدیہی ہے کہ اسلام کا تعلق وحی الٰہی سے ہے جس میں اصول وضوابط بیان کر دیئے گئے ہیں اور ان اصولوں کی بہترین عملی صورت نبی اکرم ﷺ نے کر کے امت کو دکھا دی ہے جو وحی غیر متلو کی صورت محفوظ ہے، یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کے مذہبی اعتبار سے اسلام نے اصولی تعلیمات دی ہیں جو ابتدائی دور سے ابھی تلک اسی نہج پر باقی ہیں عملی اعتبار سے کمی مجموعی طور پر افراد میں سامنے آتی رہی لیکن بنیادی اصول وضوابط ریشہ دوانیوں سے اس وقت تک محفوظ رہے جب تلک یہ اصول ہمارے اندر علمی طور پر پڑھے اور پڑھائے جاتے رہے۔ جب ہم نے اس تعلیم و تعلم کے مضبوط عروۃ الوثقیٰ کو تھامے رکھا ہم نے اس میں در آئی کسی چیز کو کبھی قبول نہ کیا قبول تو درکنار اس کو مضبوط دلائل سے رد کیا لیکن جب مختلف عوامل و اسباب جن میں دیگر اقوام سے تمدنی تعلق ایک ہی جگہ مختلف اقوام کے ساتھ گزارنا پڑا تو انسان کے فطرتی تعلق کی بنیاد پر اور رہن سہن، تہذیب و تمدن، کے واضح فرق نے بعض ایسی چیزوں کو جو ہمارے ہاں قابل قبول تو اگرچہ نہیں تھی لیکن ان کو اپنے ہاں جگہ ضرور دے دی یوں وہ ابتدائی معاملات تعامل سے رسم اور رسم سے عقیدے کی شکل اختیار کر گئے۔ عوامی جہالت نے ان کو قبول کیا اور ایسی چیزوں کو مختلف ناموں سے پذیرائی ملنے لگی۔ یہ ابتدائی خاکہ تھا جس کی بدولت مسلمانوں نے غیر اقوام کے افعال اپنے ہاں دین کے طور پر رائج کرنے کی عملی

---

(۱) سورۃ الحجر:۱۵/۹

کوششوں کے لئے خود کو پیش کیا جو تدریجاً پھر انہی کا خاصہ سمجھی جانے لگی آئیندہ صفحات میں ان عوامل کا جائزہ لیا جائے گا۔

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تصوف کا یہ طریقہ اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ تصوف کے بنیادی نظریات وحدۃ الوجود، وحدۃ الشہود، حلول، فنا اور تناسخ خالص ہندوازم، بدھ ازم اور عیسائیت کا عقیدہ ہے جو دین کے نام پر، معرفت حاصل کرنے کے نام پر صوفیوں نے اختیار کر لیا ہے۔ دراصل تصوف ہندوازم اور بدھ ازم کی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔ جاہل اور گمراہ ، صوفیوں کا ظاہری حلیہ اور لباس بھی وہی ہوتا ہے جو ہندو جوگیوں اور بدھ ازم کے متصوفین کا ہے، برہنہ رہنے کی روایت کا اسلام میں کہیں کوئی ذکر نہیں بلکہ ستر عورت پر اسلام میں بہت زور دیا گیا ہے۔ ابراہیم بن ادہم، حلاج اور ابن منصور وغیرہ کے واقعات کو پڑھ کر صاف طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ اسلامی طریقۂ عبادت نہیں ہے۔ اسلام نے معرفت حاصل کرنے اور اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنے کے لیے یہ طریقے نہیں بتائے جن پر صوفی حضرات چلتے ہیں۔ ہندو جوگی و متصوفین خانقاہوں میں پناہ لینا، دنیا کو ترک کر دینا، عزلت نشینی اختیار کرنا، اپنے آپ کو جسمانی اذیتوں میں مبتلا کرنا، شہوتوں کا قلع قمع کرنا اور محنت و مشقت کرنے پر اس لئے عمل کرتے ہیں کیونکہ ان کے مذہبی رہنما ان کو اس کی تلقین کرتے ہیں اور ایسا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

ہندوؤں کے ساتھ تعلقات کا پس منظر:

یہ بات تو تاریخی طور پر ثابت ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک طویل المدتی تعلق ہے۔ یہ دونوں اقوام ایک طویل عرصہ ایک دوسرے کے ساتھ رہی ہیں۔ اور یہ تعلق نجی طور پر اقوام کے حوالے سے ہو یا اسلامی حکومت اور ہندو رعایا یا ہندو حکمران اور مسلم رعایا ہو دونوں اعتبار سے یہ سلسلہ چلتا رہا ہے یہاں تک کے تقسیم برصغیر ۱۹۴۷ کے بعد مسلمان ایک الگ ملک میں منتقل ہوئے جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا تھا۔ برصغیر پاک وہند جغرافیائی محل وقوع کے لحاظ سے مشرقی نصف کرۂ ارض کے عین نصف میں واقع ہے۔ اور وہ تجارتی راہیں جو قریباً ہر جانب کو جاتی ہیں دسترس رکھتا ہے۔ جغرافیائی محل وقوع یوں تو اہم ہوتا ہی ہے لیکن معاشرتی، مذہبی اور معاشی ترقی میں اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ معاشرتی اور تمدنی لحاظ سے انسانوں کی ایسی آبادی جو ایک موافق خطے میں موجود ہو اور اس کا اپنے علاوہ دیگر اقوام سے اختلاط ممکن ہو روزانہ کی بنیاد پر تو ایسی قوم کی تہذیب بنیادی طور پر کتنی ہے جامد کیوں نہ ہو کچھ نہ کچھ تغیر بہر حال اس میں آہی جاتا ہے۔ بعد ازاں اس میں متواتر تبدیلی آتی رہتی ہے۔ ہندوستانی تہذیب و تمدن مخلوط قسم کے اصولوں اور ان کا مذہب مختلف قسم کے افکار، اعتقادات، رسومات، توہمات، کا مجموعہ ہے۔ جنہیں اسی معاشرے کے مختلف طبقات نے تدریجی طور پر اپنانے کی کوشش کی ہے۔ تاریخ کے جن ادوار میں ان عناصر میں ہم آہنگی پائی گئی ان اوقات میں کسی حد تک ہندو معاشرہ پنپتا رہا اگرچہ طبقاتی تقسیم تب بھی عروج پر تھی۔ جب ان عناصر میں انتشار رہا تو معاشرہ بھی ایسے ہی معاشرتی و تمدنی انتشار اندرونی و بیرونی خلفشار کا شکار رہا۔ تاریخ کی ابتدا سے ہی یہ علاقہ مختلف تہذیبوں کا مسکن اور ان کی

مختلف وقتوں میں آماجگاہ رہا۔ یہ قومیں جتنا عرصہ یہاں رہتی تھیں ان کے رہن سہن بود وباش، تمدن کا اثر یہاں کے باسی قبول کرتے رہتے وہ تارکین وطن ہوں یا فاتح بادشاہوں کے لشکر ہوں کوئی بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا تھا۔ یوں ہندوستان میں بیک وقت مختلف تہذیبیں اپنے فکری اقدار، مذہبی بنیادوں کے ساتھ ترویج پاتی رہیں۔

عقیدہ کا لغوی واصطلاحی مفہوم

لغوی مفہوم:

عقیدہ، عقد سے ماخوذ ہے۔ لسان العرب میں عقیدے کے درجہ ذیل معانی نقل کئے گئے ہیں:

الشد والربط والإيثاق والثبوت والأحكام[۱]

(سخت باندھنا، وعدہ کرنا، ثابت کرنا، اور حکم دینے کے معنی میں ہے۔)

اصطلاحی مفہوم:

عقیدے کی اسلامی اصطلاحی تعریف یوں کی گئی ہے:

"العقيدة ما يقصد فيه نفس الإعتقاد دون العمل"[۲]

الإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلاَئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ[۳]

(اس سے مراد اللہ تعالی کی ذات پر اس کے فرشتوں پر رسولوں پر، قیامت کے دن پر اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان رکھنا ہے۔)

یہ عقیدے کی اصلاحی تعریف ہے جب کہ بعض محققین نے 'عقیدہ صحیحہ کو سنت کا نام بھی دیا ہے جیسا کہ امام احمد بن حنبلؒ نے علم العقائد کے عنوان پر "السنہ" نام سے کتاب لکھی ایسے ہی ابن ابی عاصم نے بھی "السنۃ، کے نام سے عقائد پر کتاب لکھی ہے۔ بعض دیگر علما نے عقیدے کے علم کو علم اصول الدین کا نام بھی دیا ہے۔ ان کے ہاں دین کے اصولوں سے مراد عقائد اور فروعات سے مراد عملی احکام ہیں، جیسے نماز روزہ، حج زکوۃ وغیرہ عملی احکام ہیں۔ اسی بابت ابی العز، عقیدہ طحاویہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

---

(۱) لسان العرب، ۳ /۲۹۸

(۲) شرح عقيدة الطحاوية، محمد بن علا، صدر الدين، المملكة العربية السعودية، ۱/۱۸

(۳) العقيدة الصحيحة، عبد العزيز بن عبد الله، ابن باز، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ، ۱۳۹۵ھ، ص:۳

أما بعد فإنه كان علم أصول الدين أشرف العلوم إذ شرف العلم بشرف المعلوم[1]

(بیشک یہ علم اصول الدین اشرف العلوم ہے کیونکہ علم کی عزت معلوم کی عزت سے ہوتی ہے۔)

ایسے ہی امام ابو حنیفہؒ کے ہاں علم اصول الدین کو فقہ الاکبر اور عملی علم کو فقہ الاصغر کہا گیا ہے۔یہی وجہ ہے ان کی عقائد سے متعلقہ کتاب، فقہ الاکبر کے نام سے شائع ہوئی۔

ہندومت میں عقیدہ کا مفہوم:

ہندومت میں عقیدے کے لئے "دھرم" کا لفظ استعمال ہوتا ہے جو کہ سنسکرت کا لفظ ہے جس کا معنی و مفہوم "دھر" یعنی منحصر ہونا یا برقرار رکھنے سے ماخوذ ہے۔اس کا متضاد ادھرم ہے۔اصطلاح میں یہ لفظ عقیدہ، مذہب، اور تمام مذہبی فرائض پر محیط ہے۔ جواہر لال نہرو کے نزدیک دھرم، کسی شے کے آئینی نام یا اندرونی وجود کا نام ہے۔اور یہ سارے اخلاق، کلی قوانین، اور انسانی فرائض کا احاطہ کرتی ہے۔چونکہ ہندومت تنوع کا شکار مذہب ہے جس کے اندر مختلف تہذیبوں کے مختلف عقائد، رسوم و رواج، تمدنی پہلو پوشیدہ ہیں یہاں کروڑوں دیوتاوں کی پوجا ہوتی ہے اس لئے عقیدہ ایسا کہ منضبط اور لگا بندھا ہو یہ ہندومت میں ممکن نہیں ہے۔

ہندوؤں سے متاثرہ اسلامی عقائد:

سطور بالا میں ہم یہ بتا چکے ہیں کہ اسلام آفاقی دین ہے جس کی تعلیمات کی بنیاد وحی الٰہی ہے۔ایسے ہی جن عقائد پر اسلام کی بنیاد ہے یا وہ اسلام کی پہچان ہیں وہ بھی منصوص من جانب اللہ ہیں اور نص سے ثابت ہیں اس لئے اسلامی بنیادی عقائد تو اصلاً یہی ہیں جو رب تعالیٰ نے کتاب مقدس قرآن مجید میں اور رسول اللہ ﷺ نے احادیث متواترہ و مشہورہ میں بیان فرما دیئے ہیں۔چونکہ مسلمان ایک طویل عرصہ ہندوؤں کے ساتھ رہے ہیں اور اس عرصے میں مکمل طور پر ان کے ہر طرح کے تمدن، تہذیب، رواجات کے ہم نشین رہے ہیں لہذا اس صحبت کے اثر کی وجہ سے بعض ایسے عقائد جو اسلامی ورثے سے ثابت نہیں ہیں لیکن مسلمانوں میں در آئے ہیں اور مسلمانوں کے ایک طبقے نے ان کو قبول کر لیا اور پھر یہ پھیلنے لگے ان کا اسلامی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں درجہ ذیل میں ہم ایسے ہی چند عقائد سامنے رکھیں گے جو اسی انداز سے مسلمانوں میں رواج پا گئے اصلاً اسلامی نہیں تھے۔

---

(۱) شرح عقيدة الطحاوية، محمد بن علاء، صدر الدين، المملكة العربية السعودية، ۱/۱۸

عقیدہ توحید اور ہندومت:

عقیدہ توحید اگر اسلام اور مسلمانوں کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ پیچیدگی سے خالی سیدھا سا عقیدہ ہے کہ اس نظام ہستی کی تخلیق کرنے والی ذات، بعد از تخلیق اس نظام کو اس احسن انداز سے چلانے والی ذات ایک ہی ہے جو وحدہ لاشریک ہے تن تنہا ہے اس کا اس میں کوئی شریک یا ہمسر نہیں ہے۔ وہ اکیلا کارساز ہے اس کائنات کے بنانے اور چلانے میں کوئی اسکا شریک نہیں کیونکہ اگر بیک وقت دو حاکم ہوں تو زمین میں فساد کا ہونا لازم ہے لہذا وہ تنہا ہے بے عیب ہے اور کسی کا محتاج نہیں ہے۔

> "ہندومت کے ہاں توحید کا تصور مفقود ہے وہاں تو "ہر کہ ومہ" کو اس منصب پر ذمہ داری دے کر فائز کیا ہوا ہے۔ سابقہ ابواب میں ہندوؤں کی تاریخ کے حوالے سے یہ عرض کیا تھا کہ ہندو مذہب میں اگرچہ معبودوں میں تعدد تھا بعض نے ہزاروں دیوتاؤں کی تصریح کی ہے۔"(۱)

لیکن تاریخی اعتبار سے آریائی مذہب میں کسی حد تک تصور توحید پایا گیا تھا جو بعد ازاں زمانے کی تبدیلی سے تبدیل ہوتے ہوتے موجودہ صورت میں آن پہنچا جس میں یہ شکل کثرت سے سمٹ کر اب تین خداؤں میں تبدیل ہو چکی ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱. برہما
۲. وشنو
۳. شیو

ان تین خداؤں کو ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں تری مورتی کا لقب بھی دیا گیا ہے۔ ایسے ہی آج کل کے ہندو اس تثلیث کو "ٹگڈم" بھی کہتے ہیں۔ ایک عرصے تک ہندو کثرت سے اسی تثلیث پر ٹکے رہے لیکن اس کے بعد ان کے ہاں معبودوں کا ایک ایسا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا کہ دیوتاؤں کی تعداد ہندوؤں سے بھی زیادہ ہو گئی تھی۔ بہر حال یہاں یہ بتلانا مقصود تھا کہ ہندوؤں کے ہاں ان تین بنیادی خداؤں کی ذمے مختلف کام ہیں یہ ان کو سرانجام دیتے ہیں۔

مثلاً برہما نے کائنات کو تخلیق کیا ہے۔ اور وہ کائنات کے لئے نقطہ آغاز کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس کے بعد دوسرے نمبر پر وشنو ہے، ہندوؤں کے اس معبود کے ذمے اشیاء کی بقا اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری ہے اور اس کی مرکزی خصوصیت انسان کے ساتھ اس کا تعلق شمار ہوتی ہے۔ وشنو ہی کی بیوی کا نام لکشمی ہے جو دولت کی دیوی کے طور پر مشہور

---

(۱) تقابل ادیان، مولانا محمد یوسف خان، جامعہ اشرفیہ لاہور، ص:۳۳

ہے۔وشنو کے بعد تیسرے نمبر پر شیو کا نام آتا ہے یہ در اصل وشنو کی ضد ہے۔ شیو کے ذمے تعمیر و تخریب کے سارے کام ہیں یہ پرانی صورتوں کو مٹاتا ہے، ہزاروں انسانوں کو موت کی گھاٹ اتارتا ہے اور ہزاروں کو جنم دیتا ہے۔ ہزاروں جانور اس کے نام پر قربان کیئے جاتے ہیں۔ ہندو عابد پنڈت بڑی بڑی ریاضتیں کر کے اس کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔

چوتھا نمبر پر ہندوؤں کے معروف معبود گاؤماتا کا نام آتا ہے۔ ہندو قدیم لٹریچر میں بھی اس گاؤماتا کے احترام کا ذکر موجود ہے جس کی وجہ سے گائے کو ہندو معاشرے میں ایک دیوتا کی حیثیت حاصل ہے۔ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں لکھا ہے:

سارا جہاں اور کل دیوتا گائے ہی کا سراپا ہیں،،۔ اتھر وید میں لکھا ہے کہ گائے ہی ہے جس نے زمین کو اپنے سینگوں پر اُٹھا رکھا ہے۔

اسی وجہ سے لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جب کبھی زلزلہ آتا ہے تو گائے ایک سینگ سے بوجھ کو دوسرے پر منتقل کرتی ہے۔ یہ ہندو مت کا نظریہ ہے قرآن وسنت میں ایسی کوئی بات ذکر نہیں ہوئی ہے۔

مسلمانوں کے عقیدے پر اثر:

۱. توحید:

ہندو مت کے معبودوں اور ان کے متعلق ان کے تصورات سے باآسانی یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ موجودہ دور اور سابقہ دور جو ہندوؤں کی معیت میں گزرا اس میں مسلمانوں کے عقیدہ توحید میں در آئی چیزیں دراصل یہاں سے ہی بنیاد لے کر آئی تھیں۔ ہندوؤں نے اپنے معبودوں کو الگ الگ کام سپرد کر دیئے ہمارے ہاں کمزور عقیدہ کے حامل مسلمانوں اور جاہل صوفیوں نے انہی عقائد کو اولیااللہ کی جانب منسوب کر دیا کسی کے ذمے اولاد دینا جیسا کہ ہندوؤں میں شیو کا کام تھا کسی ولی کے ذمے صحت دینا، اور کسی کے ذمے بعد از موت بھی حیات دینا جیسا کہ شیخ عبد القادر جیلانیؒ [1] کے بارے میں منقول ہے کہ:

انہوں نے ملک الموت سے تمام روحوں کو چھین لیا تھا۔ [2]

---

(۱) آپ کا نام عبد القادر، کنیت ابو محمد اور لقب محی الدین ہے۔ صوفیاء میں صفِ اول کے سرخیل سمجھے جاتے ہیں۔ بحیرہ خزر سے ملحق جنوبی ساحل گیلان کے ایک قصبے میں ۴۷۰ھ میں ہوئی۔ آپ ایک صوفی، مصنف، صاحب طریقت بزرگ تھے۔ کتب میں فتوح الغیب، غنیۃ الطالبین، الفتح الربانی، ملفوظات جلا الخاطر وغیرہ معروف ہیں۔ آپ کی وفات ۵۶۱ھ میں ہوئی۔ (تذکرہ مشائخ قادریہ، محمد دین کلیم، مکتبہ نبویہ، لاہور، ص:۱۰۸)

(۲) کرامات غوث اعظم، دعوت اسلامی، کراچی، ۲۰۰۸ء، ص:۱۰

الغرض ہندوؤں کے ساتھ رہن سہن اور ان کی تمدنی زندگی کے ساتھی ہونے کی وجہ سے جب ان سے ان کے معبودوں کی مافوق الفطرت طاقتوں اور قوتوں کا سنتے تو جاہل صوفیوں نے ایسی کرامات اور واقعات گھڑ کر مسلمانوں میں پھیلا دیئے جو قریب قریب ایسی ہی روایات پر مبنی تھے جو انداز ہندوؤں کی تعلیمات میں ملتا ہے یوں یہ سلسلہ چل پڑا۔

۲. عقیدہ وحدت الوجود:

مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ توحید ہے جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یکتا و واحد ہے اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ نہ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند اور نہ ہی وہ تھک جاتا ہے۔ اسی نے یہ ساری کائنات تخلیق کی یہ سب مخلوق ہے اور وہ خالق ہے۔ یہ مسلمانوں کا بنیادی تصور ہے جبکہ ہندوؤں کے ہاں ہزارہا معبود ہیں جن کی منطقی دلیل ان کے پاس بھی نہیں ہے وہ جسے چاہتے ہیں کسی خاص نوعیت کا معبود مان لیتے ہیں اور تصور یہ کرتے ہیں کہ یہ اس صنف یا نوعیت کے کاموں کا معبود ہے۔ الغرض انہوں نے مخلوق میں اس تصور کو راسخ کر دیا کہ یہ ہی خالق ہیں یہی تصور مسلمانوں میں وحدت الوجود کے نام سے سامنے آیا جس کی تفصیلات بھی اسی نوعیت کی تھیں کی ہر چیز میں اللہ کو تلاش کرنا، اور ہر چیز میں خالق کا مشاہدہ کرنا، الغرض ابن عربی، سے لیکر وحدت الوجود موجودہ دور کے مسلمانوں تک ان کی شکلیں بدلتی رہیں لیکن اصولی طور پر یہ ہندومت کے قریب ہی تھا اور ان کی تعلیمات سے ملتا جلتا عقیدہ تھا جو عقیدہ توحید کے صراحتاً خلاف تھا۔ اسی بابت عباس محمود عقاد[1] لکھتے ہیں:

> "ہندوستان میں زبردست عقیدہ بت پرستی کا ہے۔ اور یہ وحدت الوجود اور ارواح کے تناسخ حلول کی عظمت اور ان کے اعتقاد سے پیدا ہوا ہے۔ انہوں نے جانوروں کی اس لئے پرستش کی کہ یا تو انھیں جد امجد سمجھا یا کسی قبیلہ اور قوم کی رمز سمجھا۔ پھر اسی طور جانوروں کی پوجا کا اعتقاد شروع ہوا۔"[2]

۳. تناسخ ارواح:

ہندومت میں نجات کا تیسرا طریقہ تناسخ کہلاتا ہے۔ تناسخ کا لغوی مفہوم، زائل کرنا، محو کرنا، مٹا دینا، منسوخ کرنے کے معنی

---

(۱) عباس محمود عقاد (۱۸۸۹ تا ۱۹۶۴) کا نام جدید عربی ادب کے معماروں میں ہوتا ہے۔ آپ کا تعلق مصر سے تھا۔ ان کی تصانیف کی تعداد کثیر ہے جن میں سے معروف عبقریہ محمد، اللہ جل جلالہ، حقائق الاسلام واباطیل خصومہ، الفلسفہ القرانیہ ہیں۔ (عباس محمود عقاد اللہ، مترجم: عبد الصمد صارم، مکتبہ معین الادب، لاہور، ص:۹)

(۲) عباس محمود عقاد اللہ، مترجم: عبد الصمد صارم، مکتبہ معین الادب، لاہور، ص: ۹۲

میں استعمال ہوتا ہے۔ امام راغب اصفہانی مفرادات القرآن میں لکھتے ہیں:

تناسخ الازمنة والقران[۱]

(ایک قوم کا گزر جانا کسی دوسری قوم کا اس کے قائم مقام ہونا۔)

"علامہ شہرستانی نے تناسخ کے مفہوم کو وسیع معنوں میں لیا ہے ان کے نزدیک تناسخ سے مراد وہ عقیدہ ہے جس کی رو سے دنیا کے پے در پے ادوارِ حیات یکے بعد دیگرے نئے وجود اختیار کرتے ہیں۔ نیز ان کے نزدیک تمام قوموں اور ملل میں سے ہند کے تناسخی اس عقیدے کے شدت سے ماننے والے ہیں۔"[۲]

ہندوؤں میں آخرت کی زندگی اور جزا و سزا کے لئے آواگون تناسخ کا عقیدہ پیدا ہوا قدیم ہندو مذہب، پیروان بدھ، اور چینی یہ تینوں اس کے ثبوت کے لئے متفق ہیں۔ قدیم مصریوں کے عقائد میں بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ نیز بعض یونانی حکماء بھی اس طرف گئے ہیں۔ البتہ ہندوستان میں اس کے ماننے والوں کی کثرت ہے۔ اسلامی دنیا میں بھی متعدد فرقے اس کے متعقد ہیں۔ مسلمان مصنفین جو تناسخ کا ذکر کرتے ہیں وہ فیثا غورث کی طرف منسوب ہے۔ یوں تو تناسخ کے عقیدے کی تاریخ کافی پرانی ہے لیکن خصوصاً ہندومت کے حوالے سے مشہور مستشرق گستاولی بان[۳] لکھتے ہیں:

"ہندوؤں میں جو مسئلہ تناسخ ہے وہ تقریباً تین چار سو سال قبل مسیح کے لگ بھگ کا ہے۔"[۴]

سنسکرت میں تناسخ کو آواگون یا جونی چکر کہا جاتا ہے۔ جس کا معنی گناہوں یا نیکیوں کی بدولت بار بار جنم لینا اور مرنا ہے۔ ہندو عقیدے کے مطابق انسانی روح نروان حاصل کرنے کے لئے اس دنیا میں بار بار چکر لگاتی ہے۔ اور یہ عقیدہ ہندو دھرم کی بنیاد ہے۔

---

(۱) مفردات القرآن، راغب اصفہانی، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص:۱۰۴۵

(۲) مقالہ تناسخ، تھانوی، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۵۹ء، ص:۶۵۱

(۳) ڈاکٹر گستاولی بان ایک فرانسیسی محقق ہیں جنہوں نے جغرافیہ، سیرت، مذاہب پر مختلف کتابیں تصنیف کیں جن میں سب سے معروف تمدن عرب ہے ایسے ہی تمدن ہند بھی آپ ہی کی معروف تصنیف ہے۔ (تمدن عرب، ڈاکٹر گستاولی بان، مترجم: سید علی بلگرامی، گورنمنٹ ایجوکیشن پریس، حیدر آباد، ۱۹۷۸ء، ص:۱۲)

(۴) تمدن ہند، گستاولی بان، مترجم زاہد احمد، کتاب محل، ملتان، ۲۰۰۱ء، ص:۲۳۸

اسی بنیادی عقیدے کے متعلق البیرونی[۱] لکھتے ہیں:

"جس طرح کلمہ لاالہ الااللہ، مسلمانوں کا شعار، تثلیث عیسائیوں کی علامت، اور یوم السبت یہودیوں کی خصوصیت ہے اسی طرح عقیدہ تناسخ ہندو مذہب کا امتیاز ہے۔"[۲]

۴. فن نجوم، کہانت پر عقیدہ رکھنا:

"ہندوؤں میں ستاروں کی تعظیم کا عقیدہ بھی بڑے احترام سے موجود ہے۔ ہندومت میں ستاروں کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے خصوصی طور پر قطب ستارے کا ہندو دیگر مختلف نام کے ستاروں کے ساتھ اس ستارے کی خصوصی تعظیم کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں یہ اعتقاد رکھا جاتا ہے کہ، قطب ستارہ آسمان پر ایسے گھومتا ہے جیسے کمہار کا چکر ہوتا ہے۔"[۳]

نیز ہندو ان ستاروں سے خوش قسمتی، بد قسمتی، عملی تاثیر، مشکلات میں آسانی اور دیگر معاملات و مصائب سے نجات کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

بد قسمتی سے مسلمانوں میں بھی ہندوؤں سے متاثرہ ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے انہی اعتقادات کو فروغ دینے کے لئے مختلف قسم کے علوم ایجاد کر لئے اور ان کے الگ الگ نام رکھ کے اس علم کو فروغ دینا شروع کر دیا بالکل ہندوؤں کی ہی طرح سے اعتقاد رکھتے ہوئے۔ اور قطب ستارے کی تعظیم کرتے ہوئے اس کی جانب رخ کر کے چارپائی ڈالنے کو نہایت قبیح اور نقصان دہ عمل سمجھتے ہیں جس کے لئے سہارا ایک ضعیف حدیث جس میں یہ لکھا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا جب نور پیدا کیا گیا تو وہ ایک لمبے عرصے

---

(۱) برہان الحق ابو الریحان البیرونی ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ آپ ۴ ستمبر ۹۷۳ء کو خوارزم کے دار الحکومت کاث میں پیدا ہوئے۔ آپ بیک وقت ریاضی دان، جغرافیائی ماہر، مؤرخ، ماہر فلکیات، طبقات الارض اور ماہر آثار قدیمہ تھے۔ (کتاب الہند، البیرونی، مترجم: سید اصغر علی، الفیصل ناشران کتب، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص:۹)

(۲) کتاب الھند، البیرونی، الفیصل تاجران کتب، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص:۴۳

(۳) یہ ایک محاورہ ہے کمہار، مٹی کے برتن بنانے والا جس سانچے یا آلے میں برتن بناتا ہے وہ گولائی میں بے مثال ہوتا ہے اسی وجہ سے برتن گولائی میں بنتے ہیں۔ اسی نسبت سے کہا جاتا ہے کمہار کا چکر ہے۔

تک قطب ستارے میں رہا، سے سہارا لیتے ہیں[1] جبکہ حقیقت میں اسلام کی ایسی تعلیمات ہر گز نہیں ہیں اسلامی اصولوں کے مطابق ستارے اللہ کی مخلوق ہیں اور قرآن مجید نے ان کی خاصیات اور افعال نقل کئے ہیں کہ ستارے راستہ دکھانے کے کام آتے ہیں۔ اور شہاب ثاقب کے کام آتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کی کوئی ایسی خالق والی صفت نہیں ہے جو صراحتاً غلط اور شرعاً ناپسندیدہ ہے۔

۵. کہانت پر عقیدہ رکھنا:

ہندوؤں کے ہاں ستاروں کی طرح علم کہانت یا علم نجوم پر بھی یقین کی حد تک ایمان رکھا جاتا ہے۔ یہ کسی زمانے میں تو ہندومت میں ہی مشہور تھا لیکن رفتہ رفتہ مسلمانوں نے بھی کمزور عقیدے کی وجہ سے اسے قبول کر لیا، جس میں ستاروں کی چالوں، زائچے بنانا، ستاروں کی ذریعے سے آنے والے دنوں کا حال، مستقبل، اچھا ہے یا برا ہو گا، شادی کس سے کی جائے، کام کے متعلق کیا جائے یا ستاروں کی چال کا انتظار کیا جائے یہ ساری چیزیں غیب سے تعلق رکھتی ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ کی ذات کے پاس ہے ستاروں کو مخلوق سمجھنے کی بجائے ہندوؤں کی دیکھا دیکھی مسلمان بھی اس کو سیکھتے ہیں اور تاویلوں کے ذریعے پھیلاتے ہیں جگہ جگہ زائچے والے، نجومی بیٹھے ہیں جو ستاروں کی چال سے قسمت کا حال بتاتے ہیں، آنے والے دنوں کی پیشین گوئیاں کرتے ہیں۔

۶. پیغمبروں کے متعلق ہندو عقیدہ کے اثرات:

ہندوؤں میں نبیوں یا رسولوں کے متعلق وہی عقیدہ ہے جو برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کا اولیا اللہ کے بارے میں ہے۔ جس کا مختصر سا تعارف اوپر ہم ذکر کر چکے ہیں یعنی خالق کی صفات کو مخلوقات میں تقسیم کرنا اور اسے وہی درجہ دینا جو خالق کا ہے یہی عقیدہ قریب قریب ہندوؤں سے طویل ملازمت و تمدنی تعلق کے مسلمانوں کے اندر آ گیا تھا جو اب بھی بعض مقامات پر دیکھا جا سکتا ہے ان کے افعال و اعمال سے ہندوؤں کے ہاں یہ تصور ہے کہ جب کبھی زمین پر فسادات یا مخلوقات کے درمیان تناؤ جھگڑے ہوتے ہیں وہ یعنی ان کا خالق یا تو نمائندہ بھیجتا ہے یا خود انسانی شکل میں آ کر انسانوں کو خدا یعنی، شیو، وشنو، وغیرہ کے مراتب سے روشناس کرواتا ہے اور ان کو اس کے مقام اہمیت خدا شناسی کے تعلق کے طرف بلاتا ہے اسے اوتار کہا جاتا ہے۔ اور دبندو اوتار کے متعلق مفصل تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہندوؤں میں ان کا ایک اہم عقیدہ یہ ہے کہ جب وشنو اپنے بندوں کو تکلیف میں دیکھتا ہے تو اس کو رفع کرنے

---

(۱) یہ روایت اوپر بیان کیے گئے الفاظ کے ساتھ امام شوکانی نے اپنی کتاب "الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة" میں نقل کر کے امام امام صنعانی کی یہ رائے بیان کی ہے کہ یہ ایک "موضوع" اور من گھڑت روایت ہے۔ (ص:۳۲۶)

کے لئے خود انسان کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ انسانی فطرت کے تابع زندگی گزارتا ہے اور عوام الناس میں خدا شناسی کو عام کرتا ہے۔ تاکہ لوگ اپنی مصیبت و پریشانی میں خدا کو یاد رکھیں۔ اور غموں کا مداوا اس کے حکم کے مطابق کریں۔"(۱)

یہاں یہ سمجھنا آسان ہے کہ اصلاً ہندوؤں کے ہاں بھی اوتار بذاتہ خدا نہیں ہوتا بلکہ خدا کا عکس ہوتا ہے جو کسی انسانی شکل میں آکر انسانوں کی تعلیم و تربیت کرتا ہے لیکن ہندوؤں نے اسے ہی خدا کا درجہ دے دیا اور بعد ازاں بت بنا کر خود ایک نیا خدا بنا ڈالا یہی ذوق اور ہم مزاجی مسلمانوں کو ملی تو انھوں نے اولیا اور صوفیا کو خدائی مناصب دے دیئے۔ مثلاً وہ صوفیا کے اندر اُن صفات کے قائل ہو گئے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں۔ بگڑی بنانے والا، اولاد دینے والا، مصیبت و پریشانی میں اس کو دور کرنے والے اُن کے عقیدے میں صوفیا کا ہی طبقہ تھا۔

اور ان کی کرامات کی تشہیر کر کر کے ان کو معاذاللہ سب کچھ کرنے والا، کارساز کے درجے والا بنا ڈالا جو کہ صراحتاً شرک تھا جس کی اسلامی تعلیمات میں کوئی گنجائش نہیں ہے یہ بھی ہندوؤں کے اسی عقیدے کا اثر ہے جو مسلمانوں نے قبول کیا ہے۔

تجزیہ:

ہندومت سے طویل عرصہ تک اختلاط نے مسلم دنیا کو معاشرتی طور پر جہاں متاثر کیا وہیں پر سب سے زیادہ متاثر اس امت کے ایسے طبقے کو کیا جو خود بھی اصلاح کے عنوان سے برسرِ پیکار تھا یعنی صوفیا کا طبقہ لیکن تمدنی اختلاط اور دو مختلف تہذیبوں کا ٹکراؤ اس مصلح طبقے کو بھی متاثر ہونے سے نہ بچا سکا۔ ہندومت نے جہاں عملاً مسلم دنیا پر اور بالخصوص صوفیا کے اعمال میں بہت سی بدعات اور غیر شرعی اعمال کو دین کے نام سے شامل کروایا وہیں مسلمانوں کے بنیادی عقائد پر بھی بے حد اثر ڈالا جس کی وجہ سے صوفیاء کے پیش کئے گئے تصوف کی ہیت اصلیہ بدلتی چلی گئی۔ ہندومت سے میل جول نے اولاً مسلمانوں کے اہم اور بنیادی عقیدے توحید پر اثر ڈالا، توحید کا عقیدہ جس کا مفہوم اور مآل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کسی مخلوق میں ماننا یہ خلاف توحید اور شرک کہلاتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں چونکہ کثیر دیوتاؤں کا تصور تھا جس کو مسلمانوں نے مزارات کی صورت قبول کر لیا اور وہ مزارات پر جا کر اولیا اللہ سے حاجات کا تقاضا کرنے لگے اور انھیں بھی معاذاللہ، اللہ تعالیٰ کی صفات جیسا ہی متصف جاننے لگے۔

ایسا ہی دوسرا عقیدہ وحدت الوجود کا تھا جو ہندومت کے اختلاط کا ہی نتیجہ تھا جو رفتہ رفتہ ایک اہم ترین عقیدہ بن گیا۔ کہانت اور

---

(۱) مختلف مذاہب میں تزکیہ نفس کا تصور، سعدیہ اعجاز، شیخ زید اسلامک سنٹر، کراچی، ۲۰۰۹، ص:۱۳۸

نجوم سے نیک و بد فال جاننا اور اپنے کاموں کو ستاروں کی چالوں کے تابع کرنا یہ بھی مسلم دنیا میں ہندوؤں سے مستعار لئے ہوئے عقائد ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ستاروں سے مقدر کے احوال جاننا اور ان کی چالوں کے ذریعے مستقبل کے حالات تک پہنچا جا سکتا ہے جبکہ یہ اسلامی نصوص اور شرعی تعلیمات کے بالکل برعکس تھا، لیکن رفتہ رفتہ یہ مسلمانوں میں داخل ہوا اور اب حال یہ ہے اب تلک اس فن کے مسلم ماہر موجود ہیں جو یہ کام بطورِ پیشہ اور فخر کے کر رہے ہیں۔ اور ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی ان سے عدم واقفیت شرعی اصولوں کے رجوع کرتی ہے اور مستقبل کو جاننے کی کوشش کرتی ہے۔

ہندومت میں سنیاسی اور پنڈتوں کے متعلق یہ تاثر ہے کہ یہ نادیدہ حالات کو جانتے ہیں اور ان میں جو طاقتیں ہیں وہ کسی اور میں نہیں ہیں۔ اور جب کبھی بھگوان انسانیت کو مشکل میں دیکھتا ہے تو وہ ان کو بھیجتا ہے تاکہ انسانوں کی مشکلات کو حل کریں اور ان کے لئے آسانیاں پیدا کریں، ان میں بھی وہی طاقتیں جلوہ گر ہوتی ہیں جو اصل خالق میں ہیں۔ ایسا ہی عقیدہ اولیا کے متعلق مسلمانوں میں موجود ہے کہ وہ اللہ کی رضا سے اس کے بندوں کے تمام مشکل کام بنا سکتے ہیں جبکہ یہ شرعی نصوص کے بالکل برعکس ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ہندومت سے اختلاط نے عقائد کے اعتبار سے بھی مسلم دنیا پر بے حد اثر ڈالا جسے آج تک سدھارنے کی کوششیں جاری ہیں۔

فصل دوم :اسلامی عبادات پر ہندومت کے اثرات

تمہید:

عبادات کسی بھی مذہب کے ان متعین افعال کا نام ہے جن کے بجالانے کا حکم اس مذہب کے بانی نے دیا ہو۔ یا دوسرے الفاظ میں عبادات ان اعمال وافعال کا نام ہے جن کے ذریعے افراد کی تربیت کی جاتی ہے۔ عبادات کا تعلق قول و فعل دونوں سے ہوتا ہے۔ قولی عبادت سے مراد عبادات کی وہ قسم جو زبان سے ادا کی جائے اور فعلی عبادات سے مراد وہ خاص افعال ہیں جن کا حکم شارع نے دیا ہو۔

اسلامی عبادات میں قولی عبادت سے مراد حمد و ثنا، ذکر اور فعلی عبادات سے مراد روزہ جن میں مشقت ہو۔ بعض عبادات دونوں کا مجموعہ ہیں یعنی قولا و فعلا جیسا کہ حج، نماز طواف، وغیرہ۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق عبادات سے مراد ایسے عاجزانہ امر کی ادئیگی جس کے ذریعے سے انسان کا اپنے خالق سے تعلق اور رابطہ ہمہ وقت بحال رہے۔ ایسی ذات جو یکتا اور بے عیب ہو اور تمام نقائص اور عیوبات سے منزہ ہو۔ عبادات کرنے کا جذبہ انسان کے اندر اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ اپنے خالق کے حوالے سے کائنات میں غور و فکر کرے اس کی رحمت و عطوفت کا مشاہدہ اپنی تخلیق کے اعتبار سے کرے اور پھر اس کے احکام کی جانب متوجہ ہو تو دلی کیفیت یہ بنتی ہے کہ جس خالق نے اتنی خوبصورت کائنات تخلیق کی مجھے بنایا حق تو یہ ہے کہ اس کے ہر امر کی ہمہ وقت تعمیل کی جائے۔ اور جن اعمال وافعال پر اس کی ناپسندیدگی وارد ہوئی ہے ان سے بچا جائے تو یہ عبادت بھی ہے اور اطاعت بھی ہے۔ عبادت کا ایک اور اہم پہلو معاشرتی و مذہبی زندگی میں روحانی پاکیزگی کا حصول بھی ہے۔ جس کے ذریعے سے اس کے مخالف پیدا ہونے والے گناہوں ظاہری ہوں یا باطنی، تکبر، فخر، غرور، لسانی و معاشرتی سے بچنا بھی عبادات ہی کے طفیل ممکن ہے۔

ہر مذہب کا عبادت کا اپنا طریقہ اور الگ انداز ہے جو کسی حد تک ان کی معاشرتی زندگی کا بھی عکاس ہوتا ہے۔ یہی تناسب کسی بھی معاشرے کی اخلاقی شرح کو جانچنے کے لئے کافی ہے کہ وہاں پر عبادت گزار افراد اگر اکثر ہیں تو وہ معاشرہ بہت سی گندگیوں اور آلائیشوں سے پاک ہے اور اگر وہاں پر عبادات گزار افراد کی شرح کم ہے تو یقیناً وہاں مخالف اعمال کی کثرت ہو گی جس کی وجہ سے وہاں وہ امن اور خوشحالی نہیں ہو گی جو کسی اور ایسے معاشرے میں ہوتی ہے۔

عبادت کا مختصر مفہوم:

عبادت عربی میں ع ب د عبد سے ہے جس کے معنی خضوع کے ساتھ اطاعت کرنے کے ہیں۔ عبادت کے متعلق ابن منظور لکھتے ہیں:

عبدالله يعبد عبادة له، والتعبد التمسک، والعبادة الاطاعة، وقال الزجاج في المعانی في قوله تعالیٰ، إِيَّاکَ نَعْبُد، أي، نطيع الطاعة، التی يخضع معها[۱]

(اللہ کا بندہ جو اس کی عبادت کرے، اور التعبد بندگی جبکہ عبادت اطاعت کو کہتے ہیں۔ اور زجاج نے اللہ تعالیٰ کے اس قول ایاک نعبد کے بارے میں کہا ہے ہم اطاعت کرتے ہیں۔ ایسی اطاعت جس میں خضوع ہو۔)

امام راغب اصفہانی، عبادت اور عبودیت کے معنی میں فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

إن العبودية إظهار التذلل، والعبادة أبلغ منها، لأنها غاية التذلل[۲]

(عبودیت عجز وانکساری کو کہتے ہیں اور عبادت اس سے بھی بلیغ ہے۔ اس لئے کے اس میں حد درجہ تذلل ہے۔)

عبادت کا تعلق براہ راست ربوبیت کے ساتھ ہے اس لئے نبی اکرم ﷺ نے ان الفاظ کے استعمال میں احتیاط کی تعلیم دی ہے اسلام کی تعلیمات سے قبل یہ دو لفظ، یعنی عبد، اور رب، غلام اور آقا میں مشترک تھے دونوں پر ہی بولے جاتے تھے۔ اور عمومی طور پر دونوں ہی پر اطلاق کیا جاتا ہے آپ ﷺ نے ان دونوں کو الگ الگ متعین کیا رب کو خاص کیا اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے اور عبد کو خاص کیا بندے کے لئے تاکہ التباس نہ پیدا ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَايَقُلْ أحدُكُم عَبدِي وأَمَتِي وَلْيَقُل فَتاي وَفَتَاتي أَن يقولَ العبدُ لِسَيِّدِه رَبِّي [۳]

(تم میں سے کوئی کسی کو عبدی، یعنی میرا غلام، اور امتی یعنی میری لونڈی نہ کہا کرے۔ بلکہ میرے بیٹے اور میری بیٹی کہا کرو۔ غلام اپنے آقا کو میرے رب مت کہا کریں۔)

قرآن کریم میں عبادت کا ماخذ کلمہ عبد دو سو پچھتر مرتبہ آیا ہے۔ اپنے معنی اور مفہوم کے اعتبار سے اس کا استعمال تین طرح سے ہوا ہے۔ جو کہ مندرجہ ذیل ہے:

۱. خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا اس اعتبار سے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہونا کے وہ خالق اور منعم اعلیٰ ہے۔

---

(۱) لسان العرب، مادہ عبد

(۲) مفردات القرآن، مادہ عبد، امام راغب اصفہانی، اسلامی اکیڈمی، لاہور، طبع اول، ۱۹۷۱ء، ۲/۱۹۱

(۳) صحيح البخاري، کتاب العتق، وقولہ عبدی اوامتی، رقم الحدیث: ۲۴۱۴

۲. ظاہری پرستش اور خارجی رسوم سے رکنا، یعنی اللہ کے علاوہ مخلوق کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے رکنا ضروری اور واجب ہے۔

۳. انسان کو معبود کا درجہ دیا جائے یا وہ خود معبود ہونے کا دعویٰ کرے اور اپنی عبادت کا کہے یہ بھی ناپسندیدہ ہے۔

بالفاظ دیگر اسلام میں عبادت تین پہلوؤں پر مشتمل ہے جن میں سر فہرست اللہ تعالیٰ کی رضا کا متمنی اور طلب گار ہونا ہے۔ یہی اس کی زندگی کا اولین مقصد ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دل و جان سے اپنے خالق اور مالک کے مقرر کردہ احکامات کی تعمیل اور اطاعت اور تیسرا پہلو اپنے رب، پروردگار کے ممنوعہ احکام جن سے رکنے کا اس نے حکم دیا ہے اور ان پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا ہے ان سے رکنا لازم ہے۔ یہ اسلام میں عبادات کے بنیادی اور اہم پہلو ہیں۔

ہندومت میں عبادات کا مفہوم حیثیت و نوعیت:

ہندومت چونکہ قدیم ترین مذاہب میں سے ایک مذہب ہے لہذا یہ امر واقعہ ہے کہ ہر دوسرے مذہب کی طرح ہندومت کے بھی عبادات میں اصول و ضوابط موجود ہیں جن کی الگ الگ حیثیات بھی ہیں اور ان کے عمل کے مختلف طریقے بھی ان کے ہاں رائج ہیں جن کی بحث آئندہ سطور میں ذکر کی جائیگی فی الوقت ہندومت میں عبادت کے تصور کو بیان کیا جائے گا۔

ہندومت میں عبادت کے لئے سنسکرت کا لفظ "اپاسنا"[1] استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ دو لفظوں سے مرکب ہے جو "اپ" اور "سن" کا مجموعہ ہے۔ "اپ" کا معنی قریب ہونا اور "سن" کا معنی بیٹھنا ہے یعنی قربت کی نیت سے قریب ہو کر بیٹھنا، اپاسنا کہلاتا ہے۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے ہندو مذہب میں اپاسنا سے مراد ہر وہ قول و فعل ہے جس کے ذریعے سے بھگوان، براہما یا شیو و شنو کی قربت کا حصول ہو سکے۔ اپاسنا کا لفظ اپنے استعمال کے اعتبار سے انتہائی وسیع مفہوم بھی رکھتا ہے اور محدود بھی رکھتا ہے۔ وسیع معنوں میں اس کا اطلاق تمام تر عبادات قولی و فعلی پر ہوتا ہے اور محدود معنوں میں چند بنیادی عبادتوں مثلاً پوجا، بھجن، برت، یاترا، یگیہ، قربانی پر ہوتا ہے۔ اسی طرح ان عبادات کے ساتھ ساتھ ہندومت میں رقص اور دیگر فنون لطیفہ گانے وغیرہ بھی عبادات میں شمار کئے جاتے ہیں رگ وید کے دسویں منڈل میں اسی متعلق کہا گیا ہے کہ:

> "کچھ لوگ گانا گا سکتے ہیں اور ان کا گانا اور موسیقی کی سر تال روح کو اچھی لگتی ہے۔ وہ پرماتما کی محبت میں سرشار ہو کر دوسروں میں محبت بانٹتے ہیں۔ کچھ لوگ قدیم رشیوں کے اقوال سناتے ہیں اور کچھ مذہبی رسموں کو ادا

---

(1) Karel Warner, A Popular dictionary of Hinduism , USA 1997, p:166.

کر کے اپنے دوستوں کو اس میں شریک کرتے ہیں۔"[۱]

ہندومت میں عبادت کے تمام افعال و اعمال اور عملی جد وجہد کا نتیجہ موکش یعنی نجات کو قرار دیا جاتا ہے۔اس لئے عقائد عبادات، مذہبی، اور سماجی رسومات کا محور نجات موکش ہی ہوتا ہے۔ جس کے لئے تین راہوں کا تعین کیا جاتا ہے جن میں سر فہرست کرم مارگ، (راہ عمل) گیان مارگ (راہ علم و عرفان) اور جنان (راہ عقیدت) کو متعین کیا جاتا ہے۔[۲] یہی وجہ ہے کہ ہندومت میں جہاں مذہبی طور پر فکری تنوع اور عقائد کی کثرت پائی جاتی ہے وہیں عبادات اور رسومات کا بھی لامتناہی سلسلہ پایا جاتا ہے۔

اسلامی عبادات پر ہندومت کے اثرات:

یوں تو دین اسلام اپنے آفاقی اصولوں اور مستحکم و مضبوط قوانین کی بدولت دوسرے ادیان و مذاہب سے ایک الگ حیثیت و امتیاز کا حامل ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے اصولوں میں باوجود طویل زمانہ گزر جانے کے کوئی کجی، کوئی غلطی، کوشش کے باجود بھی ثابت نہ کر سکا بلکہ جنہوں نے اس کو دقتِ نظر سے مطالعے کا موضوع بنایا وہ بعد ازاں اسلام ہی کے ہو کر رہ گئے۔البتہ عملی اعتبار سے مسلمانوں کی کمزوریوں ،لاعلمی ،اور دینی شعور کے فقدان کی وجہ سے اسلامی عملی تعلیمات و عبادات میں ایسی چیزیں داخل ہو گئیں جن کا اسلامی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن وہ اسلام ہی کے نام پر اس آفاقی دین کا حصہ بنادی گئیں۔اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ اعمال وافعال تصوف کی بنیاد اور صوفیا کے عملی خاکے اور ان کی تعلیمات کی بدولت دینی حیثیت سے اسلام میں شامل ہو گئے تھے جبکہ اصلاً ان کے ثبوت و استناد پر کوئی نص یا شرعی دلیل قائم نہیں تھی۔ انہی اعمال وافعال میں سے درجہ ذیل ہم ذکر کریں گے۔

قربانی اور یگیہ کی مماثلت:

ہندو مذہب میں قربانی کے لئے جو عبادت مقرر ہے اسے یگیہ کہتے ہیں۔ہندو تہذیب میں یہ آرایائی دور سے رائج ہے لیکن اس کے طریقے ہندومت کی تہذیب کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہے۔موجودہ دور اس کی جدید شکل ہے جس میں جانوروں کی قربانی کے ساتھ ساتھ ،اناج، اور پھلوں، کی قربانی بھی کی جاتی ہے۔ہندو مذہب میں جانوروں اور دیگر اشیا کی قربانی کا جواز یہ بتایا جاتا ہے کہ اس سے دیوتا خوش ہوتے ہیں۔اور بدلے میں سورگ جنت دیتے ہیں۔اور اگر کسی میت کی طرف سے ہو تو اسے سورگ بھیجتے ہیں۔

---

(۱)ہندومت، تاریخ عقائد فلسفہ ،اشفاق ملک، بک ہوم، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص:۲۹

(۲)مارگ سنسکرت میں راستے کو کہتے ہیں۔ڈکشنری آف ہندوازم، ص:۱۰۶

یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ ہندو مذہب میں صرف یہی نہیں بلکہ انسانوں کی قربانی کا تصور بھی ملتا ہے جس کے متعلق ان کے کتب میں یہ صراحت ہے کہ قربانی کے اعتبار سے انسان سب سے اعلی جانور ہے۔[1] مسلمانوں میں قربانی کا تصور قدیم زمانے سے ہے اور اسے سنت ابراھیمی سمجھ کر کرتے ہیں جس کا مقصد قربت الی اللہ ہے۔ ہندومت کے ساتھ رہتے ہوئے مسلم جُہلاء نے اور صوفیا کی غلط تعلیم نے ان میں بھی یہی چیزیں رائج کر دیں جن میں، غیر اللہ کی خوشنودی، کسی بزرگ صوفی، کے دربار پر جانور چھوڑ دینا ان کے نام پر قربان کرنا تا کہ وہ سفارش کر سکیں ایسے ہی اناج پھل لیکر یہ عمل کرنا شریعت اسلامی میں ناجائز اور حرام ہیں ان کی اسلامی تعلیمات میں کوئی اصل نہیں ہے۔

طہارت پر ہندومت کے اثرات:

طہارت کے باب میں ہندوؤں سے اختلاط کی صورت بہت زیادہ تو مسلم طریقوں میں تبدیلی نہیں آئی لیکن چونکہ ان سے طویل عرصہ مخالطت رہی اس کے اثرات مختلف افعال میں سامنے آئے جن میں مسلم دنیا ان کی تقلید کرنے لگی ہے۔ یہاں اولاً اختصار سے اسلامی طہارت کا نکتہ نظر بیان کیا جائے گا بعد ازاں اثرات ہندومت کو بیان کریں گے۔ دین اسلام میں نجاست کو بنیادی طور پر دو اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱. نجاست اعتقادی
۲. نجاست عملی

اعتقادی نجاست سے مراد عقائد کی گندگی ہے بایں معنٰی کے اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبودان باطلہ کی عبادت کرنا، اللہ تعالیٰ کی صفاتِ خاصہ کو مخلوق کے لئے ماننا اور اس کا کامل اعتقاد رکھنا اور اس جیسی دیگر مثالیں اعتقادی نجاست کی ہیں۔

"دوسری قسم عملی نجاست یا بدنی نجاست ہے۔ مذکورہ نجاست کے متعلق اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ اگر وہ نجاست اجسام والی ہے یعنی اپنا ایک جسم رکھتی ہے تو پہلے اس کا زائل کرنا از حد ضروری ہے۔ جسم والی نجاست جسے حقیقی نجاست بھی کہا جاتا ہے اس سے مراد پیشاب، لید، گوبر، لہو پیپ، وغیرہ ہے اس طرح کی نجاست کے لگنے سے کوئی چیز پاک ناپاک ہو جائے تو اس کے پاک کرنے کا یہ طریقہ یہ ہے کہ اس چیز کو مل کر پانی وغیرہ سے دھو ڈالیں یہاں تک کہ نجاست باقی نہ رہے۔ خوب اہتمام اور تسلی کے بعد اگر وہ نجاست زائل ہو گئی تو

---

(۱) اسلام اور ہندو دھرم کا تقابلی مطالعہ، حافظ شارق، کراچی، ۲۰۰۲ء، ص:۱۶۳

متعلقہ جسم یا کپڑا صاف ہو جائے گا۔ ہندو مت میں بھی تصور تطھیر یا پاکی دو قسم پر ہے۔ ایک حقیقی دوسری حکمی ناپاکی۔ حقیقی کئی قسم پر ہے ایک قسم جیسے پیشاب پاخانہ وغیرہ اگر ایسی چیز کپڑے وغیرہ کو لگ جاوے تو پانی سے دھوتے ہیں اور بدن کو لگ جاے تو مٹی لگا کر پانی سے دھوتے ہیں، اور کانسی پیتل کے برتن کو لگ جاے تو اس کو آگ سے جلا کر اور مٹی لگا کر پانی سے دھوتے ہیں، اور دوسری قسم میں برتن کی پاکی کا تصور ہے اگر کسی ہندو نے کانسی کے برتن میں پانی پی لیا یا اسے منہ لگا لیا تو اسے راکھ سے دھونا ضروری تصور کیا جاتا ہے اور اگر سونے یا چاندی کے برتن میں کوئی چیز کھایا پی لی جائے تو اسے صرف پانی سے دھو لیا جاتا ہے۔"(۱)

"ہندو مت سے اختلاط سے کی صورت اور تو کوئی خاص تبدیلی اس عنوان طہارت میں نہیں آئی البتہ، برتن الگ رکھنا، کسی غریب کا برتن کو چھو لینا، یا کمزور ذات کا چھو لینے کی صورت میں برتن کو ناپاک سمجھنا، کھانے پینے کی اس چیز کو ناپاک سمجھنا یہ ہندو مت ہی سے میل ملاپ اور رہن سہن کا اثر ہے جو فی الحال بھی ہمارے یہاں رائج ہے۔ اس کی بھی شرع میں کوئی اصل نہیں ہے۔"(۲)

نماز کے متعلقہ اثرات:

نماز مسلمانوں کی اہم ترین عبادت ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار کیا ہے۔ اور اس کی بہت زیادہ تاکید قرآن وسنت میں مزکور ہے۔ اپنی ہیئت اور فرض ہونے کے اعتبار سے اصلاً تو اس پر کوئی خاصا اثر ہندو مت نے نہیں ڈالا لیکن جیسا ان کے ہاں تین اوقات تھے عبادت کے اور وہ بھی ان کی شخصیات کی طرف منسوب تھے مسلمانوں کو اس طرز عمل پر ضرور ابھارا جس کا نتیجہ یہ نکلا کے کہ بعض مسلمان بھی ہندوؤں کی دیکھا دیکھی مختلف شخصیات کے نام کی نمازیں پڑھنے لگے اور اس پر مخصوص اوقات میں مداومت کرنے لگے جن کی تائید تحفۃ الہند کے مصنف کے اس اقتباس سے ہوتی ہے:

"مسلمان بھی سوائے اللہ کے اور کے نام کی نماز پڑھتے ہیں جیسے بعض جاہل کہتے ہیں کہ فرض نماز اللہ کی ہے اور سنت رسول اللہ کی اور بعض عورتیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نام کی نماز پڑھتی ہیں اور بعض لوگ صلوٰۃ الخطوات یعنی ضرب الاقدام پڑھتے ہیں یعنی گیارہ قدم بغداد کی طرف منہ کر کے چلتے ہیں اور اس میں حضرت پیر

---

(۱) تاریخ تمدن ہند، محمد مجیب، قومی کونسل برائے فروغ اردو، نئی دہلی، طبع اول، ۱۹۷۲ء

(۲) مسلمانوں میں ہندوانہ رسم ورواج، عبد السلام بن محمد، دار السلام، ۲۰۰۲ء، ص:۲۱

صاحب کا نام لیتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سنت رسول اللہ ﷺ سے مراد ہے متابعت رسول اللہ ﷺ کی یعنی حضرت رسول اللہ ﷺ بھی یہ نماز پڑھتے تھے اور فرض سنت میں فرق اتنا ہے کہ جو شخص فرض نہ ادا کرے مستحق عذاب و دوزخ کا ہوتا ہے، اور اگر فرض کا انکار کرے تو کافر ہوتا ہے، اور جو سنت نہ ادا کرے تو لائق ملامت ہوتا ہے۔ ، اور اور جو لوگ صلوۃ الخطوات پڑھتے ہیں ، اپنی دانست ہیں حضرت عبد القادر جیلانی کی تعظیم میں بغداد کی طرف کئی قدم چلتے ہیں ۔ اس کی شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔"[۱]

روزہ کے متعلقہ اثرات:

ہم دیکھتے ہیں کہ نماز کے ارکان مخصوصہ جیسے ہاتھ باندھ کے کھڑے ہونا (قیام) اور جھکنا (رکوع) اور سجدہ کی کیفیت اختیار کرنا اور دوزانو ہو کر بیٹھنا یہ سب اہل تصوف میں بکثرت پایا جاتا ہے۔

شریعت اسلامی میں روزہ مسلمانوں پر فرض ہے جس کا حکم اور تاکید خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کی ہے اور فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾[۲]

(اے ایمان والو تم، پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔)

مسلمانوں پر رمضان کے مہینے کے مکمل روزے فرض کئے گئے ہیں۔ بیماری اور سفر کی صورت میں دوسرے ایام میں ان کی قضا کا حکم ہے۔ عام حالات میں بغیر کسی عذر کے روزہ نہ رکھنے والا گنہگار ہوتا ہے اور اس کی فرضیت کا انکاری کافر ہے۔

فقہاء کے ہاں روزہ نام ہے کھانے، پینے، اور مباشرت سے رکے رہنے کا۔

هُوَ الإمْسَاكُ عنِ الأكلِ والشُّربِ والجِمَاعِ[۳]

ہندو اپنے معبودوں اور بتوں کے نام پر روزہ رکھتے ہیں اور اس کو برت کہتے ہیں۔[۴]

ایکاوشی یعنی گیارہویں تاریخ کا برت دشن کے نام کا رکھتے ہیں چودس کو مہادیو کا منگل کے دن ہنومان کا اتوار کو سورج کا ہفتہ کے

---

(۱) تحفۃ الہند، مولانا عبید اللہ، ادارہ احیاء السنہ، گوجرانوالہ، ص:۱۵۵

(۲) سورۃ البقرۃ:۲/۱۸۳

(۳) بدايع الصنائع في ترتيب الشرائع، علامہ کاسانی، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، ۲۰۰۱ء، ص:۴۵۳

(۴) رسوم ہند، میجر ہالرائڈ، مطبع ن۔ د، لاہور، طبع اول، ۱۸۷۹، ص:۱۳۲

دن سنیچر یعنی زحل کا بھادوں کی اسٹمی کو کشن کا برت رکھتے ہیں کاتک کی امادس یعنی دیوالی کو چھٹی کا چیت اور سوج کی نوراتوں میں دیوی کا برت رکھتے ہیں اور بعض کا لکا کا برت رکھتے ہیں القیاس اور معبودوں کے نام پر رکھتے ہیں اور بعض کھانے کی چیزیں یعنی غذائی اجناس میں بھی تقسیم کی گئی ہے ان میں سے بعض غذائی اشیا کو برت کے دِنوں میں کھانا حرام سمجھتے ہیں اور بعض کو جائز سمجھتے ہیں۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ ہندومت میں مختلف شخصیات کے عنوان سے اور مختلف معبودوں کے نام پر توبرت ،روزہ کا تصور ہے لیکن خدائے واحد ربِ تعالیٰ کے نام کا روزہ یا برت ان کے ہاں رائج نہیں ہے۔

بعض مسلمان مخدوم جہانیاں کے نام کا روزہ رکھتے ہیں اور بعض حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نام کا اور بعضی عورتیں سید سلطان اور بی بی مراد اور غرض کے نام کا روزہ رکھتے ہیں اور بعضی عورتیں جھگری (صوفی) کا برت رکھتی ہیں۔ یہ تمام افعال ہندوؤں کی دیکھا دیکھی کئے جاتے ہیں اسلام میں ان کی کوئی حیثیت اور اصل نہیں ہے۔[1]

ہندوؤں کے روحانی پیشواوؤں کی طرح ہمارے معاشرے میں موجود اہل تصوف میں سے بھی کچھ حضرات مسلسل بھوکا پیاسا رہتے ہیں یا مسلسل روزے رکھتے ہیں جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔

صدقہ کے متلقہ اثرات:

جاننا چاہئے کہ عبادت دو قسم پر ہے بدنی اور مالی، بدنی وہ جو بدن سے کی جائے جیسے نماز اور روزہ وغیرہ اور مالی وہ جو مال سے ادا ہو یعنی اپنے مال میں سے ادا ہو یعنی اپنے مال میں سے کچھ مال اللہ کے نام پر نکالنا مالی عبادات میں شامل ہے۔ صاحبِ نصاب پر شریعتِ اسلامی نے زکوٰۃ فرض کی ہے اور اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ زکوٰۃ کی اہمیت کے پیشِ نظر قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اسے نماز کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کی ادائیگی کے ساتھ مسلمانوں کو فقرا، مساکین ،اور دیگر ضرورت مندوں کی مدد کی ترغیب بھی دی گئی ہے تاکہ معاشرے میں توازن قائم رہے اور اس عمل پر بہت اجر وثواب کی خوشخبری بھی دی گئی ہے ۔ ایک عرصہ سے مسلمان ان اعمال کو اسی انداز سے سرانجام دیتے ہوئے آرہے ہیں اور مقصود ان سب سے اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کو حاصل کرنا ہے۔

ہندومت میں مالی عبادات کا تصور بھی بدنی ہی کی طرح ہے یہاں بھی مختلف دیوتاؤں اور دیویوں کے ڈر اور خوف سے ان کے نام پر مال کو خرچ کرنا، جانوروں کو قربان کرنا رائج ہے ،اور ایسا نہ کرنے والے کو اس دیوی یا دیوتا سے خطرہ اور سزا کا مستحق سمجھا جاتا

---

(۱) مسلمانوں میں ہندوانہ رسم ورواج، عبد السلام بن محمد، دارالسلام پبلیشرز، ص:۵۱

ہے۔

"جیسے دیوی کے لئے بکرا زندہ چڑھانا یا جان سے مار دینا اور دیوتاؤں کے نام پر اپنے مال میں سے حصہ نکالنا اور ہوم کرنا اور دیوتاؤں کی نذر و نیاز دینا ان کے ہاں صدقہ تصور کیا جاتا ہے۔"(۱)

"ہندوؤں کی تقلید میں بعض مسلمان بھی پیر صاحب یا سید سلطان کا دسواں حصہ اپنے مال میں سے نکالتے ہیں اور بعض اپنی اولاد کو پیر صاحب کا دسوندی بنا کر ان کی قیمت مقرر کر کے اس کا دسواں حصہ پیر صاحب کے نام پر جیتے ہیں اور بعض اپنے غلہ میں سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی چنگی نکالتے ہیں اور بعض کسی کے نام پر اپنا زیور دھو کر رکھ چھوڑتے ہیں اور بعض لوگ پیروں سے ڈر کر اور ان سے نفع کی امید رکھ کر ان کی نیاز دیتے ہیں ،اور بعض پیروں کے نام کی منتیں مانتے ہیں، اور پیروں کے نام پر جانور ذبح کرتے یا چھوڑ دیتے ہیں، بعض قبروں پر بکرے کا چڑھاوا چڑھاتے ہیں ، یہ تمام کام ناجائز ہیں، اور شریعت اسلامی میں ان پر وعید آئی ہے۔"(۲)

ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل ہمارے معاشرے میں عوام الناس کی کثیر تعداد اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور منتیں مانتے ہیں جو کہ خالصتاً عقیدۂ توحید کے منافی ہے۔

مُردوں کو ایصال ثواب کے متعلقہ اثرات:

"جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ بھی منقطع ہو جاتا ہے البتہ یہ فرد جو خود تو ان اعمال سے محروم ہے اگر اس کے لئے اس کا کوئی قریبی عزیز، دوست، بیٹا، بیٹی کوئی نیک عمل کر کے اس کو اس کا ثواب بھیجنا چاہے تو یہ شرعاً درست ہے اور اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس میت تک پہنچاتے ہیں۔ اسی کا نام ایصالِ ثوب ہے۔ زندوں کا مُردوں کے حق میں دعائے خیر اور ایصالِ ثواب کرنا خود ان کے حق میں بھی ثواب کا باعث اور مُردوں کے حق میں مغفرت اور درجات کی بلندی کا سبب بنتا ہے البتہ یہ صورت وقتی طور پر ثواب کے انتظام کی ہے اس لیے مرنے والے کو حسبِ استطاعت دائمی ثواب پہنچانے کی بھی کوشش کرنی چاہیے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ مرحوم کی طرف سے کوئی ایسا نیک کام کیا جائے کہ جس سے لوگ مسلسل فائدہ اٹھاتے رہیں مثلاً کسی

---

(۱) اسلام اور ہندو مت تقابلی جائزہ، ڈاکٹر عبد الکریم نائیک، مشتاق بک کارنر، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص:۱۵۵

(۲) تحفۃ الہند، مولانا عبید اللہ، ص:۱۵۵، اسلام کا خانقاہی نظام، ص: ۲۳۳

نیک کام کے لیے زمین وقف کر دی جائے وغیرہ۔"[1]

معلوم ہوا کہ لسانی و جسمانی عبادات میں سے ہر شخص اپنے گھر میں انفرادی طور پر جو نیک عمل اپنے لیے کرتا ہے؛ نفل نماز پڑھتا ہے، نفل روزے رکھتا ہے، تسبیحات پڑھتا ہے، تلاوت کرتا ہے، نفل حج یا عمرہ کرتا ہے، طواف کرتا ہے، اس میں صرف یہ نیت کرلے کہ اس کا ثواب ہمارے فلاں عزیز یا دوست کو پہنچے، وہ پہنچ جائے گا اور بس یہی ایصالِ ثواب ہے، وہ ثواب جو آپ کو ملنا تھا آپ کو بھی ملے گا اور جن دوسرے لوگوں کی نیت کی ہے، ان سب کو بھی پورا ثواب ملے گا۔

"اور ہندوؤں کے دین میں ثواب پہنچانے کا یہ طریق ہے کہ مثلاً کھانا کپڑا وغیرہ جس چیز کا ثواب پہنچانا ہو تو اس کا سنکلپ یعنی نیت یوں کرے کہ ثواب پہنچانے والا داہنے ہاتھ میں پانی لے کر شاستری زبان میں یہ کہے کہ اب جو فلاں مہینہ فلاں دن ہے تو میں فلاں شخص فلاں میری قوم فلاں چیز فلاں شخص کے لئے میں صدقہ کرتا ہوں پھر اس پانی کو زمین پر ڈال دے اور ثواب پہنچانا ان کے نزدیک اگرچہ ہر روز درست ہے پر بعض دن بھی مقرر کرنے ضروری ہیں ۔ چنانچہ ایک دن کریا کرم (تجہیز و تکفین) کے لئے مقرر ہے۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ مردے کے مرنے کے بعد ایک دن تک اس مردہ کا ایک بدن عالم برزخ میں تیار ہوتا ہے، تاکہ وہ انعام یا سزا کے لئے تیار ہو سکے۔ اس لئے انہوں نے اس دن کا نام کریا کرم رکھا ہے، کیونکہ شاستری زبان میں "کر" کہتے ہیں بدن کو، اور کرم کہتے ہیں عمل کو، یعنی مرنے کے دن سے اس دن تک کوئی شخص اس مردے کا اقرب موافق شاستر کے ایسے عمل بجالاوے جن کے سبب سے اس مردہ کا بدن تیار ہو پھر اس دن میں اس مردہ کے واسطے کچھ عمل کیا جائے اس عمل کا نام کریا کرم ہے۔ یعنی بدن کا عمل اس دن میں اس کریا کے لئے یہ کرم کرتے ہیں کہ اس مردے کے نام پر کھانا، پوشاک، پلنگ، لحاف، زیور باسن ، چھتری ، گھوڑا وغیرہ چیزیں اپنی استطاعت کے مطابق برہمن کو دیتے ہیں ، اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ اس کو پہنچتا ہے اور اس دن میں اور بھی بہت سا صدقہ کرتے ہیں اور "مہابرہمن" وہ برہمن ہیں کہ مردوں کے نام کا صدقہ ان کو دیتے ہیں۔"[2]

---

(۱) رد المحتار، ۱/۵۰۶

(۲) تاریخ تمدن ہند، محمد مجیب، ص: ۲۴۵، تاریخ ہند، البیرونی، ص: ۳۴۳

"۲۰۰۷ لیے ہیں جیسے مردہ کی سوم کو قل کہتے ہیں، اور چالیسویں کو پلنگ بچھا کر اور طرح طرح کے کھانے رکھ کر اعتقاد رکھتے ہیں کہ مردے کی روح یہاں آتی ہے۔"(۱)

اور بعض کہتے ہیں اسی دن روح گھر سے نکلتی ہے اور چھ ماہی یہاں آتی ہے اور بعض کہتے ہیں اس دن روح گھر سے نکلتی ہے، اور چھ ماہی اور سالانہ برسی کرتے ہیں ، اور حضرت عبد القادر جیلانیؒ کی فاتحہ سوائے گیارھویں اور سترھویں کے اور دن میں نہیں کرتے ، اور حضرت امیر حمزہ کا ختم شب برات ہی کو کرتے ہیں اور حضرت امام حسینؓ کا محرم کے عشرہ میں علیٰ ہذا القیاس اور بزرگوں کی فاتحہ ان کے مرنے ہی کے دن کرتے ہیں، اور بعضوں کی روح کے لئے بعض کھانے بھی مقرر کر رکھے ہیں جیسے شاہ عبد الحق کا توشہ حلوے کا، اور حضرت بی بی کی صحت کا دہی خشکہ کی، اور حضرت بو علی قلندر کا مالیدہ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کونڈا میٹھے چاولوں کا اور اس کا کھانا بھی گرما گرم ضرور جانتے ہیں بلکہ اس پر کیلے کا پتہ اور سرخ ڈورے بھی ضرور رکھتے ہیں ، اور بعض اس دن روزہ رکھتے ہیں، اور حضرت امام حسینؓ کی نیاز حلیم اور شربت، اور سید سلطان کا روٹ یا ریوڑیاں بابا فرید کی کھچڑی میٹھی، اور پیر نبوی کا نمک، اور دیگر ان جیسے مخصوص اعمال و کھانے بزرگوں کے نام پر مقرر کر لیے ہیں۔(۲) یہ سب غیر شرعی اور ہندوؤں کی طویل مخالطت کا نتیجہ ہیں ان کا اسلامی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ختم و نذر و نیاز:

"ہندوؤں کی طرح بعض کمزور جاہل عقیدہ مسلمانوں کا بھی یہ عقیدہ بن گیا ہے کہ اگر ہم ان کی نیاز نہ دیں گے تو ہمارا کچھ نقصان کر دیں گے اور بعض لوگ ثواب پہنچانے کو فرض کی طرح ضروری جانتے ہیں۔ جو کوئی گیارہویں وغیرہ کا دن کھانا پکا کر گیارہویں کے نام پر تقسیم نہ کرے اسے طعن دیتے ہیں اور بعض نیاز وغیرہ کے دن نئے باسن (برتن) بھی لگانے ضروری جانتے ہیں اور جیسے ہندو سرادھ(۳) کے دن کھانے پر ابھشر من(۴)

---

(۱) رسوماتِ مسلم مشابہ ہندو دھرم، پروفیسر نور محمد چودھری، فیض اللہ اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص:۷

(۲) رسوماتِ مسلم مشابہ ہندو دھرم، ص:۲۴

(۳) ہندوؤں کا اپنی میت کو ثواب پہنچانے کے لئے بنائے گئے کھانے کو سرادھ کہتے ہیں اور جس دن بنایا جائے اسے سرادھ کا دن کہتے ہیں۔ (مسلمانوں میں ہندوانہ رسوم ورواج، عبد السلام بن محمد، دار الاندلس، ۲۰۰۲ء، ص:۳۵)

(۴) جو پنڈت سرادھ (ایصال ثواب کے لئے بنائے گئے کھانے) پر بید پڑھتا یا منتر پڑھتا ہے اسے ابھشر من کہتے ہیں۔ (ایضاً)

سے منتر پڑھواتے ہیں، اسی طرح مسلمان بھی مولوی صاحب کو بلا کر ختم دلاتے ہیں اور جب تک مولوی صاحب اس پر ختم نہ پڑھ لے تب تلک اس میں سے کسی کو کھانے نہیں دیتے، اور ہندو سنکلپ کرنے کے وقت داہنے ہاتھ میں پانی لے لیتے ہیں مسلمان پانی کا پیالہ کھانے کے ساتھ ختم کے وقت رکھنا ضروری جانتے ہیں، اور ہندو اپنے بزرگوں کو پانی دیتے ہیں ویسے ہی مسلمان محرم میں حضرت امام کی روح کے واسطے پانی کی مشکیں زمین پر بہادیتے ہیں اور جیسے ہندو دیوتاؤں کے نام پر گھی وغیرہ وغیرہ آگ میں جلا کر اس کا نام ہوم رکھتے ہیں، اسی طرح مسلمان بزرگوں کے لئے ہزار ہا چراغ روشن کر کے اور اس میں دھڑیوں اور منوں تیل جلا کر اللہ کی نعمت کو ضائع کر کے اس کا نام روشنی رکھتے ہیں، اور بعض ختم کے وقت ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اس اعتقاد سے کہ بزرگوں کی ارواح یہاں حاضر ناظر ہیں اور بعض ختم کے وقت چراغ بھی جلاتے ہیں۔"[1]

اس قسم کی رسوم مسلمانوں میں رواج پارہی ہیں جن کی تفصیل طویل ہے یہ تمام چیزیں ہندومت سے اختلاط کا نتیجہ ہیں۔

یوگا اور مراقبہ، مماثلت:

مقدمہ ارتھ شاستر میں یوگا، مراقبہ اور مماثلت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:

"روحانی قوت اور ضبط نفس کے حصول کی خاطر ریاضت کا ایک اہم طریقہ "یوگا" کا ایجاد کیا گیا جس پر ہندومت بدھ مت اور جین مت کے پیروکار سبھی عمل کرتے ہیں۔ اس طریقہ ریاضت میں یوگی اتنی دیر تک سانس روک لیتے ہیں کہ موت کا شبہ ہونے لگتا ہے دل کی حرکت کا اس پر اثر نہیں ہوتا۔ سردی گرمی ان پر اثر انداز نہیں ہوتی یوگا کرنے والے طویل ترین فاقے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔ یوگا ہندوؤں کے ہاں عبادت سمجھی جاتی ہے اگرچہ اب تو عمومی طور پر ورزش کی حیثیت سے اس کی شہرت ہے۔ کچھ ہندوؤں سے اختلاط اور کچھ سابقہ ادوار کی ریاضات اور مجاہدات میں اسلامی تصوف کے بہت سے سلسلوں بالخصوص نقشبندی کے سلسلے فنافی اللہ یا فنافی الشیخ یا ذکر قلب کے اوراد میں حبس دم کے کئی طریقے ہیں جو صوفیا کے ہاں معمول بہا ہیں۔ جن پر صوفیاء عامل ہوتے ہیں۔ اور کافی دیر تک یوں ہی سانس بند کر کے بیٹھتے ہیں۔ جیسا کہ پاس انفاس موجودہ دور

---

(۱) ہندو عبادات کی اصلیت، منشی رام پرشاد، تاریخ۔ن، دہلی، ص:۱۴۷

میں بھی سلسلہ اویسیہ [۱] کے ہاں طریقہ رائج ہے وہ کافی حد تک یوگا سے مماثل ہے۔"[۲]

رہبانیت، اور گیان:

مقدمہ ارتھ شاستر میں رہبانیت و گیان کی وضاحت اس طرح سے کی گئی ہے کہ:

"یوگا عبادت کا ایک بھیانک نظارہ سادھوؤں اور یوگیوں کا دہکتے ہوئے شعلہ فشاں انگاروں پر ننگے قدم چلنا اور بغیر جلے سالم نکل آنا، تیز دھار نوکیلے خنجر سے ایک گال سے دوسرے گال تک اور ناک کے دونوں حصوں تک اور دونوں ہونٹوں کے آرپار خنجر اتار دینا، اور اس طرح گھنٹوں کھڑے رہنا' تازہ کانٹوں اور نوکیلی کیلوں کے بستر پر لیٹے رہنا، یا رات دن دونوں پیروں یا ایک پیر کے سہارے کھڑے رہنا یا ایک ٹانگ اور ایک ہاتھ کو اس طویل عرصہ تک بے مصرف بنادینا کہ وہ سوکھ جائے، یا مسلسل الٹے لٹکے رہنا' ساری عمر ہر موسم اور بارش میں برہنہ رہنا تمام عمر سنیاسی یعنی کنوارا رہنا یا اپنے تمام اہل خانہ سے الگ ہو کر بلند پہاڑوں کے غاروں میں گیان دھیان کرنا وغیرہ بھی یوگا عبادت کے مختلف طریقے ہیں۔ اسے ہندو یوگی ہندو دھرم یا دیدانت یعنی تصوف کے مظاہر قرار دیتے ہیں۔"[۳]

"مسلم صوفیا کے ہاں بھی اصل صوفی وہ قرار پاتا ہے جو دو دراز جنگلوں میں بھوکے پیاسے کئی دن گزار لے اور وہاں مختلف قسم کے معکوس چلے لگالے اس دوران پاکی ناپاکی کا کوئی خاص خیال نہیں رکھا جاتا۔ مجربات قسم کے وظائف پڑھے جاتے ہیں جبکہ باجماعت نماز سے محرومی ہوتی ہے۔ بزرگوں سے منسوب نمازِ فتحیہ، اورادِ مخصوصہ، نماز قاعدہ وغیرہ کا ان اوقات میں پڑھنا انتہائی ضروری سمجھا جاتا ہے۔"[۴]

---

(۱) یہ سلسلہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے اور اصطلاحاً نسبت اویسیت کے معنی روحی یا روحانی فیض کے ہیں یعنی اگر کسی بزرگ کو کسی کسی دوسرے بزرگ سے روحی فیض حاصل ہوا ہو اور بہ ظاہر فیض صحبت حاصل نہ ہوا ہو تو اس کو کہا جائے گا کہ بہ طریق اویسیہ ان کو فیض حاصل ہوا۔ (تعارف سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ، ادارہ نقشبندیہ اویسیہ، دار العرفان، منارہ چکوال، ص:۲۲)

(۲) مقدمہ ارتھ شاستر:۱۲۹

(۳) مقدمہ ارتھ شاستر:۱۳۰

(۴) اسلام کا انجام بدستِ صوفیاء کرام، خواجہ حسن نظامی، دہلی پبلیشرز پریس، دہلی، طبع چہارم، ۱۹۱۹ء، ص:۲۸

عملیات وذکرواذکار پر اثرات:

مقدمہ ارتھ شاستر میں عملیات وذکر اذکار کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:

"ہندومت اور بدھ مت میں جنتر منتر اور جادو کے ذریعہ عبادت کا طریقہ بھی رائج ہے عبادت کا یہ طریقہ اختیار کرنے والوں کو "تانترک" فرقہ کہتے ہیں، یہ لوگ جادوئی منتر جیسے آدم منی "پدمنی او" یوگا کے انداز میں گیان دھیان کو نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں، قدیم ویدک لٹریچر بتاتا ہے کہ سادھو اور ان کے بعض طبقات جادو اور سفلی عملیات میں مہارت حاصل کرنے کے عمل دہرایا کرتے تھے اس فرقہ میں تیز بے ہوش کرنے والی شرابوں کا پینا' گوشت اور مچھلی کھانا' جنسی افعال کا بڑھ چڑھ کر کرنا' غلاظتوں کو غذا بنانا مذہبی رسموں کے نام پر قتل رنا جیسی قبیح اور مکروہ حرکات بھی عبادت سمجھی جاتی ہیں۔"(۱)

"موجودہ دور میں مسلمانوں کا ایک کثیر طبقہ عملیات، جادو، جنات قابو کرنے کے لئے ذکر جیسی مقدس عبادت کے نام کو استعمال کرکے ویرانوں میں نجاست میں مختلف عمل کرکے، جس میں کئی دن نجس رہ کر گندگی کھا کر گزارہ کرنا شامل ہے دیگر بہت سے غیر شرعی امور شامل ہیں ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں یہ اصلاً ہندومت ہی کا خاصہ تھے جہال کی وجہ سے مسلمانوں نے انھیں دین سمجھ کر ذکر ووظائف کے نام پر اپنا شعار بنالیا ہے۔"(۲)

تجزیہ:

دینِ اسلام کی دیگر بہت سی خصوصیات کے ساتھ ساتھ اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ اسے ربِ تعالیٰ نے کامل واکمل ہونے کا سرٹیفیکیٹ عطا فرمایا ہے۔ اسلام کی کاملیت کو اگر دیکھا جائے تو یہ کسی ایک جہت سے کامل نہیں معلوم ہوتی بلکہ ہمہ جہت کامل واکمل ہے اور ہر قسم کے معاملات میں رہنمائی کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن جب کسی بھی مذہب سے وابستہ افراد اس کے بنیادی اعمال و افعال سے جاہل ہوں تو رفتہ رفتہ دیگر مذاہب کے اصولوں سے واقفیت اور اپنی جہالت دین کی حقیقی تصویر سے دور کر دیتی ہے مسلم ہندو اختلاط سے جہاں عقائد میں تبدیلی آئی وہیں پر اسلامی عبادات میں بھی بہت سی ایسی چیزیں داخل ہو گئیں جو اصلاً اسلام کی تعلیمات کے بالکل برعکس تھیں اور شریعتِ اسلامیہ میں ان پر نکیر وارد تھی۔ نماز سے لیکر قربانی اور صدقہ سے لیکر ایصالِ ثواب

---

(۱) مقدمہ ارتھ شاستر: ۱۱۷

(۲) اہل تصوف کی کارستانیاں، شیخ عبدالرحمن کویتی، ص: ۳۳

تک شرعی حدود نہ جاننے کی وجہ سے اور ہندو تہذیب سے مختلط ہونے کی وجہ سے، مسلمان اولیا کے نام کی نمازیں، غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز دینا، مردہ افراد یعنی مزاروں کے نام پر جانوروں کا قربان کرنا، اور مزارات کی نذر کو اللہ کے حکم کی طرح فرض ماننا جیسا کہ ننگے پاوں چل کر وہاں جانا یہ ساری عبادات شریعتِ اسلامی سے ثابت نہیں لیکن عدم واقفیت اور ضد و عناد کی وجہ سے مسلم دنیا میں یہ رواج پذیر ہے اور اسے دین سمجھ کر ادا کیا جاتا ہے جبکہ دینی نصوص میں ان اعمال کو اس انداز سے ادا کرنے پر وعید وارد ہے۔

فصل سوم: ثقافت اسلامیہ پر ہندومت کے اثرات

ثقافت معنی و مفہوم:

ثقافت عربی میں ثلاثی مجرد کے باب سے مشتق اسم ہے اردو میں عربی ہی سے ماخوذ ہو کر مستعمل ہوتا ہے۔ عربی میں ثقف، سوراخ کو کہتے ہیں۔ جبکہ اصطلاح میں ثقافت سے مراد:

"کسی قوم یا گروہ انسانی کی تہذیب کے اعلیٰ مظاہر جو اس کے مذہب نظام اخلاق علم وادب اور فنون میں نظر آتے ہیں۔"(۱)

ہندو مسلم ثقافت کا تدریجی ارتقاء:

جہاں کہیں دو متضاد اور مختلف نظریات، تہذیبوں اور رسوم ورواج کا ملاپ ہوتا ہے وہاں اثر پذیری اور اثر انگیزی کا عمل بھی ضرور رونما ہوتا ہے اس کے علاوہ ہر انسان کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنے آباؤ اجداد کے رسوم اور طرز زندگی کو ترک کرنا مشکل ہوتا ہے، جس کی وضاحت ان قرآنی آیات سے ہوتی ہے جن میں نبی کی تعلیمات کو قبول نہ کرنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ لوگ اپنے اپنے آباؤ اجداد کے طریقوں کو ترک کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

ہندوستان میں اسلامی تعلیمات نے فکری و عملی انقلاب برپا کیا، جس کے نتیجے میں بہت سے لوگ اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر اسلام کے پیروکار بن گئے۔ جو لوگ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے ان میں بھی نمایاں فکری اور عملی تبدیلی رونما ہوئی، جس کا اظہار نانک اور کبیر جیسے ہندو مصلحین کی صورت میں ہوا، جن کی تعلیمات وافکار پر اسلام کے واضح اثرات پائے جاتے ہیں۔

دوسری طرف اس اختلاط کی وجہ سے مسلمانوں کے فکری، تمدنی اور ثقافتی زندگی پر ہندومت کے اثرات بھی مرتب ہوئے، جو کہ لوک کہانیوں سے لے کر تکوینی نظریات تک اور معاشرتی رسوم ورواج میں برابر پائے جاتے ہیں۔ آئندہ سطور میں ہندو مذہب اور معاشرے کے ان اثرات کا جائزہ لیا جائے گا جو برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کی فکری، مذہبی اور سماجی زندگی پر مرتب ہوئے ہیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد تین ادوار میں ہوئی۔ پہلے دور میں عرب مسلمان تاجر ساحلی علاقوں مکران اور سراندیپ،

---

(۱) اردو لغت، مادہ ثقف، المیزان، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص:۳۴۵

مالدیپ اور مالابار کے جزائر میں آباد ہوئے۔ دوسرے دور میں حجاج بن یوسف کے زمانے میں محمد بن قاسم کے سندھ پر حملے اور فتح کی صورت میں مسلمان ہندوستان آئے جبکہ تیسرے دور میں شمال کی جانب سے افغان اور ترک مغل مسلمانوں نے فاتح کی حیثیت سے ہندوستان آئے جبکہ تیسرے دور میں شمال کی جانب سے افغان اور ترک مغل مسلمانوں نے فاتح کی حیثیت سے ہندوستان آکر سکونت اختیار کی۔ ان تینوں ادوار میں ہندو مسلم اثر انگیزی اور اثر پذیری کا عمل برابر جاری رہا۔ پہلے دور میں اگرچہ مسلمان تعداد میں کم تھے تاہم انہوں نے سادہ عقائد اور اپنے حسن معاشرت سے ہندو ذہن کو زیادہ متاثر کیا، دوسرے دور میں عرب مسلمان فاتح کی حیثیت سے آئے تھے، اثر انگیزی کا عمل اگرچہ زیادہ تیز نہیں تھا پھر بھی ہندوؤں کی عقائد اور معاشرتی زندگی اسلام سے متاثر ہوئی۔ اس دور تک مسلمانوں کی فکری اور سماجی زندگی پر ہندی اثرات بہت کم مرتب ہوئے تھے۔ تیسرے دور میں جذب و انجذاب کے عمل میں تیزی آئی، مسلمانوں کے افکار و اعمال اور سماجی رسوم میں ہندو عناصر کا اضافہ ہونے لگا، جس کے تین بنیادی عوامل تھے۔[1]

۱. مسلمانوں اور ہندوؤں میں فکری اور سماجی ارتباط: جس کے نتیجے میں مسلمان ہندی فلسفہ اور سماجی نظام کی جانب متوجہ ہوئے، ان کی مذہبی کتابوں کا مطالعہ کیا، ان کے عقائد رسوم و رواج پر اپنی زبان میں کتابیں لکھیں مثلاً البیرونی کی کتاب الہند وغیرہ۔ ساتھ ساتھ ان کی مذہبی کتابوں کا فارسی اور دوسری زبانوں میں ترجمے بھی کئے جن میں داراشکوہ کی اپنشدوں کے فارسی تراجم زیادہ قابل ذکر ہیں۔

۲. فکر و عمل میں پختگی کا فقدان

۳. مسلم سلاطین کی سیاسی اور انتظامی مجبوریاں، جن کی بناء پر ہندوؤں کے سماجی رسوم میں امراء اور حکمران طبقہ کے افراد شرکت کرتے تھے، جس کا منطقی نتیجہ جلال الدین اکبر اعظم کے "دین الٰہی" کی صورت میں برآمد ہوا۔

ثقافتی رسوم میں ہندومت کے اثرات

ثقافتی رسوم:

سماجی اور معاشرتی رسوم و رواج کے دو پہلوؤں پر بحث کی جاسکتی ہے۔ بعض رسوم وہ ہیں جن کا اسلامی تعلیمات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، تمام تر ہندو معاشرے سے ماخوذ ہیں اور ان کو کسی نہ کسی طرح اسلامی شکل دی گئی ہے مثلاً بسم اللہ خوانی کی رسم

---

(۱) تاریخ تمدن ہند، ص:۹۸

جس میں بچے کو پہلے بسم اللہ سکھانے کے موقع پر خصوصی تقریب کا اہتمام کیا جاتا ہے، رقص و سرور کی محفل بھی سجھائی جاتی ہے۔ دوسری قسم وہ اسلامی رسوم ہیں جن میں ہندوانہ رسوم کی آمیزش کی جاتی ہے اور خالص اسلامی رسوم نہیں رہ پاتے ہیں۔ اس دوسری قسم میں کچھ رسوم تو ایسی ہیں جو اسلام کے بنیادی تعلیمات سے متصادم نہیں، جنہیں فقہ کی اصطلاح میں "عرف" کہا جاتا ہے۔ لیکن کچھ رسوم ایسی بھی ہیں جو کہ خالص ہندوانہ پس منظر رکھتی ہیں اور اسلام کے بنیادی نظریات سے متصادم ہوتے ہیں۔ آئندہ سطور میں مسلمانوں کی خوشی و غمی اور موت وپیدائش کی ان رسوم کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

پیدائش کی رسوم:

"اسلام میں پیدائش کی رسومات نومولود کے کان میں آذان دینے، نام رکھنے، تحنیک، عقیقہ اور ختنہ، تک محدود ہیں ان میں کسی بھی رسم کے موقع پر مخصوص تقریب یا محفل وغیرہ کا انعقاد نہیں کیا جاتا، بلکہ سادگی سے تمام رسوم ادا کئے جاتے ہیں۔ برصغیر پاک وہند کے مسلم معاشرے میں پیدائش کے موقع پر مروجہ رسوم کا آغاز ہندوؤں کی طرح استقرار حمل سے ہوتا ہے جن میں اسقاط حمل کے خوف سے تعویذ یا مخصوص دم شدہ دھاگے کا باندھنا، ساتویں مہینے میں "ستواہیں" کی رسم، "ست وانسا" کی رسم، جس میں متعدد کنوؤں کے پانی سات یا نو گھڑے بھر کر حاملہ کو اس سے نہلایا جاتا ہے اور نویں مہینے میں ادا کی جانے والی رسم "نوماسا" قابل ذکر ہیں۔ "ست وانسا سدھر" یعنی سات چیزوں کی رسم کو بھی اہمیت دی جاتی ہے، جو ہندو رسم ہے۔ سدھر سبزیوں اور خشک میووں کی مختلف اقسام پر مشتمل سات اشیاء ہوتی ہیں جو عورت کی جھولی میں جا کر سہ پہر چار بجے ڈال دی جاتی ہیں، تب ایک ناریل جس کو "جھنڈولا" بھی کہا جاتا ہے اور جس کو ہندو مت میں مقدس تصور کیا جاتا ہے، کے دو ٹکڑے کئے جاتے ہیں۔ اگر ناریل کا گودا سفید ہو تو یہ عورت کے ہاں "اجلا پھول" یعنی اولاد نرینہ پیدا ہونے کی علامت و سمجھی جاتی ہے۔ حمل کی ان رسوم میں قدر مشترک ہے یہ کہ حاملہ عورت کو والدین کی طرف سے کھانے پینے کی اشیاء اور نئے کپڑے پہنائے جاتے ہیں۔ تعویذ یا دم شدہ دھاگے باندھنے کی رسم میں دم کرنے والے کو وسائل کے مطابق فیس دی جاتی ہے۔ جس کو "شکرانہ" کہا جاتا ہے۔"[1]

---

(۱) رسوم ہند، ص:۱۶۵

وضع حمل کے وقت کی رسمیں:

"وضع حمل اور پیدائش کی بہت سی رسومات ہندوؤں کے سماجی رسوم سے لی گئی ہیں، مثلاً دردزہ کے موقع پر ہاتھ کی شکل سے مشابہ "بی بی مریم کا پنجہ" نامی پتا پانی کے گھڑے میں ڈال دیا جاتا ہے جس کے بارے میں یقین کیا جاتا ہے کہ اس کے پانی میں گھل جانے سے زچگی میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح کبھی زچگی کے موقع پر زچہ کی کمر سے تعویذ بھی باندھ دیا جاتا ہے، یا پھر اسی کمرے میں زچگی میں سہولت کی خاطر آذان دینے کی رسم بھی پائی جاتی ہے۔ وضع حمل کی یہ رسوم بھی غیر اسلامی اور ہندوؤں سے لی گئی ہیں۔"(۱)

بعد از ولادت کی رسمیں:

نومولود کی ولادت کے ساتھ کچھ دوسری رسوم اور ٹوٹکے بھی پائے جاتے ہیں جس سے توہماتی سوچ کی عکاسی ہوتی ہے۔ مثلاً ولادت کے دوران جس بچے کے پاؤں پہلے آجاتے ہیں اس کو "پائیل" کہتے ہیں۔ پائیل کے بارے میں یقین کیا جاتا ہے اس کی چند مرتبہ ٹانگیں چلانے سے کمر کا درد دور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ولادت کے دن ہی سے ماں کے سر کے نزدیک ایک چاقو، تلوار یا لوہے کا ایک ٹکڑا رکھا جاتا ہے تاکہ بلائیں قریب نہ آئیں۔ جبکہ مسلمانوں کے کئی علاقوں میں یہ رسم بھی پائی جاتی ہے کہ چاقو یا تیز دار آلہ کے ساتھ کاغذ پر نظر بد اور جنات وغیرہ سے بچانے کے لئے دعائیں لکھ کر ماں کے سر کے قریب اویزاں کی جاتی ہیں۔ نظر بد اور جنات کے سایہ پڑنے سے بچانے کے لئے ایک رسم یہ بھی ہے کہ پیدائش کے بعد بچے کے گلے یا پاؤں میں مخصوص دھاگا باندھ لیا جاتا ہے۔(۲)

نام رکھنے کی رسمیں:

"اس کے علاوہ نام رکھنے کی کئی ہندوانہ رسومات کو اسلامی شکل دی گئی ہے مثلاً اسلام میں بچے کی پیدائش کے ساتویں دن تک نام رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے تاہم اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے دور میں کسی بھی مخصوص تقریب کا سراغ نہیں ملتا۔ برصغیر پاک وہند کے مسلم معاشرے یہ دستور ہے کہ نام رکھنے کی رسم سے قبل پہلے ماں کو اچھی خوراک نہیں دی جاتی ہے۔ نام رکھنے کی رسم کے دوران مٹھائی وغیرہ پر سورۃ دم کر

---

(۱) ہندو عبادات کی اصلیت، منشی رام پرشاد، تاریخ ن۔ د، دہلی، ص:۲۰۳

(۲) مسلمانوں میں ہندوانہ رسوم ورواج، محمد بن عبد السلام، دار السلام پبلیشرز، ص:۳۵

کے بچے کی ماں اور دوسرے لوگوں کو کھلائی جاتی ہے، موسیقی کے ساتھ گانے گائے جاتے ہیں۔ نام بھی بچہ کی پیدائش کے دن اور سیاروں کی مناسبت سے رکھے جاتے ہیں۔ قرآن مجید سے فال نکال رکھنے کی رسم بھی پائی جاتی ہے مثلاً قرآن کا کوئی بھی صفحہ کھول کر حروف تہجی کی مناسبت سے نام رکھا جاتا ہے۔"(۱)

بودی شنکھا سے مشابہت:

"عقیقہ میں سر کے تمام بالوں کو منڈوانے کی بجائے کسی پیر فقیر یا کسی بزرگ کے نام پر بالوں کی لٹ "جمال چونٹی" چھوڑ دینے کا رواج بھی بعض علاقوں میں پایا جاتا ہے۔"(۲)

جو ہندوؤں کی بودی یا شنکھا سے مشابہت رکھتا ہے۔ نومولود کی پہلی بار جھولے بار میں ڈالنے کی رسم بھی ادا کی جاتی ہے۔ اس موقع پر جھولے کے پائیدان کو صندل اور سرخ دھاگوں سے آراستہ کیا جاتا ہے، مختلف قسم کے کھانے پکائے جاتے ہیں، بچے کو جھولے میں ڈالتے وقت روایتی گیت گائے جاتے ہیں۔ پیدائش کی چار مہینے کے بعد "لڈو بانٹنے" کی رسم ہندوؤں کی "نش کرمن" رسم سے مشابہ ہے۔ لڈو بانٹنے کی رسم میں لڈو تیار کر کے ان پر فاتحہ پڑھ تر تقسیم کئے جاتے ہیں۔ ساتویں مہینے میں پھر پلاؤ اور کھیر پکا کر اس پر فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ قریبی رشتہ داروں کو دعوت دی جاتی ہے، ڈھولک بجائی جاتی ہے، گیت گائے جاتے ہیں۔ اس طرح بچے کے دانت نکل آنے پر بھی تقریب کا اہتمام کیا جاتا ہے، جس میں کھانے کے مختلف اشیاء پر فاتحہ پڑھ کر دوستوں اور رشتہ داروں میں تقسیم کی جاتی ہے۔ یہ اور اس جیسی دیگر رسمیں یا رواجی چیزیں اصلاً اسلامی تہذیب کا حصہ نہیں تھیں بلکہ یہ ہندوؤں کے ساتھ رہن سہن کے تمدنی دور نے مسلمانوں کی عملی تہذیب کا ایسا حصہ بنا دیں کہ اب ان کے بغیر کسی خاص موقع کا تصور بھی محال ہے۔

سالگرہ کی رسم:

"سالگرہ منانے کی رسم بھی ہندوؤں سے لی گئی ہے۔ اسلام کی سادہ تعلیمات میں اس قسم کی رسومات نہیں ہیں۔ زیادہ تر زور بچے کی تعلیم و تربیت اور جسمانی نشو نما پر دیا جاتا ہے، رسوم اور تقاریب کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند کے مسلم معاشرے میں بچے کی پہلی سالگرہ پر خصوصی تقریب کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں پلاؤ اور دیگر کھانے پکائے جاتے ہیں، نبی کریم ﷺ یا نوح علیہ السلام کے نام پر فاتحہ پڑھی جاتی

---

(۱) تقابل ادیان و جائزہ، ص:۱۷۸

(۲) اسلام کا انجام بدست صوفیاء، ص:۵۵

ہے۔نوح علیہ السلام کے نام فاتحہ پڑھنے کی وجہ نوح علیہ السلام کی طویل عمر بتائی جاتی ہے اس لئے بچے کی سالگرہ کے موقع پر نوح علیہ السلام کے نام پر فاتحہ پڑھی جاتی ہے تاکہ بچہ طویل عمر پائے۔"(۱)

ختنے کے وقت کی خرافات:

ختنہ خالص اسلامی رسم اور سنت ابراہیم علیہ السلام ہے۔چونکہ ہندومت میں ختنہ نہیں ہے اس لئے اگرچہ ہندوؤں کی کوئی رسم اس سے مماثلت نہیں رکھتی تاہم برصغیر پاک وہند کے مسلم معاشرے میں یہ رسم جس طریقے سے ادا کی جاتی ہے اس میں غیر اسلامی طرز ضرور اپنایا جاتا ہے۔مثلاً امیر گھرانوں میں یہ رواج کہ ختنہ ایک بچے کا نہیں کرایا جاتا بلکہ اس کے ساتھ دوسرے بچوں، خاص طور پر پسماندہ گھرانے کے بچوں کا بھی ختنہ کرایا جاتا ہے۔یہاں تک کہ اگر کوئی بچہ ختنے کے لئے نہ ملے تو مٹی کا پتلا بنا کر یا کسی برتن میں پان کا بیڑا رکھ لیا جاتا ہے۔بچے کے ختنے کے دوران مٹی کے پتلے کا علامتی ختنہ کرایا جاتا ہے یا برتن سے پان کا بیڑا اٹھا لیا جاتا ہے۔اس کو نیک شگون جبکہ اکیلے بچے کی ختنہ کرانے کو بدشگون تصور کیا جاتا ہے۔(۲)

متفرق رسمیں:

"اس کے علاوہ کئی اور رسومات، مثلاً ماں کو "تارے دکھانا" اور "مرگ مارنا" وغیرہ بھی امیر طبقے میں پائی جاتی ہیں جو دراصل مغل حکمرانوں کی رسومات ہیں۔اول الذکر میں چھٹی کی رات زچہ بچہ کو نئے کپڑے پہنا کر، ماں گھر کے صحن میں ایک سٹول پر بیٹھتی ہے، دو عورتیں اپنے ہاتھوں میں ننگی تلواروں کی نوکوں کو ملا کر ہلال بناتی ہیں تاکہ زچہ بچہ پر جنات اور پریوں کا سایہ نہ پڑ جائے۔اس وقت ماں سر پر قرآن رکھ کر سٹول پر کھڑی ہو جاتی ہے اور بچے کو بانہوں میں اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتی ہے اور سات ستارے گنتی ہے۔اس رسم کی ادائیگی کے بعد خیال کیا جاتا ہے کہ اس دن کے بعد آسیب اور بھوت پریت کا خطرہ ختم ہو جاتا ہے۔اسی دوران بچے کا باپ اپنی بیوی کے بستر پر کھڑے ہو کر بہ آواز بلند بسم اللہ پڑھتا ہے اور چھت کی طرف ایک تیر چلاتا ہے، گویا اس سے جنات اور بھوت پریت کو مار بھگاتا ہے۔تیر چلانے کی اس رسم کو "مرگ مارنے" کی رسم کہا جاتا ہے۔یہ

---

(۱)الہنود، مرزا کاظم برلاس، مرادآباد، طبع اول، ۱۹۶۷ء، ص:۳۵۵

(۲)رسومات مسلم مشابہ ہندومت، ص:۴۵

رسم بھی وہم پرستی پر مبنی اور صبائیت یعنی ستارہ پرستی کی یادگار ہے۔"[1]

شادی کی رسوم:

پیدائش کی رسومات کی طرح شادی کے رسوم ورواج بھی زیادہ تر ہندوؤں سے لئے گئے ہیں، جن میں منگنی سے لے کر شادی کے زیادہ تر رسوم شامل ہیں۔ برصغیر ہندوپاک کے مسلم معاشرے میں شادی کی مروجہ رسوم میں وٹہ سٹہ کی رسم ہندومت سے ماخوذ ہے۔ جیسا کہ ہندوؤں میں دستور ہے کہ دو یا زائد خاندان آپس میں بیٹوں کا تبادلہ کرتے ہیں، جن کی بالعموم تین صورتیں، آہمو سامنا، تریخ تہرالین دین اور چوبنج ہیں۔ وٹہ سٹہ کی تمام صورتوں میں، ہندو رسوم کے مطابق، متعلقہ دھڑے بیک وقت مقررہ دن کو ملتے ہیں اور آپس میں لڑکیوں کا تبادلہ کر دیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس قسم کے نکاح سے منع فرمایا ہے جس میں دو افراد یا خاندان اپنی بیٹیوں کا تبادلہ کرتے ہیں اور حق مہر مقرر نہیں کرتے جسے اصطلاح میں نکاح "شغار" کہا جاتا ہے۔ مسلم معاشرے میں رائج وٹہ سٹہ کی شادی ممنوعہ نکاح شغار سے قریبی مماثلت کی حامل ہے۔

"کم سنی میں منگنی اور شادی کے ساتھ ساتھ قبل از پیدائش منگنی کا رواج بھی ہے جسے "ٹھیکری کی مانگ" کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ توقع کے مطابق لڑکی کی پیدائش پر لڑکے کی ماں اسے نہلانے کے بعد پانی میں کچھ رقم ڈال دیتی ہے یا پھر گھٹی میں شکر ملا کر دیتی ہے یا پھر گھٹی میں شکر ملا کر دیتی ہے اس طرح منگنی قرار پاتی ہے۔ شادی سے پہلے منگنی کی رسوم، جو ہندوؤں سے لئے گئے ہیں، میں پان بانٹنا، شکرانہ، پوڑیاں اور نمک چشی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ کھرے پان بانٹنے کی رسم میں دلہے کی طرف سے چار پانچ مرد اور کچھ عورتیں پان سپاری لے کر جاتے ہیں، وہاں "پان کا بیڑا اٹھانا" کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ یاد رہے کہ ہندوؤں میں جب کوئی کسی کام کی ذمہ داری لیتا ہے تب وہ پان کا بیڑا اٹھا لیتا ہے جبکہ یہاں کے مسلمانوں میں یہ قرآن پر حلف لینے کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ منگنی میں پان کا بیڑا اٹھانا مرد کا عورت کی ذمہ داری قبول کرنے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ اردو زبان میں "بیڑا اٹھانا" کا محاورہ بھی اس سے لیا گیا ہے۔ شکرانہ کی رسم میں دلہا کے گھر والے مقررہ دن پر زیورات، انگوٹھی، چوڑیاں، کپڑے اور دوسری استعمال کی چیزیں ڈھول باجے کے ساتھ لے جاتے ہیں، دلہن کے گھر والے ان کو "قول بیڑا" جس میں پان اور دوسری چیزیں ہوتی ہیں، دیتے ہیں دعائے خیر کی جاتی

---

(۱) تحفۃ الہند، ص ۲۷۷

ہے، کھانے کی اشیاء پر فاتحہ پڑھ کر تقسیم کی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ مہندی کے رسوم میں کافی تنوع پایا جاتا ہے مختلف علاقوں میں اس کے مختلف رواج ہیں، جن میں وقت اور پیسے کا بہت زیادہ ضیاع ہو جاتا ہے، جن کا اسلامی تعلیمات سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ مہندی یا حنابندی کی رسم نہ صرف برصغیر ہندوپاک بلکہ عرب ممالک میں بھی پائی جاتی ہے مصر میں مہندی لگانے کی رات کو لیلۃ الحنا کہا جاتا ہے۔"[1]

موت کی رسمیں:

"مسلمانوں اور ہندوؤں کے موت کی رسومات میں اگرچہ بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے، جیسے تکفین و تدفین وغیرہ، تاہم مسلمانوں میں دوسری رسوم اسقاط، تیسرا دن، ساتواں دن، چہلم یا چالیسواں دن اور برسی وغیرہ ہندوؤں سے زیادہ مشابہہ ہیں۔ حیلہ اسقاط کی رسم جنازے کے بعد تدفین سے پہلے ادا کی جاتی ہے، جس میں ائمہ کرام دائرے میں بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک تھال میں قرآن مجید، گندم اور نقدی رکھ کر باری باری ایک دوسرے کو "قبلت وھبت لک" کے ساتھ دیتے ہیں اسی سات چکر پورے ہونے پر مخصوص رقم جنازے میں شریک افراد میں تقسیم کی جاتی ہے۔ تدفین کے بعد قبر پر پانی کا چھڑکاؤ کر کے کھجور یا کسی درخت کی سبز ٹہنی رکھ دی جاتی ہے۔"[2]

---

(۱) اسلام اور مذاہبِ عالم، محمد مظہر الدین صدیقی، ۲۰۱۴ء، ص:۱۹

(۲) یہ روایت جس میں ٹہنی کے متعلق ذکر ہے، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ دو قبروں پر گزرے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں قبر والوں کو عذاب دیا جارہا ہے اور کسی بڑے گناہ پر نہیں۔ ایک تو ان میں سے پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کیا کرتا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہری ٹہنی لے کر بیچ سے اس کے دو ٹکڑے کئے اور ہر ایک قبر پر ایک ٹکڑا گاڑ دیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ نے (ایسا) کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا، شاید جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوں ان پر عذاب میں کچھ تخفیف رہے۔ (صحیح البخاري ۲۱۸، صحیح مسلم ۲۹۲، باب الدلیل علی نجاسۃ البول، وسنن ابي داود ۲۰) اس حدیث شریف سے تو اتنا ثابت ہوتا ہے کہ جن مردوں کے متعلق معلوم ہو جائے کہ انہیں عذاب ہو رہا ہے ان کی قبروں پر سبز درخت کی شاخیں گاڑ دی جائیں۔ مشہور حنفی محدث علامہ بدرالدین عینیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ) شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ علماء کا کہنا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا یہ عمل مبارک اس بات پر محمول ہے کہ آپ ﷺ نے عذاب میں مبتلا ان دونوں افراد کیلئے دعاء و شفاعت فرمائی تو آپ کی شفاعت ان ٹہنیوں کے تر رہنے تک کیلئے قبول ہوئی اسلئے آپ ﷺ نے یہ ٹہنیاں قبروں پر لگائیں، اور ان ٹہنیوں کے گاڑنے کا ایک احتمال یہ بھی بتایا ہے کہ ان کے تر رہنے کی مدت میں نبی اکرم ﷺ نے ان کے دعاء کی ہو، جس سے ان پر سے اس وقت کیلئے عذاب میں تخفیف کی گئی ہو، اور یہ تر ٹہنیاں لگانے کا یہ احتمال بھی بتایا گیا ہے کہ خشک ہونے تک وہ ٹہنیاں اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔ نیز شارح مشکوۃ، امام الطیبیؒ فرماتے ہیں کہ نبی مکرم ﷺ کا دو قبروں پر دو شاخیں لگانے کا یہ عمل مبارک اس بات پر محمول ہے کہ آپ ﷺ نے =

بعض علاقوں میں دستور ہے کہ تدفین کے بعد واپسی پر قبر سے چالیس قدم کے فاصلے پر میت کے حق میں فاتحہ پڑھی جاتی ہے، جس کو "دائرہ کی فاتحہ" کہتے ہیں۔اس کے بعد استطاعت کے مطابق گندم، چاول، نمک، روٹی مرنے کے نام ضرورت مندوں اور فقیروں میں خیرات کی جاتی ہے، نیت خیر کی فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ تدفین کے تیسرے دن قبر پر پھول چڑھانے کی رسم ادا کی جاتی ہے جس میں میت کے لواحقین کھانے کی اشیاء مثلاً موسمی پھل، پان، سپاری، نان، حلوہ وغیرہ اور پھولوں کی چادر لے جاتے ہیں جہاں کھانے کی اشیاء تو تقسیم کی جاتی ہیں جبکہ پھولوں کی چادر قبر پر چڑھائی جاتی ہے۔اسی دن کسی مدرسہ کے طلباء اور مساجد کے ائمہ جمع کئے جاتے ہیں جو قبر کے قریب بیٹھ کر قرآن خوانی کرتے ہیں، قبر پر خوشبو کے لئے عود اور لوبان یا اگر بتی وغیرہ جلاتے ہیں۔ دسویں دن کو "زیارت کا دسواں" کہا جاتا ہے جس میں دوپہر کو نان حلوہ، یا حلوہ چپاتی تیار کر کے، اس پر فاتحہ پڑھ کر پڑوسیوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، جبکہ اس سے پہلے میت کے گھر میں کسی قسم کا کھانا نہیں کھایا جاتا اور نہ ہی گھر والے گوشت یا پر لطف غذا استعمال کرتے ہیں۔ شام کو پلاؤ اور دوسرے کھانے وغیرہ پکا کر پڑوسیوں اور حاجت مندوں اور فقیروں میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔اس طرح تیرھویں اور بیسویں دن پر بھی کھانے پکا کر خیرات کی جاتی ہے۔ تدفین کے چالیس دن پورے ہونے پر "چہلم" منائی جاتی ہے جس کے بارے میں بعض توہم پرست لوگوں کا عقیدہ ہے کہ میت کی روح چالیس دن تک اس گھر میں موجود ہوتی ہے یا پھر یہ کہ چالیسویں دن اسی گھر میں واپس آجاتی ہے۔ بعد میں تیسرے، چھٹے نویں اور سال پورا ہونے پر میت کے نام پر فاتحہ خوانی کی جاتی ہے، خیرات کی جاتی ہے۔ پھر ہر سال برسی منائی جاتی ہے جس میں مختلف قسم کے کھانے پکائے جاتے ہیں۔ ساتھ ساتھ مخصوص موقعوں مثلاً محرم الحرام کے دسویں دن اور عیدین پر میت کی ایصال ثواب کے لئے قبر پر فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔[1]

تجزیہ:

ہندومت سے اختلاط کے نتیجے میں اسلامی ثقافت پر بھی گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ یہ ایک بدیہی بات ہے اقوام کا طرز

= عذاب میں مبتلا ان دونوں افراد کیلئے دعاء وشفاعت فرمائی، تو آپ کی شفاعت ان ٹہنیوں کے تر رہنے تک کیلئے قبول ہوئی، اور امام مسلمؒ نے اپنی کتاب صحیح مسلم کے آخر میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث نقل فرمائی ہے، جس میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إني مررت بقبرين يعذبان فاحببت بشفاعتي ان يرفه عنهما ما دام الغصنان رطبين)) میں دو ایسی قبروں کے پاس سے گزرا، جن (کے مردوں) کو عذاب دیا جارہا تھا۔ میں نے اپنی شفاعت کی وجہ سے چاہا کہ یہ عذاب ان سے ہلکا ہو جائے، جب تک دونوں ٹہنیاں تر رہیں۔ صحیح مسلم، ح:۷۵۱۸ لہذا اس حدیث سے التزام وسنت کا قول کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ معاملہ بطور وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادیا گیا تھا بعد ازاں کسی اور کے حق میں یہ لزوم کی دلیل نہیں بن سکتی ہے۔

(۱) تحفۃ الہند، ص:۳۶۷

زندگی دوسری قوموں پر اثر ڈالتا ہے اور معاشرہ ان رسوم ورواج سے متاثر ہوتا ہے جو اس کے لئے نئے اور ایسے اصولوں پر وضع ہوں جو اس کے ہاں قابل قبول نہ ہوں۔ ہندومت کی رسمیں، ثقافت، اور معاشرتی رواجات، مسلم دنیا کے لئے کسی صورت قابلِ قبول نہیں تھے لیکن ایک عرصہ اکٹھا رہنے کی وجہ سے مسلمانوں نے ان رسوم کو اپنے ہاں جگہ دینی شروع کی جو رفتہ رفتہ مسلم معاشرے ہی کا جز سمجھا جانے لگا حالانکہ حقیقیت اس کے برعکس تھی۔ شادیوں کی رسمیں ہوں، یا سالگرہ کے عنوان سے، مایوں کا رواج ہو یا بچہ کے نام رکھنے سے لے کر باقی رسوم، مردہ کو ایصال ثواب کا مرحلہ ہو یا، تیجہ، چالیسواں، ساتا، ہندوؤں کے ہاں جس طرح ان دنوں میں مردے کو بخشش کے سامان کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور اس کی نجات کا سبب یہی ایام ہیں ایسے ہی مسلمان بھی ان کو لازم سمجھ کر کرنا شروع ہو گئے ہیں۔ الغرض عبادات کی مانند ثقافت میں تنوع اور مشابہت کے بھی وہی اسباب ہیں جو عقائد اور عبادات میں تھے۔

باب چہارم

اسلامی تصوف پر ہندو مت کے اثرات کے اسباب، نتائج اور ان کا تدارک

فصل اول:

اسلامی تصوف پر ہندو مت کے اثرات کے اسباب

فصل دوم:

اسلامی تصوف پر ہندو مت کے اثرات کے نتائج

فصل سوم:

اسلامی تصوف پر ہندو مت کے اثرات کا تدارک

فصل اول: اسلامی تصوف پر ہندومت کے اثرات کے اسباب

پہلا سبب: شخصیت پرستی:

تصوف کی اسلامی روح پر ہندومت یا دیگر اقوام کی رسوم اور ان کے رواجات اور تعلیمات کی چھاپ کی دیگر وجوہات میں سے اہم وجہ شخصیت پرستی ہے۔ ہر مذہب کے پیامبر اور اس کو عام کرنے والے اشخاص عام انسانوں کی ہی کی طرح ہوتے ہیں اور ان میں اور دیگر افراد میں فرق دینی بنیادی تعلیمات کا ہوتا ہے جو ان کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہیں لیکن بسا اوقات یہ مذہبی شخصیات اپنے مقام و مرتبہ کا فائدہ اس انداز سے اُٹھاتی ہیں کہ وہ بنیادی احکامات جو کسی مذہب کا خاصہ ہوتے ہیں یہ ان سے بھی انحراف کرتے ہیں اور عوام کالانعام چونکہ ان کی شخصیت کے سحر میں گرفتار ہوتے ہیں لہذا وہ ان کے جھوٹ کو سچ سمجھ کر من و عن قبول کرتے ہیں جس سے جہالت و پسماندگی کے دروازے کھلتے ہیں۔

تصوف میں دیگر اقوام سے تاثر لینے میں بھی یہی اصول کار فرما تھا وہ لوگ جو تصوف کی ابجد سے بھی ناوقف تھے ان کے ہاتھ میں جب تصوف کی باگ ڈور آئی تو انھوں نے ہر غیر شرعی کام کی کسی تاویل کے تحت داخل کر کے حیثیت جائز کر ڈالی چونکہ عوام پہلے سے ان کی مقلد تھی سو قبول کے سوا کوئی چارہ نہ تھا جبکہ اسلامی تعلیمات ایسی شخصیت پرستی کی نفی کرتی ہیں۔ انسان کی فطرت یہ ہے کہ جب وہ کسی شخصیت کو اپنا دینی مقصود بنالیتا ہے تو بنا تحقیق اس کی ہر بات کو قبول کرلیتا ہے جس کی بدولت آہستہ آہستہ وہ خدا پرستی سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے شخصیت پرستی کے خاتمے پر زور دیا اور اس قدر دیا کے کسی اور الہامی کتاب نے اتنا زور نہیں دیا اور اتنی تردید نہیں کی کیونکہ یہاں سے ہی ایسے انسان میں الوہیت کا تصور بنالیا جاتا ہے جس کی مثالیں تجسیم ،حلول، یا اوتار، کے عقیدوں میں ملتی ہیں۔ اور مسلمانوں میں وحدت الوجود اسی کی نظیر ہے جو مختلف دلائل سے پیش کیا جاتا ہے الغرض شخصیت پرستی بھی ایک بنیادی سبب ہے۔[1]

دوسرا سبب: بنیادی مصادر و نصوص سے عدم واقفیت:

تصوف کی عملی شکل کو بگاڑنے اور ایک نئی تصویر کی تشکیل میں بہت سے عوامل کار فرما تھے جن میں سے ایک اہم عمل اور سبب مسلمانوں کا اپنی بنیادی تعلیمات سے جاہل ہونا ہے۔ یہ ایک ایسا بنیادی اور اہم سبب ہے کہ دیگر تمامی اسباب جنہوں نے تصوف

---

(۱) اہلِ تصوف کی کارستانیاں، شیخ عبد الرحمن کویتی، ص: ۴۲

پر ہندومت یا دیگر اقوام کا اثر ڈالا وہ اس سے کم ہیں۔ اس سبب کی بدولت تصوف کو بہت نقصان پہنچا وہ تصوف جو کسی زمانے میں اصلاح و تزکیہ کی علامت سمجھا جاتا تھا مسلمانوں کی اپنی بنیادی تعلیمات سے جہالت نے اسے ہندوؤں کی رسم رواج کا مرقع و مجموعہ بنا دیا ہندوؤں کی معیت میں رہنے کی وجہ سے وہاں کی مذہبی برادری نے جو تصوف کے متعلق کہا سننے والوں نے بنا چھان پھٹک کے اسے قبول کیا چونکہ وہ خود بنیادی تعلیم سے بھی جاہل تھے۔ لہذا رفتہ رفتہ توحید کی جگہ لاشعوری طور پر شرک نے لے لی، سنت کی عملی تعلیمات کی جگہ ہندوانہ رسم ورواج معاشرے میں پنپنے لگے اور ان پر عمل ہونے لگا۔ قرآنی تعلیمات کی جگہ صوفیا کے من گھڑت قصے اور ان کی بے سروپا کرامتیں بیان کی جانے لگیں جو اب تک جاری و ساری ہیں۔ ان تمام کے معاشرے میں در آنے کی ایک ہی بنیادی وجہ ہے کہ خود مسلمان اپنی بنیادی تعلیمات سے جاہل ہیں۔ اور یہی جہالت موقع فراہم کرتی ہے غیر اسلامی رواجات کی آمیزش کا جو بعد ازاں دین کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔

تیسرا سبب: فرق باطلہ کا اسلامی لبادہ اوڑھنا :

تصوف جو کہ تزکیہ نفس کے لئے وضع تھا اور اس کا اولین مقصد اللہ تعالیٰ کی فرض او پسندیدگی کے مطابق تمام افعال سرانجام دینے کا نام تھا اور جو اس کی حقیقت سے آشنا ہیں وہ آج بھی انہی اصولوں پر عمل پیرا ہیں لیکن تصوف کو اس کی حقیقی و عملی صورت سے دور کرنے میں جہاں اور بہت سے اسباب ہیں وہیں ایک اہم اور بڑا سبب ایسے لوگوں کا تصوف کے لبادے میں خود کو صوفی اور مسلمان ظاہر کر کے اس طور پے اس طبقے میں شامل ہوگئے کہ ان کی پہچان نہ ہو سکی۔ ان لوگوں نے اسلامی تعلیمات کے برعکس مختلف رسوم ورواج کو رائج کیا اور اس پر عمل کی مختلف فضیلتیں گھڑ لیں جوگیوں اور سنیاسیوں کی اہمیت ان کے منتروں کو مقدس اور ان کی دیگر جاہلانہ ترتیب زندگی کو مستحسن بنا کر مسلمانوں کی اس گروہ میں پیش کیا جس کی بدولت بہت جلد اصل تصوف ایک طرف رہا اور یہ بدعمل لوگوں کی جاہل تعلیمات پر مبنی تصوف عام ہونا شروع ہو گیا تھا۔ برصغیر پاک و ہند میں یہ سبب پھیلنے کی بڑی وجہ وہ پرانی ترتیب تھی جس کے متعلق پروفیسر سلیم یوسف چشتی لکھتے ہیں:

> "صوفیا اپنے آپ کو اہل سنت کا سچا محافظ کہتے تھے۔ لیکن ایران اور دیگر علاقوں میں یہ لقب ان لوگوں نے بھی اختیار کیا ہوا تھا جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ان کے عقائد اسلام سے اس قدر مخالف تھے کہ اگر رسول اللہ کے دور میں ہوتے تو آپ ﷺ انھیں جہنمی قرار دے دیتے۔ ان کو یہ تعلیم دی جاتی کہ جب وہ مسلمانوں میں ہوں تو اپنے آپ کو صوفی مسلمان ظاہر کریں۔ ان لوگوں کی بدولت تصوف اطراف واکناف میں تو پھیلا لیکن

اس خدمت کے معاوضے میں انھوں نے تصوف میں ایسے غیر اسلامی نظریات داخل کر دیئے جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں تھا۔"[۱]

اسی نوعیت کی ایک اور گواہی ایسی بھی ملتی ہے جسے ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ جس میں اس گروہ نے اپنے پھیلاؤ سے ہندومت کو بھی متاثر کیا اور طریقہ یہی رکھا کہ ان کو بتلایا کہ ان کے مذہب کی بنیادیں بھی ان سے ملتی ہیں جس کی بدولت بہت سے ہندو ان سے متاثر ہوئے اور بعد ازاں ان ہی کی تعلیمات کا پرچار کرتے ہوئے نئے تصوف کے بانی مبانی ٹھہرے جس کی حقیقت کو ای کر مسکی نے ارتقا تصوف میں یوں نقل کیا ہے:

اسماعیلی دعاۃ[۲] نے جو پندرہویں صدی میں ہندوستان میں آئے تھے صوفیوں کا طریقہ اختیار کیا اور اسے کہا کہ حضرت علی وشنو کے دسویں اوتار تھے۔ چنانچہ پیر صدرالدین[۳] نے اسی چالبازی اور حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے بہت سے ہندوؤں کو اپنے مذہب کا پیروکار بنالیا تھا۔[۴]

---

(۱) اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، ص:۳۹

(۲) اسماعیلی دعاۃ، سے مراد وہ بنیادی لوگ جو ابتداء ہندوستان، سندھ، بمبئی، گجرات، میں تصوف کے نام پر فرقہ اسماعیلیہ کے داعی اور پیامبر بن کر پھیل گئے اور لوگوں کے جہالت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے انھیں اپنے حلقہ احباب میں شامل کرتے چلے گئے۔

(۳) پیر صدرالدین، یہ اسماعیلی سلسلے کے بزرگ ہیں جو اپنے پیر، شمس ملتانی کے ہمراہ ہندوستان آئے۔ ان کی کاوشوں میں اپنے سلسلے کو آگے بڑھانے اور سادہ لوح مسلمانوں کو تصوف وصوفیاء کی تعلیمات کی طرف متوجہ کر کے ان میں اسماعیلی عقائد جن میں صحابہ کرام، پر تبرا وسب وشتم، شامل ہے کی دعوت دی جاتی تھی۔ ان کے ساتھ ان کے دوسرے ساتھی امام الدین بھی آئے جنھوں نے پیر صدرالدین کے ساتھ مل کر گجرات سے اپنی دعوت کا آغاز کیا اور یوں تصوف کے پر اصلاح نام کے نیچے لوگ بنیادی عقائد سے بھی ہاتھ دھونے لگے۔ (تذکرہ اولیائے ملتان، امتیاز حسین شاہ، ملتان، ص:۸۵)

(۴) مجلہ اسلامک کوارٹرلی، ای کر مسکی، ج۶، شمارہ ۳، ۴ جولائی ۱۹۶۱ء بحوالہ تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، پروفیسر سلیم یوسف چشتی، ص:۲۸،۲۹

ان دو مثالوں سے بخوبی یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں میں ہندو مت اور دیگر قوموں کی تعلیمات کے اثرات جن اسباب سے پھیلے ان میں یہ بھی اہم سبب تھا کہ بہروپیوں کی ایک جماعت جو کہ تصوف کا نام لیکر در حقیقت ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھ رہی تھی اور جہلاء نے ان کی اس تعلیم کو من و عن قبول کیا جس کی وجہ سے ایسی بہت سی چیزیں اسلام کا حصہ بنادی گئیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ نیز صرف اسلام ہی متاثر نہیں ہوا مسلمان ہی نہیں بلکہ موخر الذکر مثال میں ہندو جو کہ اپنے دین کے مصادر سے جاہل تھے وہ بھی پیر صدرالدین کی چالبازیوں کا شکار بن گئے اور بعد ازاں وہ تصوف کے علمبر دار بن گئے۔ جبکہ اصلاوہ اپنے ہی مذہب کی تعلیمات سے ناواقف تھے۔

چوتھا سبب: بزرگوں کے لئے مافوق الفطرت اختیارات تسلیم کرنا:

جس طرح مسلمانوں کے غوث، قطب، نجیب، ابدال، ولی، فقیر اور درویش وغیرہ مختلف مراتب اور مناصب کے بزرگ سمجھے جاتے ہیں جنہیں مافوق الفطر قوت اور اختیارات حاصل ہوتے ہیں اسی طرح ہندوؤں میں رشی، منی، مہاتما، اوتار، سادھو، سنت، سنیاسی، یوگی، شاستری اور چتھر ویدی وغیرہ مختلف مراتب اور مناصب کے بزرگ سمجھے جاتے ہیں جنہیں مافوق الفطرت قوت اور اختیارات حاصل ہوتے ہیں ہندوؤں کی مقدس کتابوں کے مطابق یہ بزرگ ماضی حال اور مستقبل کو دیکھ سکتے ہیں' جنت میں دوڑتے ہوئے جاسکتے ہیں۔ دیوتاؤں کے دربار میں ان کا استقبال کیا جاتا ہے۔

منی وہ مقدس انسان ہیں جو کوئی کپڑا نہیں پہنتے، ہوا کو بطور لباس استعمال کرتے ہیں، جن کی غذا ان کی خاموشی ہے، وہ ہوا میں اڑ سکتے ہیں اور پرندوں سے اوپر جاسکتے ہیں یہ منی تمام انسانوں کے اندر پوشیدہ خیالوں کو جانتے ہیں کیونکہ انہوں نے وہ شراب پی ہوئی ہے جو عام انسانوں کے لئے زہر ہے۔ (بحوالہ سابق) شیوجی کے بیٹے لارڈ گنیش کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وہ کسی بھی مشکل کو آسان کرسکتے ہیں اگر چاہیں تو کسی کے لئے بھی مشکل پیدا کرسکتے ہیں اس لئے بچہ جب پڑھنے کی عمر کو پہنچتا ہے تو سب سے پہلے اسے گنیش کو پوجنا ہی سکھایا جاتا ہے۔[1]

پانچواں سبب: کرامات کا بے ہنگم پھیلاؤ:

انسانی فطرت میں عجوبہ پسندی کا رجحان شروع سے ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خرق عادت واقعات کی طرف متوجہ ہونا قدرتی امر ٹھہرا یہ ابھی کی بات نہیں قبل از اسلام بھی خوارق عادت کاموں سے لوگوں کو مرغوب کرنے کا عمل جاری وساری تھا بعد از اسلام

---

(۱) مقدمہ ارتھ شاستر، ص:۹۹-۱۰۰

خانقاہی نظام نے اس کو مزید بڑھایا اور لوگوں کو متاثر کیا اور اب جس دور میں ہم ہیں اب تو کرامات کا ایک بازار گرم ہے جو ایک تواتر کے ساتھ بالیقین بیان کی جاتی ہیں۔ یہ بھی ایک بڑا سبب تھا جس نے تصوف پر گہرا اثر ڈالا۔ کرامت کا فی نفسہ کوئی انکار نہیں لیکن برصغیر میں ہندوؤں کی دیکھا دیکھی اور سن سن کر کمزور مسلمانوں اور جاہل صوفیوں نے بھی بہت سی کرامات گھڑیں جن کو بار بار بیان کیا جاتا رہا تاوقتیکہ یقینی کیفیت حاصل نہ ہو جائے۔ ملاحظہ کریں:

"ابراھیم بن ادھم (۱) اپنی انگلی کے اشارے سے پہاڑ کو ہلا دیتے۔"

"قاضی نجم الدین ایک دیوار پر بیٹھے تو وہ شیر بن گئی۔"

شیخ قطب الدین نے خواب میں جلال الدین تبریزیزی کو عرش کے اوپر مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ (۲)

اس طرح کی بہت سی کرامات برصغیر کے دور کی ملتی ہیں جو ہندوؤں کے مقابلے میں گھڑی گئیں جن سے تصوف کی روح کو نقصان پہنچا۔

"ہندوؤں کی مقدس کتب میں اپنے بزرگوں سے منسوب بہت سی کرامات کا تذکرہ ملتا ہے ہم یہاں دو چار مثالوں پر ہی اکتفا کریں گے۔ ہندوؤں کی مذہبی کتاب رامائن میں رام اور راون کا طویل قصہ دیا گیا ہے کہ رام (۳) اپنی بیوی سیتا کے ساتھ جنگلات میں زندگی بسر کر رہا تھا لنکا کا راجہ راون اس کی بیوی کو اغوا کر کے لے گیا رام نے ہنومان (بندروں کے شہنشاہ) کی مدد سے خونی جنگ کے بعد اپنی بیوی واپس حاصل کر لی لیکن مقدس قوانین کے تحت اسے بعد میں الگ کر دیا۔ سیتا یہ غم برداشت نہ کر سکی اور اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے لئے آگ میں کود گئی اگنی دیوتا جو مقدس آگ کے مالک ہیں انہوں نے آگ کو حکم دیا کہ وہ بجھ جائے اور سیتا کو نہ جلائے اس طرح سیتا

---

(۱) ابراہیم بن ادھم بلخ کے بادشاہ تھے۔ بعد ازاں حقیقت زندگی کو سمجھنے کے بعد بادشاہت کو ترک کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقصد اصلی بنالیا۔ آپ آپ بلند پایہ صوفیاء میں سے تھے اور امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد بھی تھے۔ اصح قول کے مطابق آپ کی وفات ۲۶۲ھ میں ہوئی۔ (خزینۃ الاصفیاء، غلام سرور قادری، مکتبہ نبویہ، لاہور، طبع اول، ۱۹۸۹ء، ص:۲۴۱)

(۲) مخزن چشت، امام بخش مہاروی، کتاب گھر، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص:۲۳۲

(۳) رام ہندوؤں کے معبودوں میں سب سے زیادہ پوجا کرنے والا دیوتا ہے۔ ہندومت میں اسے بہادری اور سچائی کا مجسمہ سمجھا جاتا ہے۔ رام کی شادی نیپال کے راجہ کی بیٹی سیتا سے ہوئی۔ (مذاہب عالم کا انسائیکلوپیڈیا، لیوس مور، مترجم: سعدیہ جواد، نگارشات پبلشرز، لاہور، طبع اول ۲۰۰۳ء، ص:۱۷۳)

دہکتی ہوئی آگ سے سالم نکل آئی اور اپنے بے داغ کردار کا ثبوت فراہم کر دیا۔"[۱]

ہندو مت کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ مسلمانوں کے ایک بڑے فرقہ "اہل تصوف" کے عقائد اور تعلیمات ہندو مذہب سے کس قدر متاثر ہیں عقیدۃ وحدت الوجود اور حلول یکساں، عبادت اور ریاضت کے طریقے یکساں، بزرگوں کے مافوق الفطرت اختیارات یکساں اور بزرگوں کی کرامات کا سلسلہ بھی یکساں اگر کوئی فرق ہے تو وہ ہے صرف ناموں کا تمام معاملات میں ہم آہنگی اور یکسانیت پالینے کے بعد ہمارے لئے ہندوستان کی تاریخ میں ایسی مثالیں باعث تعجب نہیں رہتیں کہ ہندو مت سے مسلم دنیا نے کس حد تک اثرات لئے اور ان کا عملی نتیجہ کس طرح ظاہر ہو رہا ہے۔لوگ مسلمان پیروں فقیروں کے مرید کیوں بن گئے اور مسلمان ہندو سادھو اور جوگیوں کے گیان دھیان میں کیوں حصہ لینے لگے اس اختلاط کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندو پاک کے مسلمانوں کی اکثریت جس اسلام پر آج عمل پیرا ہے اس پر کتاب و سنت کی بجائے ہندو مذہب کے نقوش کہیں زیادہ گہرے اور نمایاں ہیں۔

چھٹا سبب: مذہبی طبقے کی عدم توجہی یا غفلت:

کسی بھی مذہبی معاشرے میں معاشرے میں بسنے والے انسانوں کی دینی رہنمائی کا فریضہ ادا کرنے کے لئے ان کے مذہبی پیشوا یا رہنما ہوتے ہیں جو بنیادی دینی مصادر سے اخذ واستفادہ کرنے کے بعد انسانیت کی رہنمائی کرتے ہیں۔یہ مذہبی رہنما دو طرح سے رہنمائی کا فریضہ ادا کرتے ہیں ایک تو لوگوں کو درپیش مسائل جب لوگ ان کے سامنے لیکر جاتے ہیں تو وہ ان کا حل بتلاتے ہیں دوسرا اہم فریضہ ان کا یہ ہے کہ وہ ان امور پر جو دین کو خارجی اعتبار سے لاحق ہو رہے ہوں ان کی روک تھام اور ان کے متعلق بھی معاشرے کی رہنمائی کریں وگرنہ دن بدن معاشرہ نئے نئے بگاڑ سے وابسطہ ہوتا چلا جائے گا۔ہندو مت کے تصوف پر اثرات کے اسباب میں سے ایک انتہائی اہم سبب، راسخ علما کی بے توجہی یا اہل تصوف کو اہمیت نہ دینا بھی ہے کیونکہ جس دور میں تصوف اپنی پوری آب و تاب سے پھیل رہا تھا اور اس میں بہت سے غیر اسلامی نظریات کی آمیزش جاری تھی اس وقت کے راسخ علماء کا فرض تھا وہ عوام الناس کی مکمل رہنمائی کرتے اور اس فتنے کو روکتے اور بتلاتے کے یہ جس چیز کے داعی ہیں اور تعلیم دے رہے ہیں اس کا اسلام کے اصلا اصولوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔وہ علما جنہوں نے اس فتنے کو بھانپ لیا انہوں نے تو بروقت عوام کی رہنمائی کی لیکن جن علاقوں میں تصوف کی عملی شکل اور تصوف کے نام کے ساتھ یہ سب کچھ ہوا غیر ارادی طور پر علماء صوفیاء پر اعتماد کی وجہ سے جلد ان

---

(۱) مقدمہ ارتھ شاستر:۱۰۱/۱۰۲

کو بھانپ نہ پائے اور یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔

اس سلسے کے پھیلاؤ میں عملی کردار جن افراد نے ادا کیا تاریخ شاہد ہے کہ اکا اصلاً تصوف اور اہل تصوف سے کبھی کسی نوعیت کا تعلق رہا ہی نہیں تھا بلکہ یہ افراد تو ایک طے شدہ منصوبے کے تحت صوفیاء کے لبادے میں ان کو بدنام اور عوامی واخلاقی اثر ورسوخ سے نیچے کی سطح پر لانا چاہتے تھے۔ مختلف فیہ مسائل کو ہوا دے کر نئے عقائد گھڑ کر اور ان پر عمل پیرا ہو کر ان افراد نے بہت کم عرصے میں ہی اپنا مقصد حاصل کر لیا تھا۔

یہ لوگ جب ہندوستان میں آئے اور ظاہر بات ہے یہ ساری خرافات بر سر عام ہوتی رہیں اور ان کے پھیلاؤ اور پرچار بھی چلتا رہا تو حق تو یہ تھا کہ اس وقت کے علماء ان کی بر سر عام بیخ کنی اور قباحت کو بیان کرتے کیونکہ یہ تصوف کے نام پر سر عام غیر اسلامی نظریات کی ترویج کی جارہی تھی جس میں عوام الناس پر زور طریقے سے شرکت کرتی تھی عوام تو کجا برائے نام مذہبی صوفیا بھی ان میں شریک ہوا کرتے تھے لیکن تردید نہ ہونے کے سبب اور موثر رد عمل نہ ہونے کی وجہ سے یہ چیزیں مسلمانوں میں ایک اہم حیثیت اس اعتبار سے بھی اختیار کر گئیں کے اس وقت کے علماء کا اس کے متعلق کوئی خاص رد عمل نہیں ہے۔ چونکہ سر عام اور بر سر میدان یہ اعمال جاری تھے جس کے نتیجے میں وہ لوگ جو محض اپنے ذاتی مقاصد اور عناد تصوف کے لئے اس گروہ میں شامل تھے انہوں نے تزکیہ کے اس اسلامی شعبے سے وابستہ لوگوں کو بدعتی، گمراہ اور بدکردار ثابت کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ یہ لوگ ہندوؤں کے تہواروں میں شامل ہو کر انہی جیسا لباس وتہذیب اختیار کر لیتے جس سے ہندو مسلم میں فرق ناممکن ہو گیا تھا۔ اس کے متعلق ڈاکٹر ہالسن لکھتے ہیں:

> "پیر شمس الدین[1] جو اسماعیلی فرقے کا داعی تھا۔ ایک دن کشمیر سے ہندوستان آیا اور یہ ہندوؤں کے دسہرے کا دن تھا۔ پیر صاحب تقیہ کر کے خود کو یہاں کے رنگ میں رنگ چکے تھے۔ چنانچہ ہندو دسہرے کی خوشی میں رقص کر رہے تھے پیر صاحب بھی ان کے ساتھ رقص میں شریک ہو گئے اور ۲۸ گربا گیت تصنیف فرمائے۔ رفتہ رفتہ ہندو ان سے مانوس ہو گئے۔ انہوں نے کئی ہندوؤں کو قاسم شاہ نزاری کا پیرو بنایا۔"[2]

غور طلب بات یہ ہے کہ اس وقت جب اس قسم کے پیر اور صوفی اس طرح کی غیر اسلامی تعلیمات کے فروغ کا باعث بن

---

(۱) اسماعیلی فرقے کے بنیادی بزرگ ہیں، ان کو گزرے ہوئے ۳۰۰ برس ہو چکے ہیں۔ اسماعیلی فرقے کی بنیاد اور اس کے عقائد واعمال، اس کے بنیادی خدوخال ہندوستان کی سرزمین پر تصوف کی صورت انہی کی مرہونِ منت پہنچے تھے۔ (تذکرہ اولیائے ملتان، امتیاز حسین شاہ، ملتان، ص:۴۰)

(۲) شیعان ہند، ص:۱۴۵

رہے تھے عین اس لمحے مسلمان علماء کی بے توجہی تو تھی ہی خود ہندو بھی اپنی بنیادی تعلیمات سے نابلد تھے جو یوں آسانی سے شکار ہوتے چلے گئے۔

ساتواں سبب: غیر اسلامی نظریات کی آمیزش:

تزکیہ نفس کے اہم ترین ذریعے تصوف کو غیر اسلامی بنانے میں یا اس میں اسلام متضاد رسوم اور اصلاحات رائج کر کے اس کی بنیادی صورت کو مسخ کر کے ایک نئی اور ایسی شکل میں ڈھالنے میں جہاں بہت سے سابقہ اسباب جو ہم نے ذکر کیئے ہیں وہ بھی کار فرما تھے ایسے ہی ایک اہم ترین سبب یہ بھی تھا کہ ایک طے شدہ منصوبے کے تحت تصوف کی بنیاد کو مسخ کرنے کی غرض اور اپنے باطل مقاصد کے لئے ایک مخصوص طبقے نے تصوف کی اصطلاحات کو غلط استعمال کرتے ہوئے بہت سے ایسے نظریات کو تصوف میں داخل کر دیا جن کا سرے سے اسلام سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا اور نہ ہی مزید کوئی گنجائیش تھی کے وہ چیزیں اسلام کا حصہ بنائی جا سکیں جبکہ اسلام کی تکمیل کا فیصلہ خود قرآن مجید سنا چکا تھا۔ ایک طے شدہ منصوبے کے تحت ایسی روایات، اصطلاحات، اور تصوف کی بنیادی اصطلاحات کا استعمال کیا گیا جب کی بدولت اپنی باطل چیزیں اور نظریات اس میں داخل کئے گئے جو بعد میں تصوف ہی کا حصہ سمجھے جانے لگے۔ بطور تائید آقائے کیوان سمیعی کا یہ اقتباس پیش خدمت ہے:

> "صوفیوں میں غیر اسلامی عقائد حلول، اتحاد، وجودیت، کی شہرت اور اشاعت کا ظاہری سبب یہ ہے کہ مسلمانوں میں فرقہ ضالہ کے پیروکاروں نے اپنے باطل نظریات کی اشاعت کے لئے اپنے آپ کو صوفیوں کے لباس میں ظاہر کیا ان لوگوں کی صورت تو صوفیانہ تھی مگر سیرت نہیں۔ ان لوگوں نے اپنے غلط عقائد صوفیوں میں شائع کر دیئے چونکہ لوگ ان میں فرق نہ کر سکتے تھے اس لئے انہوں نے تعطیل شریعت، فرائض کا ترک اور محرمات کا استعمال کا عمومی حکم دیا۔"(۱)

یہ ایک ادنیٰ سی مثال ہے جس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ تزکیہ نفس کے اس عظیم اور اہم منصب اور عمل کو داغدار کرنے کے لئے کیسی کوششیں کی جاتی رہیں۔ یوں ہی صوفیوں کی شکل بنا کر مختلف باطل نظریات کو تصوف کا نام دے کر اس میں داخل کیا گیا اور عدم واقفیت اور مثبت رد عمل نہ آنے کی وجہ سے یہ روایات اور یہ جھوٹ تصوف کا حصہ سمجھا جانے لگے جس کی تصریح اور توضیح موقع پر ہی کر دی جاتی تو آج یوں تصوف پے انگلیاں نہ اُٹھائی جاتیں۔

---

(۱) مقدمہ شرح گلشن نوشتہ، آقائے کیوان سمیعی بحوالہ تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، پروفیسر سلیم یوسف چشتی، ص:۴۵

تجزیہ:

تصوف پر ہندومت نے جو اثرات ڈالے ہیں ان کو اختصار کے ساتھ مختلف عنوانات کے تحت تو بیان کیا جا چکا ہے لیکن اس کے اسباب کے حوالے سے اہم ترین اسباب جن کی وجہ سے تصوف عملی صورت میں یکسر ایک نئے زاویہ سے پہچانا جانے لگا وہ چند ایک اہم ترین اسباب مندرجہ ذیل ہیں۔ تصوف میں صوفیا کی بات کو حرفِ آخر سمجھا جاتا ہے کیونکہ ان کے متعلق ایک مرید یا سالک یہ طے کر چکا ہوتا ہے جو میری اصلاح کرے گا وہ خود کامل ہو گا لہذا اس کی بات کا انکار گویا کسی شرعی حکم کا انکار ہے۔ اس سوچ کو شخصیت پرستی کہا جاتا ہے یعنی شرعی دلائل و نصوص سے قطع نظر میرا پیر یا مرشد جس چیز یا کام کے متعلق حکم دے دے وہ حرفِ آخر اور تعمیل فرض اور واجب ہو جاتی ہے یہ ایک اہم سبب ہے جس کی بدولت ہندومت سے متاثرہ افعال تصوف کا حصہ بنے ہیں۔ دوسرا سبب عوام کی جہالت اور دینی احکام سے عدم واقفیت ہے۔ یعنی سالک یا طالب کو شرعی احکامات کا علم ہے ہی نہیں لہذا اس کورے کاغذ کو پیر جیسا چاہے حکم دے دے سکتا ہے اور اس سے ردِ عمل کی کوئی توقع نہیں ہے، جہالت دوسرا بڑا سبب ہے۔ تیسرا بڑا سبب ایسے لوگوں کا تصوف کے لبادے میں خود کو صوفی اور مسلمان ظاہر کر کے اس طور پے اس طبقے میں شامل ہو گئے کہ ان کی پہچان نہ ہو سکی۔ ان لوگوں نے اسلامی تعلیمات کے برعکس مختلف رسوم و رواج کو رائج کیا اور اس پر عمل کی مختلف فضیلتیں گھڑ لیں جوگیوں اور سنیاسیوں کی اہمیت ان کے منتروں کو مقدس اور ان کی دیگر جاہلانہ ترتیب زندگی کو مستحسن بنا کر مسلمانوں کی اس گروہ میں پیش کیا جس کی بدولت بہت جلد اصل تصوف جو عملاً صوفیا کا طریق تھا اس کا فکری حسن ان بدعات نے ماند کر دیا اور عبادات کی جگہ بدعات نے لے لی تھی۔ ایسے ہی بزرگوں اولیا و صوفیا کی من گھڑت کرامات، اور ان کو مافوق الفطرت طاقت کا مرکز و منبع سمجھنا بھی انہی اسباب میں سے ہے جنہوں نے عملی تصوف پر ایسا اثر ڈالا کے اس کی صورت ہی مسخ کر دی مثلاً ہندو پنڈتوں اور سنیاسیوں کی مافوق الفطرت صلاحتیوں کو بیان کرتے اور خوب ملمع سازی سے بیان کرتے جس سے ان کی طاقتیں انسانی بساط سے کئی گنا زیادہ معلوم ہوتیں، مسلمانوں نے ان کی تقلید میں کرامات کا بازار گرم کر دیا اور ایک سے بڑھ کر ایک کرامت کو بیان کرتے جس کا مآل بھی اولیاء کا مافوق الفطرت طاقت کا مالک ہونا معلوم ہوتا جیسا کہ ان مثالوں سے ظاہر ہے:

ایک ولی اپنی انگلی کے اشارے سے پہاڑ کو ہلا دیتے۔ ایک ولی ایک دیوار پر بیٹھے تو وہ شیر بن گئی۔

شیخ قطب الدین نے خواب میں ایک بزرگ کو عرش کے اوپر مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

اس طرح کی بہت سی کرامات برصغیر کے دور کی ملتی ہیں جو ہندوؤں کے مقابلے میں گھڑی گئی جن کا نتیجہ یہ نکلا کے عوام الناس نے صوفیا کے اس گروہ کو بھی انسانیت سے بالا کسی گروہ کے افراد سمجھنا شروع کر دیا اور یوں روایتیں چل پڑیں۔ ہندومت کے تصوف پر اثرات کا ایک اہم سبب تصوف کے نام پر غیر اسلامی نظریات کو تصوف میں شامل کرنا ہے جو کہ اسلامی تعلیمات سے

ثابت نہیں ہیں جیسا کہ رہبانیت پنڈتوں کا فعل تھا لیکن چلہ کشی کے نام پر صوفیاء کے ایک گروہ نے اس کو لازم قرار دے دیا تھا۔ یہ چند اسباب تھے جنہوں تصوف کی روح کو ہی بدل ڈالا تھا۔

فصل دوم: اسلامی تصوف پر ہندومت کے اثرات کے نتائج

سابقہ سطور میں (فصل اول) میں تفصیل سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے ہندوؤں سے اختلاط کے نتیجے میں اسلامی تصوف پر جو اثرات وارد ہوئے ان کے مختلف اسباب تھے جن کی تفصیل اوپر مذکور ہے۔ آئندہ سطور میں یہ بیان کیا جائے گا کہ ان اسباب کی وجہ سے معاشرے میں کیا نتائج رونما ہوئے اور کیا کیا تبدیلیاں آئیں۔ اسلام ایک عالمگیر، ہمہ گیر اور جامع دین ہے۔ جس میں ساری دنیا کے انسانوں کے لئے ہر طرح کی رہنمائی موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ درست طریقے سے صحیح اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی بدولت ظاہر کی درستگی اور باطن کا تزکیہ ایک ہی وقت میں ممکن ہے۔ ایک ساتھ ہی تزکیہ ہوتا ہے ظاہر و باطن کا الگ سے کسی اور سلسلے کی ضرورت نہیں رہتی اگر ان دونوں معاملات میں اصولی طور پر درستگی ہو تو اس معاملے میں نبی اکرم ﷺ کے جانثار صحابہ کی زندگیاں ہمارے لئے مشعل راہ اور نمونہ ہیں۔ شریعت اسلامیہ کی کامل پیروی کر کے انھوں نے دین و دنیا کی کامل بھلائیوں کو پایا تھا۔ ابتدائے اسلام میں شریعت و طریقت کی الگ الگ کوئی تقسیم نہ تھی اور نہ ہی ظاہر و باطن کی کوئی تقسیم تھی بلکہ اسلام کے نظام تربیت میں نفس کا تزکیہ اور شرعی احکام کی پابندی دونوں ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں ان دونوں پہلوؤں پر ہی زور دیا گیا ہے۔ کہیں بھی ظاہر و باطن کی یا شریعت و طریقت کی تخصیص نہیں تھی یہ تو بعد ازاں صوفیا کی مقرر کردہ اصطلاحات ہیں جن کو درجہ بدرجہ الگ الگ نام دیا گیا ورنہ اولیں دور میں ایک مومن رات کا راہب اور دن کا مجاہد ہوا کرتا تھا۔ اس کی زندگی قرآن و سنت سے عبارت ہوتی تھی الگ سے مجاہدے کا رواج ان کے ہاں اس انداز سے نہیں تھا۔ پھر بعد ازاں مزید وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی طبعیتوں اور مزاجوں میں جو کسل مندی آئی ان کے دوبارہ اس روحانی کیفیت تک پہنچانے کی غرض سے صوفیاء نے کوششیں شروع کیں اور مختلف اصطلاحات وضع کیں اور باقاعدہ فن تصوف مرتب و مروج ہوا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس فن میں ایسی تبدیلیاں آگئیں جنہوں نے اس کی اصلی شکل ہے بدل ڈالی وہ تصوف جو تزکیہ نفس و اخلاق کی آواز لیکر اُٹھا تھا اب وہ کرامات، محرمات افعال، میلوں ٹھیلوں کی چیز بن کر رہ گیا تھا جس کے بہت سے اسباب ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ ان اسباب کی بدولت تصوف کی ہیئت ہی بالکل تبدیل ہوئی اور ایک نیا تصوف سامنے آیا جس کا تصور بھی اسلامی تعلیمات میں محال ہے۔ اس تصوف نے تزکیہ والی عملی زندگی کو یک رخ بدل ڈالا اور وہ اسباب جن کے بدولت تصوف اس شکل میں سامنے آیا نے نئے نتائج کو جنم دیا جو شرعی تعلیمات اور اخلاقی اقدار سے ماورا تھے بلکہ اسلام کی روح کے تصور کے ہی منافی تھے۔ اچھے افعال اچھے نتائج کو جنم دیتے ہیں اسی اصول کے تحت وہ غیر اسلامی افعال جن کا تصوف سے دور کا کوئی تعلق نہیں تھا جب وہ تصوف میں در آئے تو ظاہری بات ہے اب ان کے نتائج بھی یکسر مختلف ہی ہوں گے۔

ذیل میں ہم ایسے افعال کا ذکر کریں گے جو تصوف پر اثر انداز ہونے کے بعد کے نتائج کے طور پر سامنے آئے ہیں یا ان افعال کا

عملی نتیجہ کہا جاسکتا ہے۔

قرآن وحدیث سے دوری:

اہل تصوف جب تک اپنی اصل (قرآن وحدیث کی تعلیمات) پر رہے تو دنیا نے ان سے اصلاح وفیض پایا اور اب بھی پا رہی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کا منصب مُزکّی قرآن مجید میں واضح فرمایا تھا۔جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلالٍ مُبِينٍ﴾[1]

(خدا نے اہل ایمان پر بڑا احسان کیا کہ ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا، جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں، کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں؛ جب کہ پہلے یہ لوگ گمراہی میں مبتلا تھے۔)

یہ آیتِ کریمہ فرائضِ رسالت اور کارہائے نبوت کے سلسلے میں سنگِ میل کا درجہ رکھتی ہے، اس میں قرآنِ کریم نے کارِ نبوت کی تمام تفصیلات کو صرف تین عنوانات کے تحت سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔

۱. تلاوتِ آیات
۲. تزکیۂ اخلاق وعمل
۳. تعلیمِ کتاب وحکمت

کارہائے نبوت کے تین اہم مناصب یا امور میں سے دوسرا امر تزکیۂ اخلاق ہے جس کا حکم خود اللہ تعالی نے اپنے محبوب نبی کو دیا اور آپ ﷺ نے موقع بموقع تزکیہ اخلاق کی عملی شکل کو واضح فرمایا یوں ہی یہ سلسلہ دور صحابہ کرام اور بعد ازاں دور تابعین میں چلتا رہا لیکن اس کی ہیئت کذائی پہلے سے بدلتی چلی گئی وقت کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ اس میں بہت سی دوسری چیزیں آتی چلی گئیں جو اصلا اصلاح کے عنوان کے تحت ہی داخل کی گئی تھیں لیکن اسلامی تعلیمات سے ان کا کوئی تعلق نظر نہیں آتا تھا۔

برصغیر پاک وہند تک تصوف یا وہ منصب نبوت تزکیہ اخلاق کی صورت یکسر بدل چکی تھی اب تزکیہ کی وہ صورت نایاب تھی جس میں سر دست قرآن مجید سے رہنمائی لی جاتی تھی اب قرآن کے مقابل مختلف اوراد وظائف نے جگہ لے لی سنیاسیوں سے میل

---

(۱) سورۃ آل عمران:۳/۱۶۴

جول نے مختلف مراقبے کی صورتوں میں ان کی طرح منتروں کی جگہ مجرب وظائف پڑھ کر مرادیں پانے کی پریکٹس اور پھر اس کا عملی پھیلاؤ شروع کر دیا جس کے سبب امت کا ایک طبقہ قرآن سے لاتعلق ہوتا چلا گیا اور اصلاح کے نام پر جہال صوفیا کی تعلیم نے اس کو اور بھی گمراہ کر دیا۔ اس تسلسل میں دور ماضی کے صوفیا کا عمل دخل بھی کم نہ تھا اہل برصغیر ان ہی کی تعلیمات کو بطور دلیل پیش کرتے کہ سابقہ صوفیا بھی قرآن میں غور وفکر سے منع کرتے تھے مثلاً علامہ شعرانی کبریت الاحمر میں لکھتے ہیں:

> "اللہ تعالی اپنی بعض غیبی نداؤں میں کہتا ہے۔ اے میرے بندے رات میرے لئے ہے۔ قرآن کے لئے نہیں کہ اس کی تلاوت کی جائے۔ دن میں تمھارے لئے عبادت کا لمبا کام ہے لہذا تم دن میں عبادت کرو اور رات کو میرے لئے مجتمع ہو جاؤ۔ کیونکہ جب تم قرآن میں غور کرو گے تو جنت کی نعمتوں اور ان کی حوروں میں محو ہو جاؤ گے۔ اور عذاب اور جہنم کی آیات کا معائنہ کرو گے تو اس مین مصروف ہو جاؤ گے۔ حالانکہ میں نے تمھیں تدبر کا حکم صرف اس لئے دیا ہے کہ تم اپنے دل کے ساتھ میرے اوپر جمع ہو جاؤ۔"[1]

کبریت الاحمر اور اس جیسی دوسری صوفیا کی کتب سے یہ لوگ اپنا مدعا اس طور پر ثابت کرتے ہیں کہ اللہ پاک نے اپنی جانب متوجہ ہونے کا حکم دیا ہے اگر قرآن میں غور وفکر کریں گے تو بہت دور چلے جائیں گے اور مدعا بھی حاصل نہ ہو گا۔ لہذا قرآن میں غور وفکر نہ کیا جائے یوں اہل تصوف کا یہ گروہ قرآن سے دور ہوتا چلا گیا۔

منصوص احکام پر زیادتی:

اسلام ایک آفاقی اور ہمہ گیر عالمی دین ہے جس میں تمام قسم کے معاشرتی سماجی، سیاسی، اور عمومی پیش آنے والے مسائل کا حل موجود ہے۔ اس کا بنیادی ضابطہ اور کتاب حیات قرآن مجید اور سنت نبوی ﷺ کا ذخیرہ ہے جس کی بدولت آج تک مسلمان دنیا تو کجا غیر مسلم بھی اس سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ قرآنی اصول وضوابط منضبط اور مرتب ہوتے ہیں اور ان اصولوں کی عملی توضیح اور تشریح احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔ گویا قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ ہی اصل اساس اور بنیاد ہیں۔ جو ان کے بتائے ہوئے مقررہ اصولوں پر عمل پیرا ہو گا نجات اسی کے لئے ہے اور جو اس کے علاوہ اپنی جانب سے من گھڑت گنجائشیں اور اسباب پیدا کرے گا وہ نقصان پائے گا۔

ہندو مت سے طویل رفاقت کی وجہ سے برصغیر کے اہل تصوف نے ان کی دیکھا دیکھی قربت خداوندی میں منصوص احکام میں

---

(۱) الکبریت الاحمر بر حاشیہ الیواقیت الجواھر، مکتبہ امدادیہ، ملتان، ۱۹۹۸ء، ص: ۱۲

بھی زیادتی شروع کر دی اور اسے باقاعدہ سے دین اسلام کا حصہ گر دانے لگے اس کا نتیجہ یہ نکلا کے اصل احکام شریعت ایک جانب رہ گئے اور ان کے بدلے مستحب، نوافل نے ان کا درجہ لے لیا جب کہ اصل مطلوب شریعت تو فرائض کی ادائیگی تھی۔ ان میں سے بعض نے تو ابوالحسن کے قول سے استناد کر کے کہا "اہل معرفت اعمال صالحہ کے محتاج نہیں رہتے۔" یہ کہہ کر کے نماز ہمیشہ کے لئے ترک کر دی۔ (۱)

الغرض اس طرح کی اور بہت سی مثالیں بھی موجود ہیں جن میں مختلف اوقات کے نوافل کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا چاہے صحت مند ہوں یا بیمار ہر حال میں ان کی ادائیگی لازم تھی، مختلف روزے فرضی روزوں کی مانند لازم کئے ہوئے تھے جن کا شرعا ایسا کوئی تصور بھی نہ تھا بلکہ شریعت کی جانب سے ایسا کوئی لزوم سرے سے تھا ہی نہیں۔ مزید تفصیل کے لئے اسلام کا خانقاہی نظام دیکھئے۔

مجاہدوں اور ریاضتوں کی کثرت:

برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کی طویل عرصہ کی رفاقت ہندوؤں سے تھی جس کی وجہ سے میل جول، راہ ورسم اور رواجات میں قربت آجانا لازم ٹھہرا۔ جہاں یہ معاشرتی طور پر رہا وہیں مذہبی اعتبار سے اہل تصوف نے ان سے اخذ او استفادہ کیا ان میں دیگر چیزوں کی طرح بے جا مجاہدے اور ریاضتیں شامل تھیں جو اصلاً ہندوؤں کے جوگی اور سنیاسی کیا کرتے تھے۔ جن میں مختلف قسم کے معکوس چلے، کنوؤں میں الٹے لٹکنا، کئی کئی دن بھوکا رہنا، گندگی اور نجاست میں پڑے رہنا، جس کے متعلق ان کا عقیدہ اور سوچ یہ تھی کہ ان افعال کی بدولت انھیں کئی اعلیٰ قسم کی شکتیاں (طاقت) ملتی ہے ان کی دیکھا دیکھی مسلم جہال صوفیوں نے یہ سارے کام شروع کر دئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امت اصل دین کے شکل کو بھلا کر اسی کو حقیقی اسلام سمجھ بیٹھی اور تنقید کے دروازے کھل گئے آج بھی بعض اوقات کسی ایسے ہی نجس شخص کو دیکھیں تو اس کے پاس کثیر تعداد میں لوگ اپنی مرادیں پانے کو حاضر ہوتے ہیں۔

فسق وفجور کا پھیلاؤ:

سابقہ سطور میں اسلام کے تہوروں کے متعلق ہم مختصر بیان کر چکے ہیں جس کا مدعا یہ تھا کہ شرعا یہی تہوار مسلمانوں کے ہیں ان کے علاوہ کوئی اور تہوار مقرر نہیں ہے۔ اور شارع کے علاوہ کسی اور کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی ذاتی خواہش اور ایما پر کوئی دن کسی شرعی حیثیت سے مقرر کر کے اس میں آنے کو لازم قرار دے چونکہ ہندوؤں کے ہاں دیوالی، دسیرا، اور دیگر ایسے تہوار ہیں جو کسی نہ کسی شخصیت یا ان کے باطل معبود سے منسوب ہیں جبکہ مسلمانوں نے اس کا حل عرس، میلے ٹھلوں کی صورت میں نکالا اور

---

(۱) اسلام اور خانقاہی نظام، پروفیسر امان اللہ بھٹی، دارالسلام، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص: ۱۴۹

اس کو کسی بزرگ صوفی کی طرف منسوب کر دیا جس میں تصوف کے نام پر اہل اسلام میں بے حیائی، فحاشی، فسق وفجور کی ترویج کی جاتی ہے جس بزرگ کے صوفی ہونے کی وجہ سے وہ عرس یا میلہ ہوتا ہے اس کی تعلیمات سے کسی کو کوئی واسطہ نہیں ہوتا لیکن وہ فسق وفجور میں شرکت ضرور کرتے ہیں۔

عقائد جدیدہ:

اہل تصوف کی ہندومت سے قربت اور میل جول کی زیادتی اور قرآن وحدیث سے عدم واقفیت نے تصوف کے نام پر بہت سے جدید عقائد کو ان میں جگہ دے دی جو رفتہ رفتہ ان کے فن کا حصہ اور خاصہ سمجھے جانے لگے۔ درحقیقت اسلام میں ایسے کسی عقیدے اور سوچ کی کوئی جگہ نہین تھی اس لئے کہ جتنے بھی اہم عقائد تھے اعمال تھے ان کو کماحقہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُم وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلامَ دِينًا﴾[1]

(آج میں تمہارے لیے تمہارا دین پورا کر چکا اور میں نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور میں نے تمہارے لیے اسلام ہی کو دین پسند کیا ہے۔)

تکمیل دین کے اس واضح اعلان کے بعد کوئی ایسی گنجائش باقی نہیں رہتی کے دین کے نام پر کسی فعل کا اضافہ کر کے اس کو دین کا نام دیا جائے لیکن ہندومت کے اختلاط کی وجہ سے اہل تصوف نے بہت سی ایسی باتیں صوفیا کے نام پر اہل اسلام کے ہاں داخل کیں جن کو عقیدہ سمجھ کر پڑھا اور فعلا کیا جاتا رہا اور اب بھی بعض جگہوں پر اس کا مشاہدہ ہوا ہے۔ مثلا ناد علی کے متعلق یہ عقیدہ بنایا گیا کے ہر مشکل میں اس کو پڑھا جائے تو ہر مسئلہ حل ہو جاتا ہے وجہ یہ ہے کہ تبوک کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کی انگلی زخمی ہوئی تو آپ ﷺ نے ناد علی ہی پڑھی (معاذاللہ) تو وہ ٹھیک ہو گئی۔[2]

ایسے ہی مختلف امور میں مختلف افعال کا لازمی عقیدہ رکھنا، مختلف اوراد کو خاص عقیدے سے پڑھنا بھی اور پڑھانے کی تعلیم دینا بھی اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔

---

(۱) سورۃ المائدۃ:۵/۳

(۲) اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزیش، ص:۴۵

نصوص قرآنی کی تکلفانہ تاویلات:

قرآن مجید اللہ پاک کی نازل کردہ آخری کتاب ہے جس میں رہنمائی کے تمام تر اصول مکمل طور پر موجود ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں اسی متعلق فرمایا گیاہے کہ اس کے عجائبات ختم ہونے والے نہیں ہیں۔اس میں خیر و شر کو تفصیلا بیان کیا گیاہے اور مامور بہاامور کو اور منہی عنہ کو بھی واضح کیا گیاہے تاکہ ہر انسان اس سے ہدایت کی کامل روشنی کو پاسکے اور یہ ھدی للناس کامصداق بنے اس سے ہدایت پانے والے لوگوں میں سے اس پر کامل ایمان کے ساتھ ساتھ اس کی واضح نصوص کو بلاکم وکاست تسلیم کرنا بھی اولین ترجیح ہے۔

طبقہ صوفیاء کے اختلاط ہندومت کے اسباب کے مختلف نتائج میں سے ایک نتیجہ یہ بھی سامنے آیا کہ ہندوؤں سے اختلاط کے نتیجے میں جب ان کے مذہبی رہنماؤں سنیاسیوں اور جوگیوں اور پنڈتوں کو دیکھا کے وہ بلا تامل مذہبی نصوص سے من مانی مراد لیتے ہیں اور اس کا مصداق جسے چاہیں بنالیں ان کو کوئی بھی روکنے والا نہیں ہے لہذا ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ تاویلات کے ذریعے یہی دروازہ تصوف کے پاکیزہ نام پر کھول لیا جائے چونکہ قرآن مجید محکم کتاب ہے اور واضح امور کی رہنمائی کرتی ہے اس لئے اہل تصوف نے نصوص میں تاویلات کادروازہ کھولا اور من پسند تاویل کرکے آیات کو ان پر منطبق کیااور امت کے افراد کو یہ باور کرایاکے اصلاً اس آیت کا،مصداق یہی ہے حالانکہ اسکا اسلام اور قرآن کی بنیادی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں تھا گویا یہ عمل صوفیا کے افکار کا عظیم اور بڑا خطرہ ہے کہ انہوں نے امت کے لئے قرآن وسنت کی نصوص کی تاویلات کا باطنی دروازہ کھول دیاہے۔اور ان نصوص کو من پسند مفہوم پہنا کے ترویج دی ہے۔عبدالرحمن سلمی نے ایسی تاویلات کو دو جلدوں میں جمع کیاہے جن پر اہل تصوف نے باطنی تاویلات کی ہیں اور اس کا نام "حقائق التفاسیر" رکھاہے۔سورۃ فاتحہ کے سلسلے میں وہ صوفیا کا کلام نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> "اس کا نام فاتحۃ الکتاب اس لئے رکھا گیاہے کہ یہ وہ اول چیز ہے جس کے ذریعے ہم نے تمھارے ساتھ خطاب کا دروازہ کھولا ہے۔اگر تم نے اس کے ادب کو اختیار کیا تو ٹھیک ہے ورنہ تو مابعد کے لطائف سے محروم ہو جاؤ گے۔"(۱)

ایسے ہی زکوۃ کے متعلق صوفیا کا کہناہے کہ:

---

(۱)اہل تصوف کی کارستانیاں،ص:۷

"اہل طریقت کی زکوۃ یہ ہے کہ، بخل کی رذیلت سے نفس کا تزکیہ اوراس سے دل کو پاک کرنا اہل طریقت کی زکوۃ ہے۔"(۱)

اسی طرح ایک اور جگہ پر اسی بابت اہل صوفیا کا قول ہے:

"اہل حقیقت کی زکوۃ یہ ہے کہ وجود کے اندر جو قوت وادراک ہے اسے مقید کر کے عالم مطلق تک پہنچانا تاکہ وہ اس کے ذریعے سے اس کی غیریت کو آلائیشوں سے پاک کر دے۔"(۲)

زکوۃ کے علاوہ دیگر عبادات کی نصوص میں بھی اہل تصوف کا یہی طرز عمل ہے تائید کے لئے یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

"اسی طرح عبادات یہاں تک کے جہاد کے متعلق بھی ایسی ہی تاویلات مذکور ہیں۔ اہل شریعت وطریقت کے طہارت، وضو، نماز، روزہ حج، زکوۃ، ادا کرنے کے طریقے مختلف ہیں۔ لہذا انھیں ظاہری اجسام کے ساتھ عبادت کرنے کی ضرورت نہ رہی۔ اسی لیئے مقربین ہمیشہ باطنی تاویلات پر عمل پیرا رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کے حلاج نے کہا تھا سفری صعوبتوں کی کیا ضرورت ہے انسان اپنے گھر میں بیٹھا بھی حج کر سکتا ہے۔"(۳)

الغرض اس نوعیت کی باطنی اور نصوص کی مختلف تاویلات نے تصوف کو قدیم شکل سے بدل ڈالا اور ایک نیا چہرہ تصوف کا سامنے آگیا جو شرعا مذموم تھا محمود نہیں تھا۔

تجزیہ:

تصوف انسانیت کو راہ راست پر لانے کی ایک ہمہ گیر تحریک ہے۔ اور اپنے آغاز سے ارتقائی مراحل تک ایک کثیر انسانیت کی اصلاح کا بیڑا اٹھائے رکھا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اور ارتقائی مراحل میں اونچ نیچ سے اس تحریک نے ایک نیا رخ اختیار کیا جو برِ صغیر پاک وہند کے تمدنی وتہذیبی اکٹھ میں ایک نئے تصوف کا سبب بن گیا۔ تصوف کی اس نئی صورت نے بہت سی خارجی چیزوں کو جنم دیا جن کا وجود اس سے قبل نہ تھا اور نہ ہی ان کا تصور تھا۔ صوفیا کے ہندو مت سے مختلط تصوف کے نکتہ نظر نے عوام الناس کو اصلاح کے اصل منبع قرآن وسنت سے ہی دور کر دیا۔ ان کے ہاں قوالی، محفلِ سماع، گیت، نغمے اس قدر موثر ثابت ہوئے کہ وہ منبع ہدایت کو ہی بھول بیٹھے تھے اور آج بھی بعض مقامات پر یہی حال مشاہدہ میں آیا ہے۔ ایسے ہی مجاہدوں اور چلوں کی کثرت نے

---

(۱) اسرار الشریعۃ وانوار الطریقہ، ص:۲۱۵ بحوالہ اسلام کا خانقاہی نظام، ص:۱۴۸

(۲) ایضاً

(۳) بین التصوف والتشیع، ص: ۳۶۹ بحوالہ اسلام کا خانقاہی نظام، ص:۱۴۹

فرائض سے بھی دور کر دیا اور ایک بڑی تعداد دوران چلہ وظائف کا اہتمام تو کرتی لیکن فرائض کو بھول جاتی اور فرائض کی اہمیت بھی وظائف کے سامنے کم تھی۔ معاشرتی بگاڑ نے اس صورت جنم لیا کے تصوف کے نام پر ہونے والے میلے، عرس اور دیگر قسم کے اجتماعات نے فسق وفجور کو جنم دیا اور جہالت کی وجہ سے دین کا حصہ سمجھ کر عوام اس میں شریک ہوتی ہے۔ ایک بڑی تعداد ایسی تیار ہو چکی ہے جو نئے نئے عقائد کو متعارف کرانے میں مستعد ہیں جن کا دین اسلام میں کوئی تصور نہیں اور نہ ہی کسی نص سے ان کا ثبوت ہے۔ اس طرح کی کثیر چیزیں ہیں جن کی وجہ سے تصوف اپنے حقیقی مقام سے پستی کی طرف آگیا ہے اور معاشرتی اصلاح کی بجائے مزید بگاڑ کا باعث بنا ہے۔

فصل سوم: اسلامی تصوف پر ہندومت کے اثرات کا تدارک

انسان بنیادی طور پر دو چیزوں سے مرکب ہے یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ انسان دو چیزوں سے مل کر بنا ہے اول روح ثانی اس کا جسم یا وجود مادی اور دونوں ہی اس کی تعمیر سیرت و کردار میں برابر کردار ادا کرتی ہیں۔ جس طرح انسانی جسم مختلف بیماریوں کا شکار ہوتا ہے اسی طرح انسانی روح بھی باطنی بیماریوں کا شکار ہوتی ہے۔ جس کو ذی شعور آدمی روحانی طور پر محسوس کر سکتا ہے۔ البتہ یہ بات پیش نظر رہے کہ جس طرح جسمانی بیماریوں میں بھی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اسی طرح روحانی مرض بھی باطنی گناہوں لغزشوں کی بدولت کم وزیادہ ہوتے رہتے ہیں۔ دونوں سلسلوں کے علاج کی الگ الگ ترتیب وطریقہ ہے۔ اول کے لئے مریض ڈاکٹر، طبیب اور حکیم کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں اور ثانی کے لئے عموماً کوشش ہی نہیں کی جاتی اور اگر کی جائے تو مرض کے مطابق اس کا طبیب صادق ملنا بھی اس دور میں النادر کالمعدوم کے درجے کی بات ہے۔ جبکہ یہ معاملہ حساسیت کے اعتبار سے ایسا ہے کہ روحانی حکماء کا کہنا ہے کہ:

> "جب انسان کے قلب پر نفس امارہ (برائی کا حکم دینے والے نفس کا) کا قبضہ ہو جاتا ہے تو اگر اس کا یہ قبضہ تادیر رہ جائے تو انسانی ضمیر مردہ ہو جاتا ہے اور ضمیر کی موت انسانی سیرت و کردار کی موت ہے۔"(۱)

> "انسانی تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ انسان باتوں سے اس قدر اثر نہیں لیتا جتنا اثر اس پر کردار کے اعتبار سے پڑتا ہے۔ ایسے ہی روحانی امراض سے متاثر مریض بھی خود اپنا علاج نہیں کر سکتا بلکہ اس کے لئے بھی مخصوص فن جس کے لئے نرا علم کافی نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ تزکیہ کو ملا نہ لیا جائے۔ صوفیاء کے نزدیک نفس منبع شر ہے یعنی تمام برے اعمال و افعال اسی سے سرزد ہوتے ہیں۔ نفس ہی رضائے الٰہی کے حصول سے روکنے والا اور امانت حق میں خیانت کرنے والا ہے۔"(۲)

صوفیاء کے نزدیک روح کی بیماریوں کا علاج جسمانی بیماریوں سے بھی ضروری ہے۔ اور روح کی بیماریوں کے متعین فن یا علم جسے علم تصوف کہا جاتا ہے خود ہی مختلف قسم کے مغالطوں کا شکار ہو تو یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اس فن و علم تزکیہ سے روح کا درست خطوط پر علاج تو کجا برعکس اور روحانی بیماریاں لاحق ہوں گی جو شاید پہلے سے زیادہ خطرناک ہوں۔ کیونکہ تزکیہ کے نام پر جب خرافات اور

---

(۱) اسلام کا خانقاہی نظام، ص ۱۷۳

(۲) کشف المحجوب، ص: ۱۷۶

تصوف کی پاکیزگی کے نام پر روحانی نجاست میں مریض جتنا وقت بھی گزارے گا وہ خطرناک ہے۔اس لئے پہلا درجہ یہ ہے کہ وہ تمام آلائشیں جو اس تزکیہ کے علم وفن کو لاحق ہو چکی ہیں ان سے اس کو پاک کیا جائے اور ان کے تدارک کے لئے موزوں لائحہ عمل لایا جائے جس کی بدولت حق واضح ہو اور باطل نظریات کی موشگافیوں سے روح کو آلودہ ہونے سے بچایا جائے۔

ذیل میں برصغیر پاک وہند سے ہندو مسلم مختلط معاشرے کی وجہ سے تصوف میں جو چیزیں در آئی تھیں ان کے تدارک کے مختلف طریقے بالترتیب نقل کیے جاتے ہیں۔جن کی بدولت ہندومت سے مختلط تصوف اور حقیقی تصوف کو واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

قرآن وسنت کی تعلیم سے واقفیت:

قرآن وسنت کی تعلیم سے واقفیت کو تصوف کے غلط نظریات کے پرکھنے اور ان کے پھیلنے سے روکنے کے طور پر بطور تدارک کے دیکھ سکتے ہیں۔اس کی دو صورتیں یا دو پہلو ہو سکتے ہیں اول تو اس اعتبار سے کہ صوفیاء کے جس طبقے سے متصل کوئی فرد تصوف کی جس دعوت کو عام کر رہا ہے کیا اس کا دور تک کوئی تصور اسلامی بنیادی تعلیمات یعنی قرآن وسنت سے وابستہ نظر آتا ہے یا نہیں۔اس کسوٹی پر کسی دوسرے کو اس وقت پرکھا جاسکتا ہے جب کہ خود بنیادی امور سے یعنی قرآن وسنت سے واقفیت ہو اور عقائد واعمال صالحہ کی حدود کا علم ہو کسی باطل عقیدے کو قبول کرنے سے پہلے یہ علم ہو کہ اس کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔خود قرآن مجید بھی کئی مقام پر اپنے اندر اسی قسم کے غور فکر کی دعوت دیتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَلا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾[1]

(وہ لوگ قرآن میں تدبر کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پے تالے پڑے ہوئے ہیں۔)

یہ بات تو طے ہے یہاں نرا غور وفکر مطلوب نہیں بلکہ قرآنی روح کو سمجھنے کی بات ارشاد فرمائی جارہی ہے اس کی بنیادی تعلیمات کو جاننے اور سمجھنے کی بات کی جارہی ہے ورنہ صرف پڑھنے کی بات ہوتی تو فاقرأ ما تیسر میں اس کا ذکر موجود ہے لہذا جب تدبر اور غور وفکر کی بات کی جارہی ہے تو اہل تصوف کے باطل نظریات جن پر ہندومت یا کسی بھی دوسری قوم وملت کی چھاپ ہو تو بلا تامل اگر قرآن وسنت سے معمولی واقفیت بھی ہوئی تو تدارک ممکن ہے۔وگرنہ جہالت دروازے کھولے کھڑی ہے اور منتظر ہے کہ کوئی آجائے۔اور بہت سے لوگ عدم واقفیت کی بنا پر اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔قرآنی تعلیمات کے ساتھ ساتھ سنت نبوی

---

(۱) سورۃ محمد:۴۷/۲۴

ﷺ سے واقفیت بھی اشد ضروری ہے تاکہ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ سے واقفیت ہمیں باطل نظریات جو تصوف میں در آئے ہیں ان سے باخبر رکھے۔ صوفیا کے ہاں بعض ایسی رویات ملتی ہیں جن میں بہت قلیل عمل اور بہت بڑا اجر ملتا ہے ایسی اکثر روایات درجے کے اعتبار سے کمزور ملتی ہیں لیکن تحقیق نہ ہونے کے سبب عوام کا ان پر عمل شروع ہو جاتا ہے۔ بہت سی صوفیاء سے منسوب مختلف نمازیں ہیں جن کے پڑھنے پر ساٹھ ساٹھ ہزار نیکیوں کا اجر ہے درانحالیکہ یہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہی نہیں ہیں۔

ایسی بہت سی بدعات جن کا ہم سابقہ سطور میں ذکر کر چکے ہیں، مثلاً صوفیاء کی نمازوں کے مختلف نام، ان کے مختلف فضائل جن کی کوئی سند ثابت نہیں ہے۔ ان کے معکوس چلے، اور رہبانیت کے طریقے جن پر سنت میں کچھ بھی وارد نہیں ہوا ہے لیکن المیہ یہ ہے کہ انھیں بھی سنت سمجھا جارہا ہے اور اس پر بھی اطلاق کیا جارہا ہے۔

الغرض قرآن سنت کی نصوص سے واقفیت سے بھی تصوف کی باطل نظریات کا تدارک کیا جاسکتا ہے اور تصوف کے درست رخ کی جانب راہنمائی کی جاسکتی ہے۔

توحید، رسالت اور آخرت سے واقفیت:

تصوف میں در آئے باطل نظریات کے تدارک کے لئے دوسری اور اہم چیز جس کا علم از حد ضروری ہے وہ ایک مسلمان کے لئے بہر حال بہت ہی ضروری ہے وہ اسلامی بنیادی عقائد ہیں جن سے واقفیت کی بدولت بروقت ہندومت سے اختلاط کی صورت میں مسلم دنیائے تصوف میں جو نظریات شامل کئے گئے ہیں پر بروقت مطلع ہو سکتے ہیں۔ وہ بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کے متعلق علم اور عقیدے پر مبنی ہیں۔ توحید سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوق میں اس کی صفات تسلیم کر لینا شرک ہے۔ وہ تن تنہا اس نظام کا کارساز ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾[1]

(بھلا متفرق رب اچھے ہیں یا اکیلا غالب اللہ بہتر ہے۔)

اور سورۃ اخلاص میں ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾[2]

---

(۱) سورۃ یوسف: ۱۲/۳۹

(۲) سورۃ اخلاص: ۱۱۲/۱

(کہہ دو کہ وہ اللہ ایک ہے۔)

دوسرا عقیدہ رسالت کا ہے۔ رسالت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کہ ہدایت کے لئے جس گروہ کو منتخب کیا اسے انبیاءورسل کا گروہ کہتے ہیں۔ انبیاء اپنے اپنے ادوار میں اللہ تعالیٰ سے وحی لے کر امت کی رہنمائی کیا کرتے تھے لیکن محمد عربی ﷺ کی آمد کے بعد نبوت ورسالت کا سلسہ ختم ہو گیا۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾[1]

(محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔)

تصوف میں عوام الناس کے باطل نظریات کو قبول کرنے اور ان کو اسلام سمجھنے کی بڑی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ اسلامی بنیادی اور اہم ترین عقیدوں سے بے خبر ہیں جس کی وجہ سے ہر باطل نظریہ جب وہ اسلام کے راستے تصوف کے نام پر آتا ہے تو اسے قبول کر لیا جاتا ہے۔ عقیدہ توحید سے واقفیت کی بناپر قبور سے منتیں مرادیں اور بزرگان دین کو حاجت روا سمجھنے کا جاہلانہ اور گمراہ عقیدہ خود بخود دم توڑ جائے گا۔ اسلام کے عملی پہلو سامنے ہوں تو رہبانیت اور ہندوانہ گیان دھیان کی طرف توجہ ہی نہیں جائے گی۔

سنت نبوی ﷺ کی مکمل پیروی:

اہل تصوف کے اختلاطی باطل نظریات کے تدارک کا تیسرا ذریعہ یا طریقہ شارع کی مکمل اتباع ہے اور اس کی عمومیت کو علمی اعتبار سے فروغ دینا ہے۔ ہر عمل میں پہلی ترجیح سنت نبوی ﷺ ہو۔ اور اس کا علم ہونا بھی ضروری ہے کہ کس وقت کون سا عمل آپ ﷺ کی حیات طیبہ سے ثابت ہے اور اس عمل کا درست طریقہ کیا ہے اس کا درجہ کس نوعیت کا ہے۔ کیا اس عمل پر رسول اللہ ﷺ سے لزوم ثابت ہے۔ الغرض سنت نبوی کی کامل پیروی جس میں عمل کے ساتھ اس کا علم بھی شامل ہو تو نور علی نور ہے ورنہ صوفیا کی تعلیمات جس میں باطل نظریات کی آمیزش ہو وہ معاشرے میں لاعلمی کی بناپر جلدی رسوخ پاتی ہیں اور لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے انھیں قبول کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ کسی نہ کسی پیر، رہبر صوفی بزرگ سے منسوب ہوتی ہیں اور بدعات کا علم نہ ہونے کی وجہ سے معاشرے کے جاہل اور عام افراد اس سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ لہذا سنت نبوی ﷺ کے پیروی اور آپ کی درست اور مطلوب اتباع سے بھی باطل نظریات کا تدارک ممکن ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

(۱) سورۃ احزاب: ۳۳/۴۰

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾[۱]

(اے نبی کہہ دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔)

یہ آیت بہت معروف ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کو نبی کریم ﷺ کی اتباع پر موقوف کیا ہے جو لازم ہے۔ ایسے ہی حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے اپنی محبت کو جزو ایمان قرار دیا ہے اور آپ ﷺ کی محبت آپ ﷺ کی اطاعت ہی ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ:

((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُم حَتى أَكُونَ أَحبَّ إِلَيهِ مَنْ وَالِدِه وَوَلَدِه وَالنَّاسِ أَجْمَعِين))[۲]

(تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہو گا جب تک اس کے والد اور اولاد تمام لوگوں سے زیادہ اس کے دل میں میری محبت نہ ہو۔)

فسق وفجور سے بچنا:

ایک زمانہ تھا جب تصوف سے معاشرے کی اصلاح کا اولین فریضہ ادا کیا جاتا تھا اور صوفیاء حقیقی کردار ادا کرتے ہوئے اس فرض کو بخوبی ادا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ وقت کی تبدیلی اور مختلف تہذیبوں کے میل میلاپ نے اس اہم فن کو آلودہ کر دیا اور کل تک جس تصوف سے تقویٰ دلوں میں گھر کرتا تھا آج تمدنی ملاپ نے اس تصوف کو فسق وفجور اور محرمات افعال کا محور بنا دیا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ یہ سب دین اسلام کے نام پر ہوا اور اور لاشعوری طور پر عوام الناس اس کا شکار ہوتے چلے گئے۔ تصوف کو جہاں اور بہت سی چیزوں نے آلودہ کیا ان میں بہت سے ایسے افعال ہیں جو فسق وفجور، بے حیائی اور فحاشی کو فروغ دینے والے ہیں جن میں مزاروں پر جمع ہو کر میلے ٹھیلے لگانا، عورتوں اور مردوں کا اختلاط آزادانہ طور پر ہونا۔ قوالی کو عین دین بنا کر سماع کا نام دینا اور اس کے جواز کے دلائل فراہم کرنا جب کہ شرعاً گانا حرام ہے۔ اور گانے والوں پر پیسے نچھاور کرنا یہ سب فسق وفجور دین اسلام کے نام پر ہی ہمارے ہاں ہو رہا ہے۔ یہ ان جہال صوفیاء کی تعلیم کا تسلسل ہے جن کے متعلق ابن عقیل یوں بیان کرتے ہیں:

"میں کئی وجہوں سے صوفیوں کی مذمت کرتا ہوں۔ جن کے فعل کی مذمت کو شریعت نے واجب قرار دیا ہے۔ انھوں نے خانقاہوں کے نام پر مختلف اڈے قائم کر رکھے ہیں۔ وہ عوام پر اثر انداز ہونے کے لئے مختلف

---

(۱) سورۃ آل عمران:۳/۳۱

(۲) الجامع الصحیح للبخاری، محمد بن اسماعیل، باب حُب الرسول، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۱/۲۷

شعبدے دکھاتے ہیں تاکہ ان کا رعب ان پر قائم رہے۔ یہ مختلف لباس اور مختلف فسق وفجور اختیار کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں۔ حلال وحرام کے تمیز کم ہی ان کے ہاں پائی جاتی ہے۔ یہ اجنبی عورتوں اور نوخیز لڑکوں سے ملتے ہیں۔ محافل سماع سجاتے ہیں۔"[۱]

چونکہ اسلام دین فطرت ہے اور برائی سے روکتا ہے اور دین اسلام کے قواعد، اصول وضوابط نہایت واضح ہیں۔ محرمات ومنہیات متعین اور واضح ہیں اور ان کی حدود بھی بتلادی گئی ہیں۔ حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے:

((اَلْحَلَالُ بَيِّن وَالحَرَامُ بَيِّن وَبَينَهُمَا مُتَشَابِهَات لَاَ يعْلَمُهَا كَثِير مِنَ النَّاس))[۲]

(حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ ان دونوں کے درمیان بعض چیزیں شبہ کی ہیں جن کو بہت لوگ نہیں جانتے۔)

لہذا تصوف میں باطل نظریات کی آمیزش کے تدارک کے لئے ان تمام فسق وفجور والے افعال کا شعور اور ان سے بچنا کسی حد تک یقینی تدارک ہے۔

بیعت وصحبت علمائے راسخین:

اہل تصوف کا کردار اصلاح کے اعتبار سے کتنا اہم اور ضروری ہے سابقہ سطور میں تفصیل سے آچکا ہے۔ چونکہ روح اور جسم انسانی وجود کے اجزا ہیں اور انسان کو روحانی بیماریوں سے پالا بھی رہتا ہے لہذا اسے تصوف اور اہل تصوف کی ضرورت بھی کسی حد تک رہے گی۔ سابقہ سطور میں اہل تصوف کے مختلط نظریات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے ان کے اعمال وافعال کا جائزہ لیا گیا۔ اختلاط کی صورت در آنے والے افعال کو واضح کیا گیا۔ چونکہ انسان روح اور جسم سے مرکب ہے اور جسم کی طرح روح کی بیماریوں میں مبتلا رہتا ہے اسے روحانی طبیب کی بہر حال ضرورت تو رہے گی۔

بیعت ایک مستحب عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور بیعت دونوں ہی نعمتیں حاصل تھیں۔ صحابہ کرامؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک صحبت سے زندگی کے رخ کو ایک نئے زاویے پر استوار کیا۔ وہ لوگ جو کل تک زمانہ جاہلیت کی اصولوں کے علمبردار تھے وہ یکسر ایسے تبدیل ہوئے کہ اعلیٰ اخلاقیات میں ان کی عملی مثالیں دی جانے لگیں۔ یہ

---

(۱) اہل تصوف کی کارستانیاں، ص:۲۴

(۲) الجامع الصحیح للبخاری، محمد بن اسماعیل، باب فضل من استبراء لدینہ، رقم الحدیث:۵۲، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ص:۸۷

صحبت نبویہ ہی کے اثرات تھے جو رفتہ رفتہ سامنے آنے لگے اور وہ معاشرہ بدلتا چلا گیا۔

عام طور پر تصوف کے باطل نظریات کے فروغ کی بڑی وجہ بیعت کی شرعی حیثیت نہ پہچاننا اور ہر مہ و کہ کے لاؤ لشکر کو دیکھ کر بلا تحقیق بیعت ہو کر اس کی باطل تعلیمات کو قبول کر کے اس کا پیرو بن جانا ہے۔ ایسے باطل نظریات کے تدارک کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اول تو قرآن و حدیث سے رہنمائی لی جائے پھر بھی اگر ضرورت محسوس کی جائے تو راسخ اہل علم کے پاس جایا جائے اور ان سے مشورہ کر کے اہل علم اہل اللہ سے بیعت کی جائے تو بھی کسی حد تک تدارک ممکن ہے۔

تجزیہ:

تصوف کے حوالے سے سابقہ ابواب میں ہم نے ان اسباب و عوامل کا ذکر کیا جن کی وجہ سے تصوف نے ایک نیا رخ اختیار کیا اور بہت سی نامانوس اور غیر شرعی چیزیں تصوف کے نام سے اس میں داخل ہو گئی۔ جہاں ان اسباب کی پہچان ضروری تھی وہاں ان اسباب کا تدارک بھی ضروری ہے جو مندرجہ ذیل طریقوں سے ممکن ہے۔

پہلا اور اہم سبب اور بنیادی طریقہ منبع رشد و ہدایت کا مضبوطی سے تھامنا ہے۔ قرآن و سنت کی تعلیم کو عام کرنا اور صوفیاء سے منسلک لوگوں کو ان کی تعلیم کی ترغیب دینا بنیادی نکتہ ہے جو صراط مستقیم کی حقیقی ترجمانی اور اصلاح کا منبع ہے۔ جب کوئی سالک یا ہدایت کا طالب قرآن و سنت سے تعلق جوڑ لے گا وہ کسی بے سند قول و عمل کو قبول نہیں کرے گا۔ سنت نبوی ﷺ سے واقفیت اسے شرعی احکامات کی حقیقی تکمیل میں رہنمائی کریگی اور درست عمل تک پہنچائے گی۔

دوسرا اہم عمل باطل نظریات کے تدارک کے لئے ضروری ہے وہ بنیادی اور اہم عقائد سے واقفیت ہے۔ صوفیاء کے گروہ میں بہت سے نظریات عقائد کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں اگر قران و سنت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ سالک کو عقائد کی بحث سے بھی واقفیت ہو گی وہ کسی بھی صورت غیر اللہ کو اللہ کے منصب کا مالک و مختار نہیں بنائے گا۔ نیز قرآن و سنت ہی کی تعلیم کے ذریعے اسے عمل حقیقی کی پہچان ہو جائے گی اور وہ لایعنی احکام، میلے، عرس، وغیرہ کی حیثیت بھی جان جائے گا، جس کی بدولت بہت سے فسق و فجور سے بچ جائے گا۔

ایک اور اہم چیز جو ان غیر شرعی اعمال کا تدارک بن سکتی ہے وہ اصلاحی تعلق کی صورت میں راسخ، متقی، علما سے مشورہ کرنا کہ میں اپنی اصلاح کے لئے کس صاحبِ طریقت سے رجوع کروں جو خود بھی شرعی احکام پر پابند ہو۔ ان چیزوں پر عمل سے امید ہے مخالف اسباب کا تدارک ممکن ہے

خلاصہ بحث

تصوف اپنی وضع کے اعتبار سے تزکیہ نفس اور اخلاق کی پاکیزگی کا علمبر دار ہے اور ایک طویل عرصہ تک اسی اعتبار سے لوگوں کی اصلاح اس احسن انداز سے ہوتی رہی کہ لوگ اپنی روحانی بیماریوں کے علاج کے لئے حکماء یا اطباء کی بجائے اہل اللہ کی مجالس میں جاتے اور اپنی اصلاح کرواتے تھے۔ ابتدائی ادوار تصوف میں تصوف عملاً تو موجود تھا لیکن اس کی اصطلاحات متداول تھیں بالکل ایسے ہی جیسے علم فقہ اور علم اصولِ فقہ یہ بنیادی طور پر تو موجود تھے لیکن ان کی اصطلاحات ابھی مدون یا زبان زد عام نہیں تھیں۔ اس دور میں تصوف کا کام تزکیہ کی صورت میں کیا جاتا تھا۔ مختلف ادوار سے ہوتے ہوئے تصوف نے ایک نئے عملی فن کی شکل اختیار کر لی جس کی اپنی اصطلاحات رائج ہونا شروع ہوئیں۔ مختلف سلسلے سامنے آئے جن میں سے چار سلسلے معروف و مشہور ہوئے اور اہل اللہ بزرگوں سے ان کی نسبت ہوئی جس میں انہوں نے اصلاح نفس کے مختلف طریقے وضع کئے اور مختلف اسباق کا سلسلہ شروع کیا جن سے عوام الناس کو خاطر خواہ فائدہ ہوا۔ ان بزرگوں کا لٹریچر عام ہوا جس میں ان کے اصلاحی تجربات، افادات علمیہ اور محسوسات کو نقل کیا گیا۔ تصوف کا یہ سلسلہ اپنا سفر طے کرتے کرتے برصغیر کی سرزمین پر پہنچا جہاں دیگر قدیم مذاہب کے ساتھ ساتھ ہندومت کے ساتھ اس کا طویل اختلاط رہا۔ مذاہب عالم میں ہندومت قدیم ترین مذہب ہونے کی وجہ سے ہندومت میں وحدت اور ہم آہنگی کی بجائے کثرت اور تنوع پایا جاتا ہے۔ جس کی فکری مثال بیک وقت لاتعداد معبودوں کی پرستش اور عملی مثال طبقاتی تقسیم ہے۔ اسی طرح ہندومت کسی ایک خاص طرز فکر یا طبقاتی نظام زندگی کا نام نہیں بلکہ قدیم، دراوڑی، آریائی اور یونانی افکار کے مجموعے کا نام ہے۔

ہندومت کے ہاں بھی نیکی بدی، جنت جہنم کا تصور ملتا ہے لیکن ان کے اپنی اصطلاحات کے تحت طبقاتی تقسیم کی بنا پر موکشا یعنی اخروی نجات کا کوئی متعین راستہ نہیں بلکہ مختلف طبقات کے لئے الگ الگ ہے۔ برہمن کے لئے ویدوں کا تعلیم و تعلم اور کھشتریوں کے لئے میدان جنگ میں جان دینے سے سورگ یعنی جنت ملتی ہے۔ ہندومت میں اصلاح نفس کا طریقہ اور تصور موجود ہے اور بطور دین اور مذہب اس کی مختلف عملی شکلیں بھی موجود ہیں۔ قدیم مذہب ہونے کے باوجود یہ بات واضح ہے کہ ہندومت نجی زندگی کے لئے تو رہنما مذہب کی حیثیت اختیار کر سکتا ہے لیکن فرد اور معاشرے کی رہنمائی کے قابل مذہب نہیں ہے اور نہ ہی یہ کسی معاشرے کی اساس بن سکتا ہے۔ اس کے اصول وضوابط اس قابل نہیں ہیں۔ ہندومت کی بنیاد مذہبی اصولوں پر کم سماجی رسوم پر زیادہ ہے۔ جبکہ بسا اوقات سماجی اور معاشرتی رسوم پر مذہبی اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ جس کی مثال ہندوؤں کی طبقاتی تقسیم ہے جس کا بظاہر تصور تو تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے ادنیٰ اور اعلیٰ کے اعتبار سے لیکن ہندومت میں مذہب کی بنیاد پر یہ تصور لیا گیا ہے۔

تصوف اصلاً اپنی ترتیب کے اعتبار سے شرعی اصولوں ہی پر مبنی تھا۔ اختلاط اور مرورِ زمانہ نے ہندومت کے ساتھ تمدنی، اور

طویل المدتی، قیام کی وجہ سے اپنی اصل شکل کھو دی اور نتیجتاً بہت سی جدید غیر اسلامی چیزیں تصوف کا حصہ بن گئیں۔ تصوف کو اپنی اصل پر لوٹانے اور ہندومت سے مختلط عقائد و اعمال سے پاک کرنے کے لئے، عقائد کا علم، فسق و فجور سے بچنا، سنت نبوی ﷺ پر عمل، قرآن مجید کی تعلیمات سے روشناس ہونا خصوصاً عقیدۂ توحید کی اہمیت اور اس کا ادراک ہونا بہت ضروری ہے۔

نتائج بحث

اس تحقیق سے درجہ ذیل نتائج اخذ کئے گئے ہیں:

- تصوف فی نفسہ محمود فن ہے اور مطلوب شریعت ہے۔ تصوف کے ذریعے صوفیاء نے کثیر تعداد میں انسانیت کی اصلاح کی اور عوام الناس میں اخلاقیات کو از سرِ نو زندہ کیا اور عملاً اسلامی اخلاقیات کی صورت پیش کی بوجہ قرآنی صفتِ تزکیہ کے جو کہ اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کے مناصب میں ایک منصب تزکیہ بھی ذکر کیا ہے لہذا فی نفسہ محمود ہے۔
- تصوف حقیقی کا خلاصہ تزکیہ نفس اور رذائل سے بچنا اور فضائل کو حاصل کرنا ہے۔ صوفیاء نے اپنے مختلف ادوار میں انہی دو چیزوں کو اپنا اولین ہتھیار بنائے رکھا اور ان دونوں کی رہنمائی علم کے ذریعے جاری رہی تھی یہاں تک کے تصوف اور صوفیاء کے علوم و اعمال نے غیر شرعی اور دیگر اقوام کے افعال سے تاثر لینا شروع کیا جس کے نتیجے میں نتائج مختلف ہونا شروع ہوئے جو بعد ازاں ایک نیا رخ اختیار کر گئے۔
- ہندومت سے اختلاط کی بدولت بہت سے غیر اسلامی نظریات تصوف میں در آئے جن کی اصلاح کی ضرورت ہے مثلاً ہندومت میں وشنو اور شیو کے متعلق یہ نظریہ موجود ہے کے وہ کائنات کے اُمور میں بایں معنی دخل دیتے ہیں کہ انہیں وہ مقام و مرتبہ حاصل ہے جو کائناتی معاملات میں تبدیلی کر سکتا ہے۔ ایسا ہی نظریہ مسلمانوں میں داخل ہو گیا کہ صوفیاء بھی اپنے مقام و مرتبے اور کثرتِ عبادت کے سبب اُس مقام پر ہیں جہاں ان کو بھی مافوق الفطرت اختیارات حاصل ہیں۔
- باطل نظریات کی ترویج کا بڑا سبب جاہل صوفیاء اور ان کے گمراہ کن عقائد تھے مثلاً ایسے نظریات شرعاً جو عبادت کے دائرہ کار میں داخل بھی نہیں ہیں صوفیاء کی تعلیم میں وہ لازم و ملزوم ہیں جیسا کہ حلولی گروہ کے نظریات یا وحدت الوجود و تناسخ کے نظریات جہال صوفیاء کی معرفت ہی پھیلتے چلے گئے۔
- تصوف حقیقی کے حصول اور اس سے نتائج کے حصول کے لئے بنیادی علم شریعت کا ہونا از حد ضروری ہے۔ کیونکہ بنیادی عقائد اور عبادات کے علوم سے عدم واقفیت کی صورت میں راہنمائی خود اپنی ذات کے لئے تو گمراہی کا سبب ہے ہی۔ یہی نظریات جب خانقاہی شکل میں عوام کے ذریعے پھیلتے ہیں تو اسلام کا جزوِ لاینفک سمجھے جاتے ہیں۔
- ہندومت میں بھی نجات کا تصور موجود ہے اور اس کے لئے کوشش کا تصور بھی موجود ہے جسے تین پہلوؤں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ کرم، جنان، بھگتی کے نام سے موسوم ہیں۔ ہندومت اور صوفیاء کے نجات کے ان نظریات میں مماثلت کچھ اس طور پر ہے کہ ان کے ہاں بھی ان کے معبودانِ باطلہ نجات کا اختیار رکھتے ہیں اور کلی مشکلات سے نجات بھی دلاتے ہیں۔ مسلم صوفیاء نے بھی ایسے ہی نظریات پیش کئے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء کو کلی اختیار حاصل ہے وہ چاہیں تو ہر

حال میں نجات دے سکتے ہیں جیسا کہ بعض صوفیاء کے متعلق مشہور ہے ارواح کے چھیننے کا یہ اختیارِ اولیاء کا ہی شاخسانہ ہے۔

- ہندو مت کے ہاں پاکیزگی اور وحدت کے اعتبار سے بعض چیزوں میں مماثلت ہے مثلاً عبادات میں طہارت کے باب میں لباس کے اعتبار سے جیسا کہ ان کے ہاں گنگا جمنا کے پانی سے نہانے، اشنان کرنے سے گناہوں کے دھلنے کا عقیدہ ہے۔ ایسے ہی جہال صوفیاء سے منسوب ان کے علاقوں میں مختلف چشمے، ندی، نالوں کے پانیوں کے متعلق عقیدہ بھی متاثرہ ذہنیت کا ہی نتیجہ ہے۔
- اوائل دور تصوف میں باطل فرقوں نے اپنے باطل نظریات کی تصوف میں آمیزش کی جس کی بدولت دوسرے طبقوں کو اسلام کے مخالف کوششوں کی راہ مل گئی جس کے متعلق سید علی ہجویریؒ نے بارہ مذموم طبقوں کی صورت میں اشارہ کیا جن میں قابلِ ذکر حلولیہ، خارجیہ، باطنیہ ہیں۔ ایسے ہی کچھ ایسے لوگ تھے جو اسلام اور صوفیاء کے لبادے میں اپنے مذموم مقاصد کے لئے اسلام کے تشخص کو استعمال کرتے تھے۔ انہیں تصوف اور صوفیاء کی صورت میدان میسر آگیا جن کی تصریح مقالہ ہذا میں موجود ہے۔
- اصل اور حقیقی تصوف کی پرچار کے لئے ضروری ہے کہ ایسے لوگ عملاً تصوف کی تربیت و تعلیم کا میدان سنبھالیں جو قرآن وسنت کے صحیح عالم ہوں۔ نصوص کو جاننے والے ہوں اور شرک وبدعات سے عملاً بیزار ہوں تب ہی معاشرے کی کامل اصلاح ممکن ہے۔

تجاویز و سفارشات

تصوف کی علمی و عملی حیثیت کے پیشِ نظر مقالہ نگار مندرجہ ذیل تجاویز و سفارشات پیش کرتا ہے۔

- تصوف کی حقیقی اور مستند عملی صورت پیش کرنے کے لئے یہ امر بہت ضروری ہے کہ عوام الناس کے اذہان سے یہ بدعقیدگی نکال دی جائے کہ جو شخص تصوف کی اصطلاحات پر عمل پیرا ہے اس کی حیثیت ایک مصلح اور مُربی کی ہے۔ اسے مافوق الفطرت اختیارات حاصل نہیں ہیں جن کے سبب وہ کائناتی اُمور میں دخل اندازی کر سکے اور انہیں بدل دے اور مختلف معاملات جو خالص اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہیں وہ اولیاء یا صوفیاء میں تسلیم کرے نیز یہ اصلاحی عمل صوفیاء ہی سے کروایا جائے جو راسخ العقیدہ ہوں تب ہی اصلاح ہو پائے گی۔
- تصوف اصلاح اعمال اور انسانوں کو اللہ تعالیٰ سے جوڑنے کی تحریک ہے فی نفسہ یہ مستحسن ہے لیکن مقالہ ہذا کے پیشِ نظر جن اقدامات کی بدولت تصوف کی ہیئت کذائی میں تبدیلی آئی ان کے تنقیدی جائزے کی ضرورت ہے تاکہ حقیقت تک رسائی ہو سکے۔ مثلاً قرونِ اولیٰ اور مابعد ہائے ادوار میں تصوف کی علمی اور عملی شکل اور ان کے نتائج کیا تھے اور ان کے اسباب کیا تھے یعنی ان ادوار میں علم، تفقہ، تزکیہ یکجا تھے اور بعد ازاں ان میں مختلف ادوار میں مختلف چیزیں داخل ہوتی رہیں جو نتیجے کے اختلاف کا باعث بنی تھیں۔
- صوفیاء کے مختلف فیہ احوال تو مختلف ادوار میں سامنے آتے رہے لیکن برِ صغیر پاک و ہند میں عقائد و اعمال میں عملاً زیادہ تبدیلیاں سامنے آئیں جن کی بدولت سابقہ صوفیاء بھی زد میں آئے اور مطلقاً تصوف پر اعتراضات کئے گئے۔ یعنی تصوف اپنے ابتدائی دور میں خالصتاً تزکیہ و اصلاح پر مبنی عمل کا نام تھا جو ارتقائی صورتوں سے ہوتا ہوا خارجی اثرات کی وجہ سے نئی صورت اختیار کر گیا جس کی وجہ سے ابتدائی حالات کو بھی اسی پر قیاس کیا جانے لگا اور تصوف کی مستقل مخالفت ہونے لگی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسے ذرائع اختیار کیے جائیں جو تصوف کی ابتدائی صورتِ حال کے عکاس اور شارح ہوں۔
- مقالہ ہذا میں پاک و ہند کے حوالے سے جائزہ لیا گیا ہے۔ مقالہ نگار کی رائے ہے کہ موجودہ تصوف کی عملی صورتِ حال کا بھی تحقیقی جائزہ لیا جائے تاکہ اسباب میں مماثلت کا پتہ چل سکے۔ یعنی تصوف میں برِ صغیر میں جو غیر شرعی رسوم، بدعات بدعقیدگیاں پیدا ہوئیں تھیں وہ بدعقیدگی، بدعات، اور رسوم کے نام پر تصوف کے سائے میں ہی پیش کی جا رہی ہیں۔ وہاں صوفیاء کی جہالت اور اختلاط ہندومت سبب تھا یہاں اسباب کیا کیا ہیں ان کو تلاش کیا جائے۔
- برِ صغیر پاک و ہند کے تصوف کے حوالے سے مقالہ ہذا کے پیشِ نظر جن اسباب کی نشاندہی کی گئی ہے مضامین (قدیم ذخیرہ) تصوف سے ان کا الگ سے شرعی نصوص کے خلاف ہونے کا جائزہ لیا جائے تاکہ اس بات کی نشاندہی ہو جائے کہ یہ الحاقی

بدعات بعد میں جُہال صوفیاء کی مرہون منت تصوف کا حصہ بنیں مثلاً غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز، مختلف صوفیاء کے نام کے روزے رکھنا، ننگے پاؤں چل کر ان کے مزرات تک جانا لازم سمجھنا یہ سب الحاقی چیزیں تھیں جو عملاً تصوف کی تعلیمات میں شامل نہیں تھیں ان کا جائزہ لیا جائے اور حقیقی صورت تصوف کو واضح کیا جائے۔

- تصوف کے قدیم اور اصل ذخیرے کو پروجیکٹ کی صورت سلیس اور قابل فہم پیرائے میں لانے کے لئے کوشش کی جائے تاکہ تصوف کی اصل صورت کو واضح کیا جائے کیونکہ تصوف پر کئے جانے والے اعتراضات میں متعلقہ دلائل ہندومت سے اختلاط کے بعد پیش آنے والی صورتِ حال سے متعلق ہیں جبکہ مخالفت کلی طور پر کی جاتی ہے لہٰذا ان ادوار کے فرق کو واضح طور پر تقسیم کی صورت میں الگ الگ پیش کیا جائے اور ان کے نتائج کا تجزیہ کیا جائے۔
- تصوف پر اُٹھنے والے اعتراضات نفی کی صورت ہیں ان کا از سر نو جائزہ لیا جائے اور قابل قبول جوابات قدیم ذخیرے سے دینے کی کوشش کی جائے جس سے اصل اور ملحقات تصوف میں فرق واضح ہو جائے گا اور یہ بھی معلوم ہو گا کہ اہل تصوف جو تصوف کے بانی تصور کئے جاتے ہیں اور ان کی تعلیمات بنیادی اہمیت کی حامل ہیں وہ شریعت کی تعلیمات سے مختلف نہیں ہیں بلکہ شریعت ہی کی عملی صورت ہیں۔ مختلف وجوہات کی بناء پر تصوف اور صوفیاء کی تعلیمات اور اعمال تبدیل ہوئے ہیں جو قدیم ذخیرہ علمی اور عملی تصوف میں ہر گز نہیں تھے۔
- اس عنوان کے علاوہ بھی جن موضوعات پر اس مقالے کی بدولت سوال اُٹھیں ان کو موضوع تحقیق بنایا جائے تاکہ تصوف کے مثبت امتیازات سامنے آئیں۔

فہرست آیات

نمبر شمار	آیات	سورۃ	سورۃ نمبر / آیت نمبر	صفحہ نمبر
۱	﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنهُمْ يَتْلُوا عَلَيهِمْ آيَاتِکَ...﴾	سورۃ البقرۃ	۱۲۹/۲	۲۰
۲	﴿إِنَّا للهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾	سورۃ البقرۃ	۱۵۶/۲	۱۲۵
۳	﴿وَالَّذِيْنَ آمَنُواْ أَشَدُّ حُبّاً للهِ﴾	سورۃ البقرۃ	۱۶۵/۲	۱۶
۴	﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ...﴾	سورۃ آل عمران	۳۱/۳	۱۸
۵	﴿وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ...﴾	سورۃ آل عمران	۸۵/۳	۵۹
۶	﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالأَرضَ...﴾	سورۃ الانعام	۷۹/۶	۱۲۸
۷	﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبَّ...﴾	سورۃ الانعام	۱۶۲/۶	۱۲۹
۸	﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم﴾	سورۃ التوبۃ	۱۰/۹	۲۲
۹	﴿قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ...﴾	سورۃ التوبۃ	۲۴/۹	۱۶
۱۰	﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ﴾	سورۃ التوبۃ	۹۲/۹	۹۱
۱۱	﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾	سورۃ الحجر	۹/۱۵	۱۳۶
۱۲	﴿وَقُلِ الحَمْدُ للهِ الَّذِی لَم يَتَّخِذْ وَلَداً وَلَم يَكُنْ لَه...﴾	سورۃ الاسراء	۱۱۱/۱۷	۱۲۸
۱۳	﴿وكذلک نُنجِي الْمُؤْمِنِينَ﴾	سورۃ الانبیاء	۸۸/۲۱	۹۱
۱۴	﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنهَى عَنِ الْفَحْشَاء وَالْمُنكَر﴾	سورۃ العنکبوت	۴۵/۲۹	۲۲
۱۵	﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾	سورۃ الزمر	۵۷/۳۹	۹۳
۱۶	﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾	سورۃ محمد	۲۴/۴۷	۱۹۳
۱۷	﴿فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ﴾	سورۃ ق	۲۲/۵۰	۱۳۰
۱۸	﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الهَوَى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْیٌ يُوحَى﴾	سورۃ النجم	۳،۴/۵۳	۱۸
۱۹	﴿أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ﴾	سورۃ الحدید	۱۶/۵۷	۳۳

٢٠	﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ﴾	سورة الحديد	٢٧/٥٧	١١٦
٢١	﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِىْ الْأُمِّيِّيْنَ رَسُولاً مِّنهُمَ...﴾	سورة الجمعة	٢/٦٢	٢٠
٢٢	﴿قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا﴾	سورة الشمس	١٠،٩/٩١	٢١

فہرست احادیث

نمبر شمار	احادیث	کتب احادیث	صفحہ نمبر
۱	((أللهم اجعَل حُبک اَحب إلي من نَفسی وأهلي...))	مشکوٰۃ المصابیح	۱۷
۲	((أَمَا وَاللهِ إِنِّي لَأَخشَاكُم للهِ وَأتقَاكُم لَه لَكِنِّی أَصُوم...))	صحیح البخاری	۱۱۷
۳	((رهبانية هذه الأمة الجهاد في سبيل الله))	مسند احمد	۱۱۶
۴	((فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِحْسَانِ!قَال:اَنْ تَعْبُدَ الله كَاَنَّکَ...))	صحیح البخاری	۲۴
۵	((فغَسلَ وَجهَهُ ويَديه وعليه جُبة من صُوف))	صحیح البخاری	۶
۶	((لا تُشَدِّدُوا عَلى أَنْفُسِكُم فَيشَدد اللهُ عَلَيكُم...))	سنن ابی داؤد	۱۱۷
۷	((لَا رَهبَانِية فِي الإِسْلَامِ))	مسند احمد	۱۱۶
۸	((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ هَواه تبعَا لما جئتُ به))	مشکوٰۃ المصابیح	۱۹
۹	((لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ...))	صحیح البخاری	۱۹
۱۰	((لَايَقُل أَحَدُكُم عَبدِی وَأَمَتِی وليقل فتای وفتاتی أن...))	صحیح البخاری	۱۴۹
۱۱	((مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ، وَأَبْغَضَ لِلَّهِ، وَأَعْطَى لِلَّهِ، وَمَنَعَ لِلَّهِ...))	مشکوٰۃ المصابیح	۱۷
۱۲	((منْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ وَالْجَهْل فَلَيْس...))	جامع الترمذی	۲۲
۱۴	((وَاتَّقُوا الشُّحَّ، فَإِنَّ الشُّحَّ أَهلَکَ مَن كَانَ قَبلَكُم...))	مشکوٰۃ المصابیح	۲۲

فہرست اعلام

اعلام	صفحہ نمبر
ابن سینا	۱۱۶
ابوریحان البیرونی	۷
ابوعبداللہ محمد بن جعفر کتانی	۱۰
ابی حلمان	۶۷
احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ	۱۵
ای۔ کرمسکی	۶۱
باقی باللہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ	۳۱
سلیم یوسف چشتی	۶۱
شمس الدین التمش	۳۴
عباس محمود عقاد	۱۴۲
عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ	۵۰
عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۱
عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ	۱۶
عبدالوہاب شعرانی	۶۵
فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ	۱۰
قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ	۳۰
محمد طاہر لاہوری	۱۱
معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ	۲۹
ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	۳۵

فہرست اصطلاحات

اصطلاحات	صفحہ نمبر
اپسرا	۱۰۳
اُلوہیت علی	۶۴
آواگون	۱۴۳
بدا	۶۴
تثلیث	۶۴
تجسیم	۶۴
تناسخ ارواح	۱۴۲
الحاد	۶۵
خلوت درانجمن	۵۷
رجعت	۶۴
رشی	۱۳۱
رہبانیت	۱۱۵
ریاضت	۱۱۷
سادھو	۱۱۹
سفر دروطن	۵۶
مکتی	۱۰۷
ہوش دردم	۵۵
وحدت الوجود	۱۱۴
وقوفِ زمانی، قلبی، عددی	۵۴
یگیہ	۱۵۱

فہرست بُلدان

بُلدان	صفحہ نمبر
اجمیر	۴۴
اجودھن	۳۳
افریقہ	۳۹
امریکہ	۷۴
ایران	۴۷
بخارا	۳۵
بدایواں	۳۲
بغداد	۳۹
بلقان	۳۹
بلوچستان	۳۴
بنگال	۲۸
بنگلہ دیش	۳۹
بھارت	۳۹
پاکستان	۳۹
ترکی	۳۹
جامعہ نظامیہ، بغداد	۴۶
جنوبی ہند	۲۶
چشت	۴۴
چین	۷۳
حجاز	۴۶
دہلی	۳۴
راجھستان	۳۴

سراندیپ	۲۸
سندھ	۲۸
سومنات	۲۶
سیستان	۴۴
صُفہ	۵
عراق	۴۶
غزنی	۲۸
کارومنڈل	۲۸
کوٹ کروڑ	۳۳
گجرات	۲۸
گیلان	۱۴۱
لاہور	۲۸
لیہ	۳۳
مالیبار	۲۶
مدینہ منورہ	۳۶
مکران	۱۶۳
ملتان	۳۳
ہندوستان	۲۶
ہندوستان	۳۴
یورپ	۷۴
یونان	۱۱۴

فہرست فِرق متفرقہ

فِرق	صفحہ نمبر
اسماعیلی دعاۃ	۱۷۶
اسماعیلیہ	۱۲۲
باطنیہ	۶۵
برہمن	۸۱
تانترک	۱۱۹
تستریہ	۶۹
حکیمیہ	۶۹
حلاجیہ	۶۷
حلولی	۶۷
خرازیہ	۷۰
خفیفیہ	۷۰
زنادقہ	۶۵
زندیق	۶۷
سیاریہ	۷۰
شودر	۱۱۴
طیفوریہ	۶۹
قرامطہ	۶۴
قصاریہ اور ملامتیہ	۷۰
کھشتری	۱۲۴
محاسبیہ	۶۸
ملاحدہ	۶۵
نوریہ	۶۹

ویش	۱۲۴
بکتاشیہ	۶۶

فہرست مصادر و مراجع

- اردو کی ترویج میں صوفیاء کا کردار، ڈاکٹر عبد الحق، کراچی، ۱۹۷۶ء
- الاستقامۃ، احمد بن عبد الحلیم، تحقیق: محمد رشاد سالم، جامع ابن مسعود، مدینہ منورہ، ۱۴۵۳ھ
- اسلام اور خانقاہی نظام، پروفیسر ڈاکٹر امان اللہ بھٹی، دارالسلام، لاہور، ۲۰۰۸ء
- اسلام اور خانقاہی نظام، ڈاکٹر امان اللہ، دار لسلام، لاہور، ۲۰۰۸ء
- اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، سلیم یوسف چشتی، انجمن خدام القرآن، لاہور، ۱۹۷۶ء
- بصائر حکیم الامت، وعظ تفصیل الدین، زمزم پبلیشرز، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص: ۸۴
- بھگوت گیتا ۲۷، رائے روشن لعل ایم اے، فکشن ہاؤس، ۱۹۹۶ء
- تاج العروس من جواہر القاموس، محمد بن محمد، زبیدی، تحت مادہ صفو، بیروت، ۲۰۰۱ء
- تاریخ تصوف، یوسف سلیم چشتی، دارالکتاب، لاہور، س ن، ص: ۹۹
- تاریخ دعوت و عزیمت، ابو الحسن علی ندوی، زمزم پبلیشرز، کراچی، ۱۹۹۸ء
- تاریخ مشائخ چشت، خلیق نظامی
- تحفہ نقشبندیہ، محمد بن سلیمان بغدادی، دار الاخلاص، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص: ۳۶
- تذکرہ شیخ عبد الحق دھلوی، احمد قادری، لاہور، ۲۰۰۳ء
- ترمذی، السنن، محمد بن عیسی الترمذی، دارالسلام للنشر والتوزیع، اپریل ۱۹۹۹ء
- تزکیہ واحسان یا تصوف و سلوک، مکتبہ امدادیہ، ملتان
- تصوف ایک تعارف، اعجاز احمد اعظمی، مکتبہ ضیاء الکتب، یوپی، انڈیا ۲۰۱۳ء
- تصوف و اہلِ تصوف، حافظ محمد موسیٰ بھٹو، سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ، حیدرآباد، کراچی
- تفسیر طبری، ابن جریر طبری، مکتبہ اسلامیہ
- تلاش ہند، جواہر لال، نہرو، کتاب محل، لاہور، ۲۰۰۲ء
- جوامع الکلم، محمد حسینی، مرتب: محمد حسینی اکبر، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۵ء
- حاشیۃ رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار، محمد امین بن عمر، ابن عابدین، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ
- حیات قطب عالم، مدثر حسین، ص: ۱۳۲

- الرسالۃ القشیریۃ، امام عبد الکریم بن ھوازن القشیری، ص:۴۳
- الرسالہ القشیریہ معی حاشیۃ العروسی، عبد الکریم ھوازن، جامع الدرویشیہ، دمشق، س ن
- رگ وید ایک مطالعہ، سوامی دیانند سرسوتی، ص۱۸۷، ۱۹۰
- الزہد والرقائق، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت، خطیب بغدادی، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، ۱۴۲۵ھ
- سنن ابی داؤد، سلیمان بن الاشعث، دار السلام، ریاض، ۱۴۱۶ھ
- سنن ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، دار الاسلام للتوازیع، ۱۹۹۸ء
- شاہ جو رسالو، بھٹائی شاہ عبد اللطیف، مرتب: کلیان آدوانی، روشنی پبلیکیشن کنڈیارو، طبع اول، ۱۹۹۷ع سُر سریراگ، داستان اول
- شریعت وطریقت کا تلازم، مولانا محمد زکریا، طبع اول، ۱۹۹۳ء
- صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، دار السلام، ریاض، ۱۴۱۹ھ
- صحیح مسلم، ابو الحسن مسلم بن الحجاج، قشیری، دار السلام، ریاض، ۱۴۱۶ھ
- غنیۃ الطالبین، عبد القادر جیلانی، ترتیب جدید: عبد المجید صدیقی، المیزان، لاہور، ۲۰۰۴ء
- فتاویٰ ابن تیمیہ الحنبلی کتاب التصوف، للنشر والتوزیع، ریاض، السعودیہ، ۲۰۰۰ء
- فصول فی التصوف، الدکتور حسن محمود عبد اللطیف الشافعی، دار الثقافۃ للنشر والتوازیغ، قاھرۃ، مصر، ص:۹۶
- فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی، مطبع مدینہ پبلشنگ، کراچی
- کتاب الہند، البیرونی، زمزم پبلیشرز، کراچی، ۲۰۰۳ء
- کشف المحجوب، علی بن عثمان الہجویری، تاجران کتب، لاہور، ۱۳۴۲ھ
- کشف المحجوب فارسی، علی بن عثمان الہجویری، تاجران کتب، لاہور، ۱۳۴۲ھ
- کشکول مجذوب، مکتبہ امدادیہ، ملتان، ۲۰۰۲ء، ص:۹۸
- گنج بخش بحیثیت عالم، عبد المجید یزدانی، لاہور
- لسان العرب، محمد بن مکرم، ابن منظو، تحت مادہ صفا، دار صادر، بیروت، بدون سن
- اللمع فی التصوف، شیخ ابو نصر السراج، (المتوفیٰ ۳۷۸ھ) ص:۴۲،
- مذاہب عالم کا ائیکلوپیڈیا، لیوس مور، نگارشات، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص:۱۶۲

- مسند احمد، احمد بن حنبل، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ۲۰۰۳ء
- المفردات في غریب القرآن، امام راغب اصفہانی، دار لقلم، ۱۴نومبر ۲۰۱۰ء
- مفکر اسلام اور تصوف، شمس الحق ندوی، ندوہ العلماء لکھنؤ، ۲۰۱۴ء
- مکتوبات امام ربانی، احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوب ۳۶، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۳۹۷ھ
- ملفوظات، فرید الدین گنج شکر، مرتب: بدر الدین اسحاق، مترجم: پروفیسر محمد معین الدین، نفیس اکیڈمی، لاہور، طبع سوم، ۱۹۸۳ء
- ہندو دھرم اور اسلام کا تقابلی مطالعہ، حافظ شارق سلیم، قرطاس پبلیشر، کراچی، ۲۰۱۱ء
- وظیفہ کریمہ، احمد رضا خان، بریلوی، مکتبہ المدینہ، کراچی، ۲۰۰۴ء
- الیواقیت والجواہر، عبد الوہاب شعرانی
- Encyclopedia of America, USA, 1982, Vol: 25, P:849